جہاد ایک مطالعہ از عمار خان ناصر، پر ایک نظر

محمد امتیاز

تمہید پر ایک نظر! 4

عہد نبوی و عہد صحابہ میں جہاد و قتال کی نوعیت 7

رسول اللہ ﷺ کا اسوہ 61

صحابہ کا جہاد 62

جماعتِ صحابہ کی خصوصی حیثیت 72

شہادت علی الناس 73

غلبہ دین کا وعدہ اور اس کی تکمیل 79

غلبہ دین بطور دلیل نبوت 84

حاصل بحث 90

مخالف استدلالات کا جائزہ 91

قتال اور دین کے معاملے میں جبر و اکراہ 96

قوموں پر عذاب اور قرآن 113

خدائی عذاب 129

قتل اور جزیہ میں سے اصل حکم کا تعین 146

قتال کی علت! حنفی فقہاء کا نقطہ نظر 151

جاوید احمد غامدی صاحب کا نقطہ نظر 161

قرآن مجید پیغمبر ﷺ کی سرگزشتِ انذار 177

دلیلِ مزید بر اتمامِ حجت 186

جہاد، ایک مطالعہ، پر ایک نظر

ماہنامہ الشریعۃ کے مدیر اور نامور عالم دین محترم زاہد الرشدی مدظلہ کے فرزند حافظ محمد عمار صاحب نے الشریعۃ مارچ 2012 کی اشاعت خاص میں تقریباً 230 صفحات پر مشتمل ایک مبسوط مقالہ جہاد پر لکھا ہے مگر جہاد سے متعلق پورے مقالہ میں صرف ایک آیت نقل کی ہے ان پر لازم تھا کہ قرآن مجید سے جہاد کے حوالہ سے آیات نقل کرتے پھر ان آیات سے جہاد کا معنی متعین کرتے مگر انہوں نے جہاد کی بجائے قتال سے متعلق مضمون لکھنا شروع کر دیا۔ راقم کو اس تمہید میں جہاد سے متعلق یہ کہنا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے قتال تو بہت محدود عرصہ کیا مگر جہاد مسلسل پورے دورِ نبوت میں کرتے رہے۔

اس سلسلے میں دو آیاتِ قرآن بھی جہاد کے حوالہ سے مدِ نظر رہنی چاہیں۔

سورہ فرقان کی آیت 52

فَلاَ تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا [25:52]

"پس آپ کافروں کا کہنا نہ مانیں اور قرآن کے ذریعے ان سے پوری طاقت سے بڑا جہاد کریں"

یہ مکی آیت ہے اور معلوم حقیقت ہے کہ مکہ میں قتال کا حکم مِلا ہی نہیں تھا۔ جہاد بالقرآن کا مطلب تمام تفاسیر جو یہ طالبِ علم دیکھ سکا ہے یہی لکھا ہے کہ تبلیغ بذریعہ قرآن کریں اور اس کے احکام لوگوں تک پہنچائیں۔ ہمارا ایمان ہے نبی ﷺ نے اس حکم پر پورا پورا عمل کیا۔

دوسری آیت سورۃ توبہ 73 اور تحریم 9 ہے

يٰاَ ايُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ [66:9]

اے نبی کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو اور ان پر سختی کرو ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بہت بُری جگہ ہے—"

یہ معلوم ہے کہ رسول اللہ نے کبھی کسی منافق سے لڑائی نہیں کی کیونکہ وہ بظاہر مسلمان تھے ساری عمر رسول اللہ نے منافقین سے مسلمانوں والا سلوک ہی کیا۔ قرآن میں ج۔ھ۔د۔ کے مادہ کے تحت 41 آیات آئی ہیں مگر کسی ایک آیت میں بھی جہاد و قتال کو بطور مترادف استعمال نہیں کیا گیا۔ مزید برآں کسی عذاب والی آیت میں بھی جہاد کا لفظ نہیں آیا۔ معلوم نہیں یہ غلط اصطلاح کس طرح اُمت میں رائج ہوگئی کہ لڑنے کا نام جہاد ہے۔ بقول مولانا وحید الدین خاں صاحب جہاد انتہائی پُرامن عمل کا نام ہے۔ کہنا یہ ہے کہ جہاد کے عنوان کے میں قتال والی آیات نقل کرنا اور پھر قبولِ دین میں آزادی عطا کرنے والی آیات مثلاً لا اکرہ فی الدین کے جواب میں قوموں پر عذاب سے متعلق آیات نقل کرنے کی وجہ سے محترم حافظ عمار ناصر صاحب نے خلط مبحث کیا ہے اور ان کا مضمون وحید الدین خاں صاحب کے اس جملہ کا مصداق بن گیا ہے کہ ''تمام غیر قرآنی نظریات کا بہترین ماخذ ہمیشہ غیر متعلق آیات رہی ہیں'' ہمارا یہ مقالہ لکھنے کا مقصد صرف رسول اللہ کے قتال کی صحیح نوعیت واضح کرنا اور قتال کے بارے میں قرآن کا حقیقی مدعا بیان کرنا ہے۔ جن حضرات پر اس مضمون میں تنقید کی گئی ہے ہمیں ان سے کسی قسم کا عناد نہیں اور نہ ہی انکی قابلیت پر کوئی شک ہے اس لئے ان حضرات کو ہماری اس تنقید سے اختلاف ہو تو جیسے اس طالب علم نے ان کی پیش کردہ آیات پر تبصرہ تحریر کرکے دکھادیا ہے کہ ان آیات کا اس قانون سے کوئی تعلق نہیں جو محترم عمار ناصر صاحب بیان فرما رہے ہیں۔ اسی اسلوب میں ہماری غلطی کی نشاندہی کی جائیگی تو انشاء اللہ اپنی غلطی تسلیم کرنے میں ہمیں کوئی جھجک یا عار نہ ہوگی اس تبصرہ میں یہ طالبِ علم صرف محترم عمار ناصر صاحب کی پیش کردہ آیات پر اپنا تجزیہ اور نقطہ نظر پیش کرے گا کیونکہ اختلافی امور میں قرآن ہی فیصلہ کن ہے باقی روایات پر بھی جہاں ضرورت محسوس ہوئی اپنی رائے پیش کردی جائے گی کیونکہ کسی روایت سے بھی عمار صاحب کی صریح تائید نہیں ہوئی۔ یہ بھی عرض کردوں کہ بیشتر روایات جو محترم عمار ناصر صاحب نے پیش کی ہیں وہ روایات بھی انہیں مفید مطلب نہیں ہیں۔ چند مقامات پر انشاء اللہ ان کی نشاندہی بھی کردی جائے گی۔ مگر اصلاً ہمارا مطالعہ قرآن تک ہی محدود رہیگا۔ روایات کی بنیاد پر نہ تو کبھی فیصلہ ہوا ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ یہ شان تو صرف قرآن ہی کی ہے کہ ''إِنَّهُ لَقَوْلٌ فَصْلٌ [86:13] یہ فیصلہ کن قول ہے۔'' خود نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم قرآن ہی سے فیصلہ فرماتے تھے اور قرآن ہی کو حکم مانتے تھے

" اَفَغَيْرَ اللهِ اَبْتَغِیْ حَكَمًا وَّ هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا وَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّکَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ[6:114]

تو کیا اللہ کے سوا کوئی اور فیصلہ کرنے والا تلاش کروں حالانکہ اس نے ایک مفصل کتاب تمہارے پاس بھیج دی۔"

''وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَیْءٍ فَحُكْمُهٗٓ اِلَى اللهِ ذٰلِكُمُ اللهُ رَبِّیْ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ [42:10]

اور تم جس بات میں اختلاف کرتے ہو اس کا فیصلہ اللہ کی طرف سے ہو گا یہی اللہ میرا رب ہے میں اسی پر بھروسہ رکھتا ہوں۔اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں"

درجِ بالا تینوں آیات قرآن کی فیصلہ کن حیثیت واضح کر رہی ہیں۔ ان آیات کے حوالے یہ ہیں الطارق 13 الانعام 114 اور شوریٰ 10 ۔ اس مضمون کی آیات قرآن میں بہت زیادہ ہیں مگر تفہیم کے لئے اتنے حوالے بھی کافی ہیں۔ اصولی طور پر تو اس سارے مضمون کا جواب صرف یہی ہونا چاہئے کہ آپ نے اپنے مضمون کا جو عنوان "جہاد" رکھا ہے تو چونکہ جہاد سے متعلق آیات پر آپ نے کسی قسم کا کوئی تجزیہ و تبصرہ ہی نہیں کیا لہٰذا آپ کا سارا مضمون ہی غیر متعلق آیات سے بھرا ہوا ہے تو اس کا کیا جواب دیا جائے مگر مناسب معلوم ہوا کہ اگرچہ جہاد سے حافظ عمار صاحب قتال ہی مراد لے رہے ہیں اور پھر قتالِ نبوی کی بالکل غلط توجیہہ بھی کر رہے ہیں۔ اس لئے پورے مضمون پر تبصرہ کرنا ضروری معلوم ہوا۔ کیونکہ ناچیز کی رائے میں اس فکر سے قرآن اور صاحبِ قرآن پر بذریعہ جنگ اسلام پھیلانے کا الزام آتا ہے۔

تمہید پر ایک نظر!

محترم عمار صاحب تمہید میں لکھتے ہیں "واقعاتی لحاظ سے دیکھئے تو اسلام صفحہ تاریخ پر جہاد کے جلو میں ہی رونما ہوا تھا نبی ﷺ کے جہاد ہی کے نتیجے میں اسلام کی سیاسی حاکمیت پہلے جزیرہ عرب پر اور اس کے بعد شام، ایران اور مصر کے علاقوں پر قائم ہوئی اور پھر توسیع سلطنت کا یہی سلسلہ آگے بڑھتا ہوا اندلس، ایشیائے کوچک، وسطی ایشیاء اور بعد ازاں جنوبی ایشیاء کے علاقوں کو محیط

ہوا۔ اسلام کو تاریخی سطح پر دنیا کا ایک بڑا مذہب بنانے میں اس واقعاتی تسلسل کا کردار غیر معمولی ہے اور یہی وجہ ہے کہ تاریخی تناظر میں اسلام کا مطالعہ کرنے والا ہر صاحبِ فکر جس سوال سے سب سے پہلے دوچار ہوتا ہے وہ یہی سوال ہے" (کہ اسلام میں 'جہاد' کا تصور اس کی غرض وغایت اور اس کا بنیادی فلسفہ کیا ہے)۔ الشریعۃ اشاعت خاص صفحہ "109۔

یہ طالب علم عرض کرتا ہے کہ اسلام میں جہاد کا بنیادی تصور اور اصولی تصور یہی ہے کہ انسانوں تک اللہ کا پیغام پہنچایا جائے اور اس کے لئے "جہاد" (بھرپور جدوجہد) کیا جائے۔ جہاد سے عمار ناصر صاحب کی مراد اگر بھرپور کوشش اور تبلیغ بذریعہ قرآن ہے تو وہ صحیح کہہ رہے ہیں۔ لیکن اگر وہ جہاد سے مراد قتال لے رہے ہیں تو پھر یہ اسلام اور قرآن کی سیاسی اور از حد غلط تفسیر ہے جسکی قرآن میں کوئی دلیل نہیں۔ ما انزل اللہ بھا من سلطان۔ اس مضمون کے شروع میں ہم فرقان آیت 52 توبہ آیت 73 اور تحریم کی آیت 9 نقل کر آئے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے توسیع اسلام اور کسی علاقہ پر غلبہ اسلام یا اقتدار کے لئے کبھی بھی قتال نہیں کیا اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ کہنا یہ ہے کہ قرآن میں بعثت نبوی کا یہ ہدف و مقصد بیان ہی نہیں ہوا بلکہ رسول اللہ کی ذمہ داری اور ہدف لوگوں تک اللہ کا پیغام پہنچانا ہوتا ہے اور اس کے دلائل قرآن میں کثرت سے بیان کر دئے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر چند آیات پیش ہیں۔

(1) سورۃ ابراہیم کی پہلی آیت ہے۔

"الٓرٰ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ [14:1]

۔یہ کتاب ہم نے آپ پر اس لئے نازل کی ہے تا کہ انسانوں کو (کفر وشرک کے) اندھیروں سے نکال کر (ایمان کی) روشنی میں لا ئے ان کے رب کے حکم سے غالب اور قابلِ تعریف اللہ کے رستے کی طرف۔"

یہ آیت اپنے مدعا میں بہت واضح ہے۔ اس آیت سے قرآن کا نور ہونا کتاب ہدایت ہونا اور رسول اللہ کی ذمہ داری اس قرآن سے لوگوں کو تبلیغ کرنا ٹھہری ہے اور الناس سے کوئی خاص گروہِ انسانی نہیں بلکہ جہاں تک رسول اللہ اس پیغام کو پہنچا سکیں۔

(2) سورۃ الانعام 19 میں ہے

”وَ اُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَکُمْ بِهٖ وَ مَنْم بَلَغَ اَئِنَّکُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللهِ اٰلِهَۃً اُخْرٰی قُلْ لَّآ اَشْهَدُ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّ اِنَّنِیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِکُوْنَ[6:19]

اور یہ قرآن مجھ پر اس لئے اتارا گیا ہے کہ اس کے ذریعے سے تم کو اور جس شخص تک وہ پہنچ سکے آگاہ کر دوں“

اس آیت میں بھی تبلیغِ قرآن ہی بتائی گئی ہے۔

(3)سورۃ رعد آیت40 میں ہے

”فَاِنَّمَا عَلَیْکَ الْبَلٰغُ وَ عَلَیْنَا الْحِسَابُ [13:40]

(تو اے نبی) تمہارا کام تو (ہمارا پیغام) پہنچا دینا ہے اور ہمارا کام حساب لینا ہے“

اس آیت میں بھی وجہ بعثت نبوت تبلیغ ہی بتائی گئی ہے۔

(4)سورۃ مائدہ آیت67 میں ہی

۔”یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ وَ اللهُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ اِنَّ اللهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ [5:67]

اے ہمارے رسول جو آپ پر آپ کے رب نے نازل کیا ہے لوگوں تک پہنچا دوق اگر آپ نے یہ نہ کیا تو رسالت کا حق ادا نہ کیا“

اس آیت میں حقِ رسالت یا رسول کی ذمہ داری صرف اللہ کا پیغام پہنچا دینا ہی بتایا گیا ہے۔ قرآن میں مقصدِ بعثتِ نبوی سے متعلق بہت زیادہ آیات ہیں۔چند مزید حوالہ جات نقل کر رہا ہوں سورۃ مائدہ92، آلِ عمران20، ھود12، نحل82-35، کہف 56، انبیاء45، عنکبوت18، احزاب39، یٰس16-17، ق45، نور54، شوریٰ48، ابراہیم52، تغابن12 وغیرہ یہاں یہ وضاحت نہایت بر محل ہو گی کہ اہلِ مکہ کے بارے میں عمار صاحب نے الگ قانون۔ قانون رسالت کے تحت مانا ہے۔یعنی یا وہ ایمان

لائیں یا انہیں قتل کیا جائے گا۔ گویا یہ بھی نبی ﷺ کے فرائضِ منصبی میں شامل تھا۔ مگر جمعہ 2، بقرہ 151-129 اور آلِ عمران 164 سے اہلِ مکہ کے لئے بھی صرف اور صرف وعظ و نصیحت ہی بطور مقصد بعثتِ قرآن سے ثابت ہو رہا ہے۔

عہد نبوی و عہد صحابہ میں جہاد و قتال کی نوعیت

صفحہ 111 پر "عہد نبوی و عہد صحابہ میں جہاد و قتال کی نوعیت" کی سُرخی قائم کر کے لکھتے ہیں "قرآن و سنت کے نصوص سے یہ واضح ہوتا ہے کہ نبی ﷺ اور آپ کے پیرو اہل ایمان کو عہدِ نبوی کے معروضی حالات کے تناظر میں جہاد و قتال کا حکم دو طرح کے مقاصد کے تحت دیا گیا! ایک اہلِ کفر کے فتنہ و فساد اور اہل ایمان پر ان کے ظلم و عدوان کا مقابلہ کرنے کیلئے اور دوسرے کفر اور شرک کا خاتمہ اور باطل ادیان کے مقابلہ میں اسلام کا غلبہ اور سربلندی قائم کرنے کیلئے۔ اس عبارت میں جو مقصدِ قتال بیان کیا ہے۔ اس میں صرف پہلی وجہ ہی قتال نبوی کی قرآن سے ثابت ہوتی ہے۔ اور قرآن میں جہاں بھی قتالِ نبوی کا ذکر آیا ہے۔ صرف اسی پہلی وجہ یعنی اہلِ ایمان پر کفّار کے ظلم وزیادتی اور فتنہ وفساد کی وجہ سے آیا ہے۔ حتیٰ کہ یہود سے جزیہ والی آیت میں بھی انکی جنگ کی وجہ سے ہی قتال ہو مگر دوسرے مقصد یعنی کفر و شرک کا خاتمہ اور باطل ادیان کے مقابلے میں اسلام کا غلبہ اور سربلندی قائم کرنے کے لئے۔ اس کا کوئی ذکر قرآن میں نہیں۔ قرآن سے کوئی ایک آیت اس مقصد کے لئے رسول اللہ کے قتال کی پیش نہیں کی جا سکتی۔ عمّار صاحب کو غلبہ اسلام سے متعلق شائد مغالطہ ہوا ہے۔ غلبہ اسلام نہ تو رسول اللہ کی ذمہ داری تھی اور نہ ہی صحابہ کرام کی۔ بلکہ اسلام کو غالب کرنا تو اللہ تعالیٰ کی سکیم کا حصّہ تھا جسکی خبر قرآن نے دی تھی۔ دوسرے انہیں اس بھی شدید غلط فہمی غلبہ اسلام والی آیات سے یہ ہوئی کہ وہ اس سے مسلمانوں کا غلبہ سمجھ بیٹھے تیسری غلط فہمی انہیں یہ ہوئی کہ وہ اس غلبہ کو صرف جزیرہ عرب سے متعلق مان بیٹھے۔ غلبہ اسلام سے متعلق توبہ 33، فتح 28 اور صف آیت 9 کی تشریح و تفسیر آگے آئے گی۔ قارئین یہ یاد رکھیں ہم نے قرآن کی 24 آیات فرائض و مقصد بعثتِ نبوی سے متعلق پیش کی ہیں ان میں کہیں نبی کا کام اسلام کو غالب کرنا نہیں بتایا گیا۔ چنانچہ یہ طالب علم حافظ عمّار صاحب سے اس مسئلہ پر مکمل اختلاف کر رہا ہے۔ اور اسی وجہ سے مقصدِ قتال (جو عمّار صاحب کے زعم میں قرآن میں آیا ہے) پر تنقید کر کے دلائل سے رد کرے گا۔ انشاء اللہ وماتوفیقی الا باللہ۔

صفحہ 112 پر محترم عمّار صاحب لکھتے ہیں

"جہاد کا دوسرا مقصد یعنی کفر و شرک کا خاتمہ اور اسلام کی سربلندی کا قیام مندرجہ ذیل نصوص میں بیان ہوا ہے:۔

’’وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ [2:193]

اور ان کے ساتھ جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ ہی کے لئے ہو جائے‘‘۔

اس آیت کے ذیل میں محترم عمار صاحب لکھتے ہیں ’مذکورہ آیت ہجرتِ مدینہ کے بعد جہاد کے حوالے سے دی جانے والی ہدایات کے بالکل ابتدائی دور سے تعلق رکھتی ہے۔ اور اس میں کفار کے فتنہ و فساد کو خدا کے دین کی سربلندی کی راہ میں ایک رکاوٹ قرار دیتے ہوئے یہ حکم دیا گیا ہے کہ کفار کے ساتھ قتال کیا جائے تا کہ فتنہ ختم ہو سکے اور خدا کا دین سربلند ہو جائے‘ یہ طالب علم سمجھتا ہے آیت کا یہ مطلب خلافِ سیاق و سباق ہے اور فتنہ کی تشریح بھی غلط کی گئی ہے۔ مزید بر آں یکون الدین للہ کا معنٰی بھی غلط متعین کیا گیا ہے۔ آیت میں دین کی سربلندی اور کفر و شرک کے خاتمہ کی بھی کوئی بات نہیں کی گئی۔

اس آیت کی صحیح تاویل جاننے کے لئے قتال سے متعلق یہ چار آیات یہاں نقل کی جاتی ہیں۔

’’وَ قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ [2:190] وَ اقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَ اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ [2:191] فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ [2:192] وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ [2:193]

اور جو لوگ تم سے لڑتے ہیں ان سے تم بھی اللہ کی راہ میں لڑو مگر زیادتی نہ کرنا کہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا ان کو جہاں پاؤ قتل کر دو اور جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا ہے (مکہ سے) تم بھی ان کو وہاں سے نکال دو اور فتنہ قتل سے بھی بڑا جرم ہے اور جب تک وہ تم سے مسجد حرام کے پاس نہ لڑیں تم بھی وہاں ان سے نہ لڑنا ہاں اگر وہ تم سے لڑیں تو تم ان کو قتل

کر و ان کافروں کی یہی سزا ہے اور اگر وہ باز آ جائیں تو اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے اور ان سے اس وقت تک لڑتے رہنا کہ فتنہ ختم ہو جائے اور دین اللہ کے لئے ہی ہو جائے اور اگر وہ (فساد سے) باز آ جائیں تو ظالموں کے سوا کسی پر زیادتی نہیں کی جاسکتی۔"

محترم قارئین! ان چار آیات میں ھم کی ضمیر 6 بار آئی ہے۔ اور اس کا مرجع مشرکین مکہ ہیں۔ اور چاروں آیات میں ان مشرکین سے ہی قتال کا حکم دیا جارہا ہے۔ اور اسکی وجہ کفر کا خاتمہ یا اسلام کی سربلندی نہیں جیسا کہ محترم عمار صاحب نے لکھا ہے بلکہ مشرکین کا ظلم و جارحیت ہے۔ اور وہ ظلم یہ ہے کہ رسول اور اصحابِ رسول کو مکہ سے نکالا "واخرجوھم من حیث اخرجوکمo" اور جنگ لڑنے کے لئے رسول اور اصحابِ رسول پر حملہ آور ہوئے "وقاتلوافی سبیل اللہ الذین لقاتلونکم" اسکی دلیل ہیں اور فتنہ کے خاتمہ سے مراد کفر و شرک کا خاتمہ نہیں اور نہ ہی قتال سے کفر کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ 193 آیت میں جو حافظ عمار صاحب نے ادھوری نقل کی ہے یہ وضاحت ہے کہ اگر وہ (مشرک) باز آ جائیں تو پھر ان پر زیادتی نہیں کی جاسکتی۔ اب اگر فتنہ سے مراد شرک ہو تو پھر نبی کریم کی وفات تک عرب میں مشرکین رہے ہیں۔ اور قرآن میں مشرکین کا ذکر سورہ توبہ آیت 6 اور آیت 28 میں ہے کہ بیشک مشرکین نجس ہیں۔ لٰہذا اس سال کے بعد مسجدِ حرام کے پاس بھی نہ آنے پائیں۔ چنا نچہ سورہ بقرہ کے بعد سورہ توبہ میں مشرکین کے زندہ رہنے کی وجہ سے ہی ان کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس صورت میں رسول اللہ کو ان مشرکین سے لڑتے ہی رہنا چاہیے تھا یہاں تک کہ یہ سب یا تو اسلام قبول کر لیتے یا پھر مارے جاتے اور اللہ تعالیٰ نے صلح حدیبیہ کو جو فتح مبین کہا اس کی بھی کوئی توجیح کی ہی نہیں جاسکتی اس لئے ناچیز کی رائے میں عمار صاحب سے اس آیت کی تفسیر میں غلطی ہوئی ہے۔ دراصل اس آیت کو حافظ عمار صاحب اگر پورا نقل کرتے تو بہت سے قارئین کو بات آسانی سے سمجھ آ جاتی کہ اس آیت میں باز آنے سے مطلب ایمان لانا نہیں بلکہ ظلم سے باز آنا مراد ہے—..... فتنہ اس آیت میں مذہبی جبر کو کہا گیا ہے۔ کیو نکہ اول تو ان چاروں آیات میں مشرکین سے جنگ کی وجہ ان کا مسلمانوں سے جنگ کرنا بتایا گیا ہے.... اگر مراد مشرکین کو بذریعہ تلوار مسلمان بنانا ہوتا تو پھر یہ کہنے کی ضرورت ہی نہیں تھی کہ "ان سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں' '۔ بلکہ مسلمانوں کو حکم دیا جاتا کہ ان مشرکین کو مسلم یا مومن بنانے کیلئے ان سے لڑو مگر واقعہ یہ ہے کہ اگر مشرکین مسلمانوں سے نہ لڑیں ... مسلمانوں کو مکہ سے نہ نکالیں تو مسلمانوں کو مشرکین سے لڑنے کی اجازت نہیں۔ دوسرے! خود قرآن میں مشرکین سے جنگ کی وجہ قرآن نے مذہبی جبر بتائی ہے۔ سورہ حج آیات 39-40 میں ہے۔

” اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۙ وَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُنِ [22:39] الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّاۤ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ وَ لَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَ بِيَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا وَ لَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ [22:40]

ان لوگوں کو لڑنے کی اجازت دی جاتی ہے جن پر ظلم ہوا اور اللہ ان کی مدد کرنے پر قادر ہے یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ناحق گھروں سے نکالا گیا اس لئے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے“

ان آیات میں مشرکین سے جنگ کی وجہ مشرکین کا ظلم و زیادتی بتائی گئی ہے۔ اور اس ظلم کی وجہ مسلمانوں کا توحید پر ایمان لانا ہے۔ چنانچہ فتنہ سے باز آنے سے مراد مذہبی جبر سے باز آجانا ہے۔ ”یکون الدین اللہ“ کا معنٰی ہے جب دین کے لئے کوئی دکھ دینے والا نہ ہو گا تو دین اللہ کے لئے ہو جائے گا۔ محترم عمار صاحب نے جو معنٰی مراد لیا ہے۔ وہ قرآن کی اس تعلیم کے بھی خلاف ہے جس میں کفّار سے صلح کر لینے کا ذکر ہے۔

”وَ اِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا[8:61]

اگر یہ لوگ صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی صلح کی طرف مائل ہو جاؤ“ (سورہ الانفال آیت 61)

سورہ انفال میں غزوہ بدر کا مفصّل ذکر ہے۔ اور اس آیت کے سیاق و سباق میں بھی کفار کا ذکر اور ان سے جنگ اور قیدیوں کے احکام مشرکین مکہ سے متعلق ہیں لہٰذا قرآن تو کہہ رہا ہے مشرکین اگر صلح کریں تو تم بھی صلح کر لو......

یہ بات محترم عمار کی اس تفسیر و تاویل کے خلاف ہے جو وہ لکھ رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ مشرکین صلح کر کے اپنے شرک پر قائم رہ سکتے ہیں۔ یہ بھی واضح رہے کہ سورہ بقرہ، سورہ انفال سے پہلے نازل ہوئی تھی یعنی بقرہ میں جس فتنہ کے خاتمہ کا ذکر ہے اس سے کفر و شرک کا خاتمہ فراد ہوتا تو پھر انفال میں ہر گز صلح کر لینے کا حکم نہ دیا جاتا۔ بات یہیں پر ختم نہیں ہوتی بلکہ سورہ مائدہ میں مشرکین مکہ سے بھلائی کے کاموں میں تعاون کا اور ان مشرکین مکہ کے بارے میں بھی حد سے نہ گذرنے کا حکم ہے جو دلیلِ مزید ہے کہ سورہ بقرہ میں مشرکین مکہ سے ان کے ایمان لانے تک لڑنے کا حکم نہیں دیا گیا......

ولا یجر منکم شنان وقوم ان صدوکم عن المسجد الحرام ان تعتدواوتعانو علی البر والتقویٰ ولا تعانو علی الاثم والعدوان واتقواللہ ان اللہ شدید العقابo

ان لوگوں کی دشمنی جنہوں نے تمہیں مسجد حرام سے روکا تھا اس بات پر آمادہ نہ کردے کہ تم زیادتی کرنے لگو دیکھو نیکی اور پرہیز گاری کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کیا کرو اور ظلم اور گناہ کی باتوں میں تعاون نہ کیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ کا عذاب سخت ہے'' (البقرہ)

اس کے علاوہ سورہ فتح جو صلح حدیبیہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے اس میں بھی صراحت ہے۔ کہ جب نبیؐ نے مشرکین سے ان کی شرائط پر صلح کرلی تو اور قرآن میں اسے رسول اللہ کی فتح کہا گیاہے۔ یہ سب دلائل ثابت کررہے ہیں کہ فتنہ کے خاتمہ سے شرک کا خاتمہ مراد نہیں بلکہ ظلم وزیادتی کا خاتمہ مرادہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ محترم حافظ عمار صاحب یہ تفسیر ایک خاص ذہن کی وجہ سے کررہے ہیں جو قانونِ رسالت کے بارہ میں شدید مغالطہ کا شکار ہوا ہے یعنی امام فراہیؒ اور ان کے متوسلین کی وجہ سے۔

یہ نص قطعی ہے کہ مشرکین اپنے شرک پر قائم رہتے ہوئے زندہ بھی رہ سکتے تھے اور اگر وہ بھلائی اور نیکی کے کام کریں تو مسلمانوں پر ان سے تعاون بھی لازم تھا۔ اس قانون پر آگے تفصیلی بحث آرہی ہے انشاءاللہ.... .۔

صفحہ 112 پر لکھتے ہیں ''عہدِ نبویؐ میں جہاد وقتال کے آخری مراحل میں دین حق قبول نہ کرنے والے گروہوں کے حوالہ سے متعین احکام سورہ توبہ میں بیان کئے گئے ہیں مشرکینِ عرب کے بارے میں ارشاد ہوا ہے

'' فَاِذَا انسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَ جَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَ احْصُرُوْهُمْ وَ اقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ[9:5]

پھر جب حرمت والے مہینے گذر جائیں تو مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کر ڈالو اور ان کو پکڑو اور گھیر و اور ہر جگہ ان کی تاک میں بیٹھو۔ پھر اگر یہ شرک سے تائب ہو جائیں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے"۔(التوبہ 5)

اس آیت کے فہم میں بھی محترم عمار صاحب کو شدید مغالطہ ہوا ہے۔ اس آیت میں جزیرہ عرب کے دین حق قبول نہ کرنے والے گروہوں کے بارے میں جہاد و قتال کے آخری مراحل کا کوئی ذکر نہیں بلکہ سورہ توبہ کی اس آیت میں خاص مشرکین مکہ کا ذکر ہے۔ اور انہیں دین حق قبول نہ کرنے کی سزا نہیں دی جا رہی بلکہ انہیں تقریباً 20 برس نبیؐ اور اصحابِ النبیؐ پر ظلم و زیادتی کرنے اور اس کے نتیجے میں جنگوں کے بعد صلح کرنے اور پھر ان معاہداتِ صلح کو بھی توڑنے کی وجہ سے مکہ سے بید خلی کی سزا دی جا رہی ہے۔ . . .

فتح مکہ کے موقع پر بہت سے مشرکین اپنی مرضی سے ایمان لے آئے تھے اور بہت سے ایمان نہ لائے۔ اب مکہ میں مشرک رہ نہیں سکتے کیونکہ اللہ نے یہ قانون بنا دیا کہ اس سال کے بعد یہ مشرک جو پلید ہیں مسجدِ حرام کے قریب بھی نہ آنے پائیں تو قرآن میں ان لوگوں کو چار ماہ کی مہلت دی گئی کہ ان میں سے جن قبائل سے کوئی معاہدہ ہو اور انہوں نے نقضِ عہد نہ کیا ہو تو ان سے معاہدے کی پاسداری کی جائے۔ باقی تمام مشرکین سے اللہ اور اس کا رسولؐ اعلانِ برات کرتے ہیں۔ انہیں چار ماہ مکہ میں رہنے چلنے پھرنے کی اجازت ہے اس عرصہ میں انہیں سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا ہو گا کہ مکہ میں رہنے کی تو اب فقط یہی صورت ہے کہ ایمان لا کر ہی مکہ میں رہ سکتے ہیں (انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامھم ھذا) ایمان نہ لانے کی صورت میں اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر وہ اشھر حرم گذرنے سے پہلے مکہ سے اپنے عقیدہ و جان، مال و اسباب بچا کر جا سکتے ہیں اور اگر وہ نہ تو ایمان لاتے ہیں اور نہ ہی مکہ سے جاتے ہیں تو پھر یہ مشرکین جہاں بھی ملیں انہیں قتل کیا جائے گا۔ یعنی اہلِ مکہ کے لئے ایمان میں جبر نہیں تھا بلکہ ان کے لئے مکہ سے جبری انخلاء تھا اسکی وجہ لکھی جا چکی ہے کہ سورہ انفال میں بتا دیا گیا تھا کہ بیت اللہ سے روکنے کی وجہ سے مشرکین کو اللہ تعالیٰ عذاب دے گا اسکی تولیّت کے حقدار مشرکین نہیں بلکہ اس کے حقدار متقین ہیں۔" وَ مَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَ هُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ مَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ "[انفال 8:34] اس آیت نے طے کر دیا کہ مشرکین مکہ پر عذاب (قتال) کہ

وجہ ان کا کفر نہیں تھا بلکہ مسجد الحرام سے مسلمانوں کو روکنا تھا اور اس کے وہ حقدار بھی نہ تھے کہ مسجد الحرام کے تولیّت ان کے پاس ہو۔ مزید یہ کہ مفسرین نے یہ بات توبہ کی ابتدائی آیات کی تفسیر میں لکھی بھی ہے کہ مشرکینِ مکہ کے لئے 3 آپشنز تھے ۔

(1) مکہ سے چلے جائیں۔

(2) ایمان قبول کر کے مکہ میں رہ سکتے ہیں۔

(3) ورنہ ان سے قتال ہو گا۔

تفسیر احسن البیان میں حافظ صلاح الدین یوسف صاحب توبہ آیت 2 کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

" یہ اعلانِ برات ان مشرکین کے لئے تھا جن سے غیر موقت معاہدہ تھا یا چار مہینے سے کم کا تھا یا جن سے چار ماہ سے زیادہ ایک خاص مدت تک تھا لیکن ان کی طرف سے عہد کی پاسداری کا اہتمام نہیں تھا ان سب کو چار مہینے مکہ میں رہنے کی اجازت دے دی گئی اس کا مطلب یہ تھا کہ اس مدت کے اندر اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو انہیں یہاں رہنے کی اجازت ہو گی بصورتِ دیگر ان کے لئے ضروری ہو گا کہ وہ چار مہینے کے بعد جزیرہ عرب سے نکل جائیں اگر وہ ان دونوں صورتوں میں سے کوئی بھی اختیار نہیں کریں گے تو وہ حربی کافر شمار ہوں گے جن سے لڑنا مسلمانوں کے لئے ضروری ہو گا تا کہ جزیرہ عرب کفر و شرک کی تاریکیوں سے صاف ہو جائے" صفحہ 505

آیت کی یہ تفسیر بالکل صاف اور واضح ہے اس میں بھی چار ماہ کی مہلت انہیں مکہ سے چلے جانے یا اسلام قبول کرنے کے لئے دی گئی ہے۔ اور عرب کو کفر و شرک سے پاک کرنا بتایا گیا ہے نہ کہ اسلام کو غالب کرنا۔ اس تفسیر میں محض ایک ہی غلطی ہے اور وہ ہے جزیرہ عرب کا ذکر..... بات دراصل یہ ہے کہ قرآن میں صرف مکہ کی تطہیر کی بات کی گئی ہے جیسا کہ سورہ انفال آیت 34 سے واضح ہے۔

مولانا شبیر احمد عثمانی نے آیت 5 سورہ توبہ کی شرح میں لکھا ہے۔

"بہر حال ماہِ محرّم کے ختم ہونے تک ان کو مہلت دی گئی کہ جو چاہیں سو بندوبست کر لیں کہ اس کے بعد تطہیر جزیرہ عرب کی خا طر جنگ سے چارہ نہیں"

اس تفسیر میں بھی اس بات کی نفی ہو جاتی ہے۔ کہ اہلِ مکہ کے لئے دین حق قبول نہ کرنے کی صورت میں تلوار سے فیصلہ ہو گا ان دو مفسرین کے علاوہ بھی بہت سے مفسرین نے یہ بات لکھی ہے اور خود محترم عمار صاحب نے اس طالب ِعلم سے فون پر گفتگو کے دوران یہ تسلیم کیا تھا۔ کہ

"کچھ اردو مفسرین نے یہ بات لکھی ہے"

ان کی بات سے یہ تاثر ملتا ہے کہ اردو مفسرین شائد عربی مفسرین سے کم تر ہیں۔ مگر ہمارے خیال میں بات عربی یا اردو مفسرین کی نہیں بلکہ درست سمت کی ہے کہ توبہ آیت 5 میں دو نہیں تین اختیار دیئے گئے ہیں۔ کچھ دلائل تو گذر چکے مزید عرض ہے کہ خود آیت 5 کی شہادت بھی یہی ہے کیونکہ مشرکین کا گھیراؤ، ان کی پکڑ اور قتال اشہر حرم گذرنے کے بعد ہو گا تو عام فہم بات ہے کہ اگر اہل مکہ اس پکڑ دھکڑ اور قتال سے بچنا چاہیں تو اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر مکہ سے جاسکتے تھے۔ پھر یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ آیت 5 کے بعد بھی سورہ توبہ میں مشرکین کا ذکر آیا ہے جو اس بات کی نا قابلِ تردید دلیل ہے کہ اشہر حرم گذر جانے کے بعد بھی مشرکین عرب میں رہے اور انہیں قتل نہ کیا گیا البتہ انہیں مکہ میں آنے کی اجازت نہ تھی۔ ہمارے مفسرین کو غلطی اس بات میں لگی کہ سورہ توبہ میں وارد تطہیرِ مکہ کا حکم وہ تطہیرِ عرب پر محمول کر گئے مفسرین کو غلطی ان روایات سے لگی جن میں یہود و نصاریٰ کو عرب سے نکالنے اور جزیرہ عرب میں دو دین جمع ہونے کی نفی کی گئی ہے اور یہ روایات قرآن و سنت کے خلاف ہیں کیونکہ نہ قرآن میں جزیرہ عرب کی تطہیر کی بات کی گئی ہے اور نہ ہی خود رسول اللہ نے کسی شخص کو محض اختلافِ دین کی وجہ سے عرب سے نکالا۔ مگر آیت 5 کا جو معنیٰ عمار صاحب نے سمجھا وہ یا انہوں نے سمجھایا، امام فراہیؒ کے متوسلین نے۔ یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ نبی کریمؐ نے اشہر حرم گزرنے کے بعد سارے عرب کی تطہیر کا کوئی کام نہ کیا اور نہ مشرکینِ عرب کو پکڑ پکڑ کر قتل کیا جبکہ آیت 5 میں مشرکین کے قتل کا صریح حکم تھا یہ اس بات کی بیّن دلیل ہے کہ مکہ کو مشرکین سے پاک کرنا تھا نہ کہ مکہ کے مشرکین کو جبراً مسلمان بنانا۔ جہاں تک یہ کم علم غور کر سکا ہے کسی بھی انسان کو جبراً تو مسلمان نہیں بنایا جا

سکتا البتہ منافق ضرور بنایا جاسکتا ہے۔ جو جبر کی بنیاد پر اسلام تو قبول کرلیں گے مگر دل سے نا صرف یہ کہ ایمان نہ لائیں گے بلکہ اسلام کے خطرناک ترین دشمن بھی بن جائیں گے.......

سب سے بڑھ کر یہ کہ مشرکین کو جنہیں مہلت دی گئی اور انہیں مہلت گذرنے کے بعد قتل کرنے کا حکم دیا گیا ان مشرکین سے جنگ کی وجہ قرآن میں سورہ توبہ کی آیت 13 میں بتادی گئی ہے چنانچہ اس آیت کو پڑھنے کے بعد بھی اگر کسی کا اصرار ہو کہ مشرکین کو جبراً ایمان کی طرف بلایا گیا تو پھر اللہ تعالیٰ سے دعا ہی کی جاسکتی ہے" اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَ هَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَ هُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ اَتَخْشَوْنَهُمْ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ[9:13] بھلا تم ایسے لوگوں سے کیوں نہ لڑو جنھوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا اور رسول کو جلاوطن کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا اور جنگ کی ابتداء بھی انہوں نے ہی کی کیا تم ایسے لوگوں سے ڈرتے ہو حالانکہ اللہ ڈرنے کے لائق ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو"۔

اس فیصلہ کن آیت نے مشرکین مکہ سے قتال کی وجہ ان کا کفر و شرک یا کوئی خاص قانونِ رسالت بیان نہیں کیا بلکہ مشرکین کے تین جرائم ان سے جنگ کی وجہ بتائے ہیں۔ اسی صفحہ 113 پر عمار صاحب لکھتے ہیں" اہل کتاب کے حوالہ سے فرمایا گیا"

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ لَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ لَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّ هُمْ صٰغِرُوْنَ[9:29]

۔"ان اہلِ کتاب کے ساتھ جنگ کرو جو نہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں نہ اللہ اور اس کے رسول کی حرام کردہ چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں اور نہ دینِ حق کی پیروی کرتے ہیں (ان کے ساتھ جنگ کرو) یہاں تک کہ یہ تمہارے مطیع بن کر ذلت اور پستی کی حالت میں جزیہ دینے پر آمادہ ہو جائیں"...۔

سورہ التوبہ کی اس آیت پر مفصّل تبصرہ آگے آرہا ہے۔ کاش محترم عمار صاحب نے الشریعۃ کی اسی اشاعت خاص میں مولانا یحییٰ نعمانی صاحب کا مضمون غور سے پڑھا ہوتا کیونکہ اس مضمون میں آیت جزیہ پر مولانا محترم نے بہت عمدہ کلام کیا ہے۔ ان کے مضمون سے آیت جزیہ کی تفسیر آگے آتی ہے۔

اسی صفحہ 113 پر رقمطراز ہیں۔

"امرت ان اقاتل الناس حتیٰ یقولوا لا الہ الا اللہ و ان محمد الر سول اللہ و یقیموا الصلوٰۃ ویو توا الزکاۃ فا ذا فعلو ذلک عصمو ا منی دمآھم و اموالھم الا بحق الاسلام و حسابھم علی اللہ (بخاری رقم24)

مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اس وقت تک لوگوں سے قتال کروں جب تک کہ وہ لا الہ الا اللہ اور محمد الرّسول اللہ کا اقرار نہ کر لیں اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کی پابندی قبول نہ کر لیں پھر جب وہ ایسا کر لیں تو اسلام کے عائد کردہ کسی حق کے علاوہ وہ اپنی جانوں اور اپنے مال کو مجھ سے محفوظ کر لیں گے اور ان کا حساب اللہ کے سپرد ہو گا"

اس روایت کو نقل کرنے کے بعد محترم عمار صاحب ناصر نے بقرہ 193 توبہ 5 اور 29 اور اس روایت سے اپنا مقدّمہ یوں ثابت کیا ہے۔

" ان نصوص کا مدعا یہ ہے کہ کفر و شرک کا ارتکاب کرنے والے گرہوں کے خلاف قتال کا فریضہ انجام دیا جائے تا کہ وہ یا تو دائرہ اسلام میں داخل ہو جائیں اور یا ان کی سیاسی خود مختاری کا خاتمہ کر کے اہلِ اسلام کو اہلِ کفر پر بالا دست اور دینِ حق کو باطل ادیان پر غالب کر دیا جائے۔" صفحہ 113

اس طالب علم کی رائے میں درج بالا نصوص سے وہ بات ثابت نہیں ہوتی جو محترم حافظ عمّار صاحب ثابت کرنا چاہ رہے ہیں۔ ان کی پیش کردہ بقرہ آیت 193 اور توبہ آیت 29 پر آگے تبصرہ آ رہا ہے اور بخاری کی یہ روایت قرآن اور عملِ رسول کے خلاف ہونے کی وجہ سے قابل رد ہے۔ محترم عمار صاحب نے اس روایت کو اپنی فکر کی موید پا کر تقلیداً نقل تو کر دیا ہے مگر تحقیقاً غور نہ فرما سکے کہ اس روایت سے قرآن حکیم اور رسول اللہ کی بے ادبی ہوتی ہے۔ نبی اکرم نے اپنی زندگی میں کل چار جنگیں لڑیں.... بدر، احد، خیبر اور حنین۔ خندق، حدیبیہ، فتح مکہ اور قریظہ میں جنگ ہوئی ہی نہیں تبوک میں بھی کوئی جنگ نہ ہوئی۔ ان میں سے کسی جنگ میں نبی اکرمؐ نے کسی انسان کو بذریعہ جنگ مسلمان نہیں بنایا۔ بلکہ جیسا کہ قرآن میں حکم ہے کہ دشمن اگر صلح پیش کرے تو صلح کر لو۔ نبی اکرمؐ نے جنگ سے بچنے کے لئے فوراً صلح قبول کر لی۔ مکہ پر چڑھائی سے شبہ ہو سکتا ہے کہ شائد اہلِ مکہ کو جبراً مسلمان بنانے کے لئے حملہ کیا گیا مگر مشرکین مکہ نے حدیبیہ کی صلح کو توڑ دیا تھا۔ اور مسلمان جو مکہ میں تھے ان پر

ظلم وستم کی حد کر دی تھی تیسری وجہ بیت اللہ کو مشرکین سے آزاد کروانا تھا ان تینوں وجوہات کا ذکر قرآن میں ہے۔ توبہ آیت 13 میں ہے۔

" اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ[9:13] تم اس قوم سے کیوں نہیں لڑتے جنھوں نے اپنی قسموں کو توڑ دیا"

نساء 75 میں ہے " وَ مَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ الْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَآءِ وَ الْوِلْدَانِ الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْیَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَاوَ اجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا وَّ اجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِیْرًا[4:75] تمہیں کیا ہوا تم اللہ کی راہ میں اور ان بے بس مردوں اور عورتوں اور بچوں کی خاطر نہیں لڑتے جو دعائیں کیا کرتے ہیں کہ اے پروردگار ہم کو اس شہر سے نکال جس کے رہنے والے ظالم ہیں اور اپنی طرف سے ہمارا کوئی حامی بنا اور ہمارا مددگار مقرر فرما"۔

سورہ انفال آیت 34 میں ہے۔

وَ مَا لَهُمْ اَلَّا یُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَ هُمْ یَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ مَا كَانُوْٓااَوْ لِیَآءَ هٗ اِنْ اَوْلِیَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ[8:34] اور کیا وجہ ہے کہ اللہ انہیں عذاب نہ دے جب کہ وہ مسجد حرام سے روکتے ہیں اور وہ اس کے متولی بھی نہیں اس کے متولی تو متقین ہیں مگر ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔"

لہٰذا مکہ بھی مشرکین کی زیادتیوں کی وجہ سے فتح ہوا انہیں کلمہ پڑھانے کے لئے نہیں اس مسئلہ پر مزید بحث آرہی ہے۔ بخاری کی یہ روایت قرآن کی نصوص کے خلاف ہے سورہ کہف 29، بقرہ 256 جیسی آیات میں دین قبول کرنے یا نہ کرنے میں ہر انسان کو آزادی عطاء کی گئی ہے تو ہر انسان میں اہلِ مکہ لازماً شامل ہیں قرآن میں ایمان وکفر کے اختیار میں کسی قوم یا شخص کا کوئی استثناء بیان نہیں کیا گیا۔ یہاں سورہ یونس کی آیت 99 پیش کی جاتی ہے۔

" وَ لَوْشَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِیْعًا اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰی یَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ [10:99]

اگر تمہارا رب چاہتا تو جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کے سب ایمان لے آتے تو کیا تم لوگوں پر زبردستی کروگے کہ وہ مومن ہو جائیں!"

اس آیت میں دنیا کے تمام انسانوں سے ایمان جبراً قبول کروانے کی نفی کی گئی ہے۔ یہ آیت مکی ہے اور اس آیت میں لفظ "الناس" میں یقیناً اہلِ مکہ بھی شامل ہیں بلکہ اس آیت کا حقیقی مصداق بھی اہلِ مکہ ہی ہیں۔ کیونکہ اول تو آیت مکی ہے اور اس آیت کے اولین مخاطب اہل مکہ ہیں اور آیت میں اشارۃً بھی اہل مکہ کا استثناء بیان نہیں کیا گیا دوسرے آیت کے الفاظ " مَنْ فِی الْاَرْضِ کُلُّهُمْ جَمِیْعًا" میں دنیا کے تمام انسان آجاتے ہیں اور ظاہر ہے کہ اہلِ مکہ بھی کُلُّھُمْ جَمِیْعًا میں شامل تھے۔ نبی کریم ﷺ کی ذمہ داری ازروئے قرآن تذکیر و تبلیغ بالقرآن تھی۔ تو سورہ یونس کی یہ آیت بھی یقیناً نبی کریم ﷺ نے اہلِ مکہ کو سنائی تھی۔ اب اگر یہ آیت اہلِ مکہ کے لئے تھی ہی نہیں تو انہیں یہ آیت سنانے کا کیا فائدہ تھا؟

سورہ یونس میں توحیدِ خالص بیان کی گئی ہے کیونکہ اہل مکہ بدترین شرک کرتے تھے تو مکی سورتوں میں اہل مکہ کے لئے بالخصوص اور کل اہلِ عالم کے بالعموم توحید کا اثبات اور شرک کی تردید کی گئی ہے اور اصولِ دین بیان کئے گئے ہیں۔ کتنی ستم ظریفی کی بات ہے کہ جو آیات بالخصوص اہل مکہ سے متعلق ہیں ہمارے عمار صاحب نے ان سے ہی ان آیات کے تعلق کی نفی کر دی۔ اب قرآن تو اہلِ مکہ سے جبری ایمان کی نفی کر رہا ہے اور بخاری کی روایت کہہ رہی ہے لوگوں سے اس وقت تک جنگ کرو جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں۔ مزید یہ کہ مشرکین مکہ نے حدیبیہ میں صلح کی پیشکش کی تو رسول اللہ نے فوراً صلح کر لی۔ سورہ فتح اسی پس منظر میں صلح حدیبیہ ہی سے متعلق نازل ہوئی۔

سورہ انفال میں ہے

"وَ اِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللهِ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ[8:61]

اور اگر یہ لوگ صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی اس کی طرف مائل ہو جاؤ اور اللہ پر بھروسہ رکھو کچھ شک نہیں کہ وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔"

اس آیت میں بھی اہلِ مکہ سے صلح کر لینے کا حکم ہے تو کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی بات کے خلاف کوئی بات کہے شائد محترم عمار صاحب جواب میں کہیں کہ سورہ توبہ نے ان مشرکین سے برات کا اعلان کر کے ان معاہدوں کو کالعدم کر دیا۔ اول تو خود سورہ توبہ میں ان مشرکین کا استثناء بیان کر دیا گیا ہے جنہوں نے معاہدوں کی خلاف ورزی نہیں کی تھی دوسرے جیسا کہ لکھا جا

چکاہے ان اہل مکہ کو بھی کلمہ پڑھوانے کے لئے چار ماہ کہ مہلت نہیں دی گئی تھی بلکہ انہیں اس مدت کے دوران مکہ سے چلے جانے یا اسلام قبول کر لینے کے لئے فیصلہ کرنے کی مہلت دی گئی تھی۔ قرآن سے اتنی وضاحت کے بعد عرض ہے کہ ہمیں کتب سیرت میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی کہ رسول اللہ نے کسی انسان کو جبراً مسلمان بنایا ہو۔لہذا حافظ عمّار صاحب کی پیش کردہ (صفحہ 112-113) تین آیات تو ان کے دعویٰ سے غیر متعلق ہیں اور بخاری کی روایت خلافِ قرآن و سنت ہونے کے سبب قابل رد ہے۔

حافظ عمّار صاحب نے صفحہ 114-115 پر لمبی تمہید باندھ کر بعثتِ محمدی کے پس منظر کے طور پر سورہ بقرہ 124 تا 132 اور ابرھیم 35 تا 37 پندرہ آیات نقل کی ہیں اس پس منظر سے نہ تو ان کے دعویٰ کا کوئی تعلق ہے نہ ہی یہ آیات جہاد سے متعلق ہیں اور نہ ہی ان آیات کا قتال سے کسی قسم کا کوئی تعلق ہے۔شائد انہوں نے اپنی کتاب کے قاری کو قرآنی حوالہ جات سے متاثر کرنا چاہا ہے۔اس ضمن میں لکھتے ہیں۔

" سیدنا ابراھیمؑ اور سیدنا اسماعیلؑ کی دعا کے مطابق چھٹی صدی عیسوی کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ مکرمہ میں مبعوث کیا تو ملتِ ابراہیمی کی اصل تعلیمات کے احیاء اور مشرکانہ بدعات کے خاتمے کو آپؐ کی جد وجہد کا ہدف قرار دیا قرآن نے واضح کیا کہ آپؐ عام معنوں میں کوئی داعی، واعظ اور مبلغ نہیں بلکہ خدا کے آخری پیغمبر اور رسول ہیں۔الشریعۃ صفحہ 115۔

یہ سطریں لکھتے وقت بھی شائد ہمارے فاضل دوست نے قرآن پر دھیان نہیں دیا.... اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کہیں بھی ملتِ ابراہیمی کے احیاء اور مشرکانہ بدعات کے خاتمہ کو آپکی جدوجہد کا ہدف قرار نہیں دیا۔

اس طالبِ علم نے مقصدِ بعثتِ انبیاء کے حوالے سے قرآن کے 24 مقامات پیش کئے ہیں قرآن میں کسی نبی اور سول کا یہ ہدف قرار دیا ہی نہیں گیا کہ ملت ابراہیمی کی اصل تعلیمات کا احیاء کریں قرآن نے نازل ہو کر ملتِ ابراہیمی کیا ہر ملت کی برائیوں اور شرک و بدعات کی نشاندہی کر دی۔ نبی کریمؐ کا ہدف صرف اور صرف ابلاغِ قرآن تھا۔جو دین کی صورت میں آپ کو عطا ہوا اور بس... اس سے زیادہ ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے آپ پر نہیں ڈالی تھی۔

سورہ شوریٰ میں چار انبیاء کا نام لیکر رسول اللہ ﷺ کو تلقین کی گئی ہے کہ جیسے یہ انبیاء دین پر کام قائم رہے آپ بھی ایسے ہی قائم رہیں۔

''شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ [42:13]

اسی نے تمہارے لئے دین کا وہی راستہ مقرر کیا جس (کے اختیار کرنے) کا نوح کو حکم دیا تھا اور جس کی (اے محمد) ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی ہے اور جس کا ابراہیم و موسیٰ اور عیسیٰ کو حکم دیا تھا (وہ یہ) کہ دین کو قائم رکھنا اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا۔" (شوریٰ 13)۔

اس آیت نے محمد ﷺ کے لئے بھی وہی راستہ بتایا ہے جو نوح، ابراہیم، موسیٰ و عیسیٰ کے لئے مقرر تھا اور یہ بات معلوم ہے ان چاروں انبیاء ورسل نے نہ کسی ملت کا احیاء کیا اور نہ مشرکانہ بدعات کو ختم کر سکے ان چاروں کی مشترک خصوصیت توحید، رسالت اور آخرت کی دعوت تھی اور اس کے لئے انہوں نے بھرپور جہاد کیا یہ معلوم ہے کہ ان انبیاء نے قتال کیا ہی نہ تھا۔ حافظ عمار صاحب کا یہ کہنا کہ "رسول اللہ عام معنوں میں کوئی داعی، واعظ اور مبلغ نہیں تھے بلکہ خدا کے رسول اور آخری پیغمبر ہیں... خلافِ واقعہ بات ہے۔ سوال یہ ہے کہ جو آخری رسول ہو وہ تمام دیگر انبیاء ورسل سے فرق رکھتا ہے؟

قرآن ہمیں رسولوں میں کوئی فرق نہ کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ لا نفرق بین احد من رسلہ O

پھر رسول اللہ کو جہاں قرآن نے آخری نبی کہا ہے تو اسی قرآن نے داعی، واعظ اور مبلغ بھی کہا ہے۔ سورہ نحل آیت 125 میں ہے۔

" اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ [16:125]

لوگوں کو دانش اور نیک وعظ کے ذریعہ اپنے رب کے راستہ کی طرف بلاؤ اور بہت ہی بہترین طریقہ پر ان سے بحث کرو جو اس راستہ سے بھٹک گیا رب اسے بھی خوب جانتا ہے اور جو راستہ پر چلنے والے ہیں ان سے بھی خوب واقف ہے"۔

اس آیت میں نبی اکرمؐ کی داعیانہ اور واعظانہ حیثیتوں کو واضح کیا گیا ہے۔ ایسے ہی رسول اللہ کو قرآن میں مبلغ بھی کہا گیا ہے۔ ما ئدہ آیت 67 میں ہے۔

" یٰاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ [5:67]

اے میرے رسول آپ کے رب کی طرف سے جو آپ پر نازل کیا گیا ہے اسے لوگوں تک پہنچادو اور اگر آپ نے یہ نہ کیا تو حقِ رسالت ادا نہ کیا"

چنانچہ فاضل مقالہ نگار کا یہ کہنا محض لفّاظی ہے کہ "رسول اللہ عام معنوں میں داعی، واعظ یا مبلغ نہ تھے"۔ رسول اللہ آخری نبی بھی تھے داعی بھی تھے اور مبلغ بھی تھے۔

محترم عمّار ناصر صاحب آگے چل کر لکھتے ہیں!

" چنانچہ خدا کے قانون کے مطابق آپ کی جدوجہد کا کامیابی سے ہمکنار ہونا اور جزیرہ عرب میں خدا کے دین کا غلبہ قائم ہونا ایک طے شدہ فیصلہ ہے جو اہل کفر کی خواہشات کے علی الرغم قائم ہو کر رہے گا"۔

''هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّہٖ وَ لَوْ كَرِہَ الْمُشْرِكُوْنَ " (التوبہ 33)

دین کا غلبہ ظاہر ہے کہ منکرین حق کے خلاف قائم کیا جانا تھا۔ اور اسکی عملی صورت یہ تھی کہ بیت اللہ کو مشرکین کے قبضہ و تصرّف سے آزاد کر کے دوبارہ توحید خالص کا مرکز بنا دیا جائے اور اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا دین سرزمینِ عرب میں غالب اور سربلند نہ رہے۔" صفحہ 115 الشریعتہ اشاعت خاص۔

اس بارے میں اس طالبِ علم کا کہنا ہے کہ اس آیت کے فہم میں بھی محترم عمار صاحب نے شدید لغزش کھائی ہے۔ غلبہ ءدین والی آیت قرآن میں تین جگہ سورہ صف 9، سورہ التوبہ 33 اور سورہ فتح 28 میں آئی ہے۔ اس آیت میں غلبہ دین یعنی اسلام کے غلبہ کی بات ہوئی ہے مسلمانوں کے غلبہ سے اس آیت کا کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں...

سورہ صف اور سورہ توبہ میں اس آیت سے متصل پہلے ہے۔

" يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَ يَاْبَى اللهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَ لَوْكَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ[9:32]

یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھادیں اور اللہ اپنے نور کو پورا کئے بغیر نہیں رہے گا اگرچہ کافروں کو برا ہی لگے"

اس آیت میں نور سے مراد قرآن ہے کیونکہ قرآن میں خود قرآن ہی کو نور بھی کہا گیا ہے۔

سورہ اعراف آیت 157 میں ہے۔

" فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ[7:157]

تو جو لوگ ان (محمدﷺ) پر ایمان لائے اور ان کی رفاقت کی اور انکی مدد کی اور جو نور ان کے ساتھ نازل ہوا ہے اس کی پیروی کی وہی فلاح پانے والے ہیں"۔

اس آیت میں قرآن ہی کو نور کہا گیا ہے۔ مشرکین قرآن کو ہی ناپسند کرتے تھے۔ انکی دشمنی قرآن ہی سے تھی سورہ یونس 15، الانعام 33 اور حٰم السجدہ آیت 26 میں مشرکین کی قرآن دشمنی کا ذکر ہے۔ سو اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ مشرکین قرآن کو مٹانا چاہتے ہیں اور قرآن کے خلاف ہرزہ سرائی کرتے ہیں۔ "ولکن الظالمین بایٰات اللہ یجحدون o اور اللہ کا ارادہ ہے کہ اس نور قرآن کا اتمام کرکے رہے گا۔

تتمیم کی تفسیر اگلی آیت 33 میں "اظہار" سے کردی گئی ہے۔ آیت 33 میں الھدیٰ بھی قرآن ہی کو کہا گیا ہے۔ قرآن کی صفت ہدایت قرآن میں جگہ جگہ آئی ہے۔ سورہ بقرہ آیت 2 تو ہر مسلمان کو یاد ہوتی ہے۔

"ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ [2:2]

یہ کتاب (قرآن مجید) اس میں کچھ شک نہیں کہ کلام اللہ ہے (اللہ سے) ڈرنے والوں کی رہنما ہے"۔

دینِ حق سے مراد بھی قرآن ہے جیسا کہ سورہ الزمر آیت 2 میں ہے۔" اِنَّآ اَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللہَ مُخْلِصًا لَّہُ الدِّیْنَ [39:2]

ہم نے یہ کتاب آپکی طرف حق کے ساتھ نازل کی ہے سو دین کو اس کے لئے خالص رکھتے ہوئے اسی کی عبادت کرو"۔

اس آیت میں قرآن کو حق کہا گیا ہے اور آگے دین کا بھی قرآن ہی میں ہونا بتا دیا۔۔۔یعنی اس آیت میں اور اس سے پہلی آیت میں قرآن مجید کا ہی ذکر ہے اور اس قرآن کو تمام ادیان پر غالب کرنے کی اللہ تعالیٰ خبر دے رہے ہیں اب ظاہر ہے کہ اس غلبہ قرآن سے صرف عرب ہی کے چند ادیان مراد نہیں ہوسکتے بلکہ نزولِ قرآن سے لیکر تا قیام قیامت تمام ادیان پر غلبہ قران کی بات کی گئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن سے بہتر دین کسی کتاب میں بیان نہیں ہوا۔ لہذا اس آیت میں مسلمانوں کے غلبہ کا نہ کوئی ذکر ہے اور نہ ہی یہ رسول اللہ کا ہدف بیان کیا گیا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے اور ایسا ہو گیا"و اذاار اللہ دشیا ان یقول لہ کن فیکونo " چنانچہ رسول اللہ نے لوگوں تک قرآن پہنچانے کے لئے جاں توڑ کوشش کی اس لئے کیونکہ قرآن میں آپ کو حکم دیا گیا تھا۔

'''فلا تطع الکٰفرین و جاھد ھم بہ جھا دًا کبیراo

تو تم کافروں کا کہا نہ مانو اور اس قرآن کے ذریعہ بڑا جہاد کرو"

رسول اللہ نے دین کی تبلیغ کیلیئے جہاد تو کیا مگر تلوار سے نہیں۔۔۔ قرآن سے۔ اور رسول اللہ نے مشرکین سے ان کے عقیدہ کی وجہ سے قتال نہیں کیا بلکہ قرآن، حدیث، سیرۃ اور تاریخ سب سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہوتی ہے کہ مشرکین نے عقیدہ توحید کہ وجہ سے رسول ﷺ پر جنگ مسلط کی۔

صفحہ 115 پر اس ضمن میں عمار صاحب نے لکھا ہے۔

'اس ہدف کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے قتال کا ناگزیر ہونا تاریخ و سیرت سے واقف ہر شخص پر واضح ہے اور قرآن مجید میں کفار کے خلاف جہاد و قتال کے احکام جیسا کہ ہم ابھی واضح کریں گے اسی تناظر میں وارد ہوئے'

اس کے بعد محترم عمار صاحب نے صفحہ 116 پر صرف 2 آیات سورہ بنی اسرائیل 81-80 نقل کی ہیں جو یہ ہیں۔

وَ قُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّ اجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْکَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا [17:80] وَ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ کَانَ زَهُوْقًا [17:81]

اور دعا کرو کہ اے پروردگار! مجھے عزت واکرام کے ساتھ داخل کر اور (مکہ سے) خیر وخوبی کے ساتھ نکال اور مجھے اپنے پاس سے ایسا اقتدار نصیب فرما جو مددگار ہو۔ اور کہہ دو کہ حق آگیا اور باطل نابود ہوگیا، کیونکہ باطل کے لئے نابود ہونا ہی مقدر ہے۔"

ان آیات میں "حق" قرآن کو کہا گیا ہے۔ ان آیات کے سیاق وسباق سے یہ واضح ہے اور سلطان سے مراد مضبوط دلائل ہیں۔ عمار صاحب کو اپنی تائید میں پورے قرآن میں سے کوئی ایک واضح اور بیّن آیت پیش کرنی چاہئے جس میں رسول کو بزور حصولِ اقتدار کے لئے مشرکین سے ان کے کفر کی بنیاد پر جنگ کا ذکر ہو۔ مگر قرآن میں ایسی کوئی آیت نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حصولِ اقتدار رسول اللہ کا ہدف تھا اور نہ ہی دین کو غالب کرنا۔ اور بھلا رسول اللہ یا کوئی اور انسان قرآن کو غالب کر بھی کیسے سکتا ہے۔ مقصدِ بعثت سے متعلق یہ طالبِ علم 24 آیات نقل کر آیا ہے ان آیات میں یا قرآن میں کہیں اور بھی دین کو غالب کرنا اور بزور اقتدار حاصل کرنا بیان ہی نہیں ہوا۔

قرآن میں 'س ل ط' کے مادہ کے تحت 37 آیات آئی ہیں جن میں سے 32 مکی ہیں۔ پورے قرآن میں کہیں سلطان اقتدار کے معنوں میں نہیں آیا۔ قرآن میں سلطان دلیل یا زور یعنی طاقت کے معنوں میں آیا ہے۔ سورہ اعراف آیت 71، سورہ یونس آیت 10، سورہ ھود آیت 96، سورہ یوسف آیت 40 سورہ ابراہیم آیات 11-10، سورہ مومنون آیت 45، سورہ نحل آیت 21، سورہ الصفٰت آیت 156 اور کہف آیت 18 میں لفظ سلطان دلیل کے معنوں میں اور الصفٰت آیت 30، ابراہیم آیت 22، بنی اسرائیل آیت 65 اور حجر آیت 42 میں زور کے معنوں میں آیا ہے۔ یعنی شیطان کا زور بس اللہ کے بندوں پر نہیں چلے گا۔ واضح رہے مومن 23 اور مومنون 45 میں لفظ سلطان موسیٰ اور ھارون کے لئے آیا ہے۔ ان آیات میں بھی سلطان کا معنٰی روشن دلائل ہی بنتا ہے اور قرآن میں محمد رسول اللہ کو موسیٰؑ سے تشبیہ دی گئی ہے اور ان کے لئے سلطان کا معنی دلیل ہی بنتا ہے تو پھر سورہ بنی اسرائیل کی آیت میں سلطان کا معنٰی اقتدار کس طرح بیان ہو سکتا ہے۔ بلکہ اس کا معنٰی تو ہے کہ "اے اللہ دلائل

سے میری مدد فرما" اس کے باوجود اگر محترم عمار کو اصرار ہو کہ سلطانا نصیرا کا معنیٰ اقتدار ہے تو بھی یہ ذمہ داری اللہ کی ہے نہ کہ رسول کی۔ رسول کو تو دعا کا کہا جارہا ہے نہ کہ جنگ کا۔ بنی اسرائیل کی ان دو آیات کا سیاق وسباق بھی یہاں لفظ سلطان کو دلیل سے مخصوص کر رہا ہے۔

عمار صاحب نے صفحہ 117 پر اپنی اس بات کی تائید میں بزور اقتدار حاصل کرنے کے لئے ایک روایت نقل کی ہے کہ بنو عامر کے سردار نے رسول اللہ سے پوچھا

'یہ بتائیں کہ اگر ہم آپ کے دین کے معاملے میں آپ کی بیعت کرلیں اور اللہ آپ کے مخالفوں پر آپ کو غلبہ عطا کر دے تو کیا اقتدار ہمیں ملے گا؟ نبی ﷺ نے فرمایا اس کا اختیار اللہ کے پاس ہے وہ جس کو چاہے گا اقتدار دے گا۔ اس پر بنو عامر کے سردار نے کہا کہ اچھا آپ کے دفاع میں عربوں کے سامنے سینہ سپر تو ہم ہوں اور پھر جب اللہ آپ کو غالب کر دے تو اقتدار کسی اور کو مل جائے۔ ۔ ہمیں آپ کے دین کی کوئی ضرورت نہیں۔' (السیرۃ النبویہ 387)

یہ روایت نقل تو عمار صاحب نے اپنی تائید میں فرمائی ہے مگر اس میں بھی محترم عمار کی مکمل فکری تردید موجود ہے۔ اے کاش وہ غور کر سکیں۔ دیکھیں اس روایت میں بھی یہ کہیں نہیں کہ رسول اللہ نے بنو عامر کے سردار سے مدد مانگی کہ اپنی فوج یا سپاہ سے حصول اقتدار کے لئے میری مدد کرو کیونکہ مجھے دین غالب کرنے کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے سونپی ہے۔ یہاں تو سردار پوچھ رہا ہے کہ دین کے معاملے میں اگر آپ کی بیعت کرلیں؟ معلوم ہوا کہ بیعت اقتدار کے لئے نہیں مانگی جارہی تھی بلکہ قبول دین کے لئے مانگی جارہی تھی۔ یہ بھی اس روایت سے واضح ہے کہ بنو عامر کے سردار کو علم تھا کہ رسول اللہ کی مدد کرنے یعنی اسلام قبول کرنے کی بناء پر اہل مکہ سے دشمنی ہو جائیگی۔ بنو عامر کے سردار کا یہ جملہ کہ "آپ کے دفاع کے لئے عربوں کے سامنے سینہ سپر تو ہم ہوں" فیصلہ کن ہے کہ رسول اللہ پر جنگ مشرکین نے عقیدہ توحید کی وجہ سے مسلط کی تھی نہ کہ رسول اللہ نے عقیدہ شرک وکفر اور کسی مزعومہ قانونِ رسالت کی وجہ سے مشرکین سے خود جنگ چھیڑی۔ جیسا کہ محترم عمار صاحب کا گمان ہے چنانچہ اس روایت میں محترم عمار صاحب کے لئے کوئی تائید موجود نہیں........تردید البتہ صاف ظاہر ہے۔

صفحہ 117 پر رقمطراز ہیں۔

’مدینہ میں مسلمانوں کو ایک محفوظ جائے پناہ میسر آگئی اور وہ ہجرت کر کے وہاں مجتمع ہو نا شروع ہو گئے تو سورہ حج کی 39 آیت میں انہیں مشرکین مکہ کے خلاف قتال کی باقاعدہ اجازت دے دی گئی!

” اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُنِ [22:39] الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّاۤ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ وَ لَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَ بِیَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ یُذْكَرُ فِیْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِیْرًا وَ لَیَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ [22:40]

جن اہلِ ایمان کے ساتھ جنگ کی جاتی ہے انہیں اجازت دی جاتی ہے (کہ وہ بھی لڑیں) کیونکہ ان پر ظلم کیا گیا اور بے شک اللہ ان کی مدد پر قادر ہے یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ناحق ان کے گھروں سے نکال دیا گیا محض اس جرم میں کہ وہ کہتے ہیں ہمارا رب صرف اللہ ہے اور اللہ اگر ایک گروہ (کے ظلم وعدوان کو) دوسرے گروہ کے ذریعہ سے دفع نہ کرتا تو خانقاہوں، گرجوں، کنیسو اور مساجد جیسے مقامات جن میں اللہ کو کثرت سے یاد کیا جاتا ہے گرا دیئے جاتے اور جو لوگ اللہ کی مدد کریں گے اللہ ضرور ان کی مدد کرے گا۔“ (الحج22،39،41)۔

محترم عمار صاحب کا پیش کردہ یہ مقام بھی انکی کوئی تائید کرنے کی بجائے مکمل تردید کر رہا ہے۔ان آیات میں بھی یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ اقتدار حاصل کرنے کے لئے (جیسا کہ محترم عمار کا دعویٰ ہے یا غلبہ اسلام کے لئے) جنگ کا حکم دے رہے ہیں۔ بلکہ جیسا کہ محترم عمار صاحب نے لکھاہے کہ ہجرت سے مسلمانوں کو محفوظ جائے پناہ میسر آگئی۔یہی حق بات ہے کہ رسول اکرمؐ نے ہجرت مشرکین کے جبر اور ظلم و ستم سے تنگ آکر کی تھی نہ کہ اقتدار حاصل کرنے کیلئے۔اب اس آیت پر نظر ڈالیں..اس مقام پر نہایت صراحت سے بتایا جارہاہے کہ جن مسلمانوں پر محض اللہ کو رب ماننے کی وجہ سے ظلم ہوا انہیں لڑنے کی اجازت دی جارہی ہے یہی حق ہے اور یہی ہم بھی بتانا چاہ رہے ہیں کہ اگر غلبہ اسلام اور کفر و شرک کو مٹانے کے لئے قتال ہوا ہوتا تو پھر ظلم کی وجہ سے قتال کی اجازت نہ دی جاتی بلکہ قرآن میں یوں ہوتا کہ اللہ کے دین کو سربلند کرنے اور عرب سے کفر کو ختم کرنے کے لئے قتال کرنے کا حکم دیا جارہاہے..مگر یہاں حکم نہیں اجازت دی جارہی ہے اور محترم عمار کو ہم اتنا غبی نہیں سمجھتے کہ وہ حکم اور اجازت میں فرق نہ جانتے ہوں۔قتال سے متعلق یہ سب سے پہلی آیت ہے کیونکہ اس میں لڑنے کی اجازت دی گئی ہے۔سورہ بقرہ 190 اس کے بعد نازل ہوئی تھی اس میں بھی صرف انہی سے لڑنے کی اجازت دی گئی تھی جو مسلمانوں سے

لڑیں۔ ان آیات میں بھی بہت آسان واضح اور صاف صاف یہی بتایا گیا ہے کہ جن پر ظلم ہوا انہیں لڑنے کی اجازت دی جاتی ہے اس سے غلبہ اسلام اور کفر کا خاتمہ مقصدِ بعثتِ نبویؐ کیسے ثابت کیا جا سکتا ہے۔ مقصدِ بعثتِ نبوی کے ثبوت میں ہم اس مقالہ میں قرآن سے 24 آیات پیش کر آئے ہیں۔

صفحہ 118 پر سورہ حج آیات 38-26 مشرکین کے کفر و الحاد کی وضاحت کے لئے پیش کی ہیں جن کا نفس مضمون سے کوئی تعلق نہیں۔ ناچیز یہ سمجھنے سے قاصر ہے کہ ان آیات کو نقل کرنے سے عمار صاحب کیا ثابت کرنا چاہ رہے ہیں۔ ترمذی کی درج ذیل روایت پیش کی ہے:

”جب اللہ کے نبی کو مکہّ سے نکلنے پر مجبور کر دیا گیا تو ابو بکر نے کہا کہ اہل مکہ نے اپنے نبی کو نکال دیا اب یہ ضرور ہلاک ہو کر رہیں گے جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری اذن للذین یقٰتلون بانھم ظلموا وان اللہ علی نصرھم لقدیرo تو ابو بکر نے کہا کہ میں نے جان لیا ہے کہ (قریش کو سزا دینے کے لئے) قتال ہو گا“۔

اس روایت کا بھی محترم عمار کے دعویٰ سے کوئی تعلق نہیں۔ ۔ نہ اس میں یہ ہے کہ بیت اللہ کو آزاد کرانے کے لئے اور اسلام کو غالب کرنے کے لئے قتال کا حکم دیا گیا۔ بلکہ اس روایت میں بھی صراحت ہے۔ کہ رسول اللہ کو جبراً مکہ سے نکالا گیا اسکی سزا انہیں ملی۔ پتا نہیں اس میں محترم عمار کی تردید ہوئی یا نہیں؟۔ پھر سورہ حج کی 40-39 آیات تو مکمل طور پر اسی نظریہ کی تائید کر رہی ہیں جسکی تردید محترم عمار صاحب فرما رہے ہیں۔ فافہم فتدبرواo۔

صفحہ 8 119-11 پر سورہ نور کی آیت 55 نقل کی ہے۔ اور یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ قریش سے اقتدار چھین کر مسلمانوں کو اقتدار دینے کا مقصد غلبہ اسلام ہے۔

”وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّہُم فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِہِمْ وَلَیُمَکِّنَنَّ لَہُمْ دِیْنَہُمُ الَّذِیْ ارْتَضٰی لَہُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّہُمْ مِنْم بَعْدِ خَوْفِہِمْ اَمْنًا یَعْبُدُوْنَنِی لاَ یُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْءًا وَمَنْ کَفَرَ بَعْدَ ذٰلِکَ فَاُوْلٰئِکَ ہُمُ الْفٰسِقُوْنَ [24:55]

اللہ نے تم میں سے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے ہیں وعدہ کیا ہے کہ انہیں ہر حال میں اس سر زمین میں اسی طرح اقتدار عطا کرے گا جیسے ان سے پہلے لوگوں کو عطا کیا اور ان کے لئے ان کے دین کو لازماً مستحکم کر دے گا جیسے اس نے ان

کے لئے پسند کیا اور ان کے خوف کو یقیناً امن سے بدل دے گا وہ میری عبادت کریں گے اور کسی کو میرے ساتھ شریک نہ ٹھہرائیں گے۔ اور جو اس کے بعد بھی انکار کریں تو وہی بدکار ہیں"۔

اس آیت سے بھی محترم عمار صاحب کا دعویٰ کسی طرح ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اس آیت میں مقصدِ بعثتِ نبوی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ بیان فرمایا ہے یعنی یہ نبی اور اصحابِ نبی کے کرنے کا کام نہیں بلکہ تمکین فی الارض عطا کرنا اللہ کا وعدہ ہے۔ اس آیت سے اہلِ ایمان کی ذمہ داری بس اتنی ہی ثابت ہوتی ہے کہ وہ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں۔

صفحہ 119 پر ایک روایت نقل کی ہے کہ۔

' حضرت عبّاس نے فرمایا اے گروہِ خزرج کیا تم جانتے ہو کہ تم اس آدمی کے ہاتھ پر کس چیز کی بیعت کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں.. عباس نے کہا تم اس کے ساتھ (عرب کے سارے لوگوں کے ساتھ جنگ کرنے کی بیعت کر رہے ہو'

ابن ہشام، السیرۃ النبویہ (1/405)

اس روایت میں بھی محترم عمار کے لئے کوئی دلیل نہیں اس روایت کا سیدھا مطلب یہ ہے کہ چونکہ قریش تولیّتِ کعبہ کہ وجہ سے عرب میں فیصلہ کن برتری رکھتے تھے اب قریش کے مخالف کو پناہ دینے کا مطلب ان کے غضب کا شکار ہونا تھا پھر بیشتر عرب قبائل کے قریش سے قریبی تعلقات تھے وہ جنگ کی صورت میں قریش سے مل جاتے۔ اس روایت میں اس بات کا تو اشارہ بھی نہیں کہ رسول اللہ خزرج سے مکہ پر اقتدار حاصل کرنے کے لئے بیعت لے رہے تھے۔ ہماری رائے کی تائید میں تمام کتب سیرت میں روایات بھری ہوئی ہیں کہ رسول اللہ کو مکہ سے جبری نکالا جا رہا تھا تو آپ پناہ کے متلاشی تھے اور قرآن میں بھی یہ بات موجود ہے۔ دیکھئے التوبہ آیت 13، بقرہ 191، سورہ انفال آیت 34 اور مائدہ آیت 2 میں اس کا ذکر موجود ہے۔ اب محترم عمار کو کوئی آیت قرآن سے پیش کرنی چاہیے جس میں ان کے دعویٰ کی تائید ہو اب تک انہوں نے جتنی آیات پیش کی ہیں اس میں انکی کوئی تائید نہیں۔ ہمیں ان روایات سے متعلق اتنا کہنا ہے کہ اللہ کے کلام کے مقابلہ میں ابنِ اسحاق اور واقدی جیسے لوگوں کو پیش کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔

صفحہ 121-120 پر لکھتے ہیں۔

" بہر حال مشرکین کے ناپاک منصوبوں کے علی الرغم جب نبی ﷺ مدینہ تشریف لے آئے اور آپؐ کی سربراہی میں ایک باقاعدہ اسلامی مملکت قائم ہو گئی تو سورہ بقرہ میں مشرکین کے خلاف با قاعدہ قتال کا حکم دے دیا گیا اور یہ واضح کیا گیا کہ پیغمبر ﷺ کہ بعثت کا اصل ہدف اللہ کے دین کو سربلند کرنا اور قریش کے خلاف قتال کرکے ان کے فتنہ و فساد کو ختم کرنے کا حکم اسی مقصد کے تحت دیا جارہا ہے"۔

یہ عبارت از اوّل تا آخر اسی فکر کا نتیجہ ہے۔ جو غالباً امین احسن اصلاحیؒ اور غامدی صاحب نے قانونِ رسالت ثابت کرنے کے لئے بیان کی ہے۔ سورہ بقرہ میں آیاتِ قتال 190 تا 193 دین کو سربلند کرنے کے لئے نہیں بلکہ جو لوگ (مشرکین) مسلمانوں پر ظلم و ستم کر رہے تھے مذہبی جبر کر رہے تھے ان کے اس ظلم و ستم کو (جسے فتنہ کہا گیا) ختم کرنے کے لئے حکم قتال دیا گیا۔ یہ آیات شروع ہی اس حکم سے ہوتی ہیں کہ جو تم سے لڑیں ان سے لڑو۔ یہ نہیں کہا کہ اسلام کو سربلند کرنے کے لئے لڑو۔ یہ اتنی بدیہی بات ہے کہ کوئی سی تفسیر اٹھا کر دیکھ لیں، تمام مفسّرین نے ان آیات سے یہی مطلب اخذ کیا ہے۔ معارف القرآن، معالم القرآن، احسن البیان، ترجمان القرآن، الغرض جو تفسیر بھی آپ دیکھیں گے یہی بات ملے گی۔ کسی مفسّر نے ان آیات سے غلبہ اسلام مراد نہیں لیا۔۔ سوائے متوسّلینِ امام فراحی کے یعنی امین احسن اصلاحی، وحید الدین خاں صاحب وغیرہ۔ اور نہ ہی ان آیات میں بعثتِ نبی ﷺ کا ہدف بیان کیا گیا ہے۔ ہمیں 'ہدف' اور 'اصل ہدف' کا فرق تو معلوم نہیں مگر قرآن کے 24 مقامات سے نبی ﷺ کا مقصدِ بعثت ہم بیان کر آئے ہیں اور وہ ہے ابلاغ و تبلیغ قرآن اور امیّین کی تعلیم و تربیت۔ عمار صاحب سے گذارش ہے اگر وہ مقصدِ بعثت، اسلام کو سربلند کرنا مانتے ہیں تو ان 24 مقامات کو ہمیں سمجھا کر ہماری غلطی واضح کریں اور پھر قرآن سے ایسی آیات پیش کریں جن میں مقصدِ بعثتِ رسالت بیان کیا گیا ہو۔

مزید لکھتے ہیں۔

" یہاں (بقرہ 190 تا 193) میں قتال کی یہ غایت بیان کی گئی ہے کہ فتنہ باقی نہ رہے اور اس کا نتیجہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ دین غالب ہو جائے گا" ان آیات میں کہیں بھی غلبہ دین کی بات نہیں کی گئی بلکہ صف 9، توبہ 33 اور فتح 28 میں غلبہ دین کی بات کی گئی ہے اور اس سے مراد اسلام کا دنیا کے تمام ادیان پر غلبہ ہے نہ کہ مسلمانوں کا۔ اور فتنہ باقی نہ رہنے کا مطلب یہ نہیں کہ مشرک ہی باقی نہ رہیں۔ مشرک تو وفات بنوی کے بعد بھی عرب میں تھے۔ فتنہ باقی نہ رہنے کا مطلب ہے دین کے لئے کوئی جبر

کرنے والا نہ ہو تو دین اللہ کے لئے ہو جائے گا۔ یہ مسلمانوں کی خواہش تو ہے '(امانی)' مگر حقیقت یہ ہے کہ قیامت تک تمام ادیان کو ماننے والے رہیں گے اور قومیں اپنے کردار اور اعمال کی بنیاد پر عروج و زوال سے دوچار ہوتی رہیں گی مگر اسلام اب قیامت تک غالب رہے گا کیونکہ قرآن سے بہتر فکر اور راہ کہیں اور نہیں ہے۔ قتال کے ذریعہ مذہبی جبر ختم کیا جا سکتا تھا مگر کسی کا عقیدہ قتال سے بدلا نہیں جا سکتا۔"

آگے لکھتے ہیں۔

" اس سے قرآن کی مراد یہ تھی کہ قریش کی قوت کو توڑ کر مکہ مکرمہ کو فتح کر لیا جائے اور مشرکین کو بیت الحرام سے بیدخل کر کے یہاں سے شرک کے آثار کو مٹا دیا جائے تا کہ عرب کے مشرکین شرک کو ذلیل اور توحید کو سربلند دیکھ کر من حیث الجماعت دائرہ اسلام میں داخل ہو جائیں"

معلوم نہیں یہ کس قسم کا استدلال ہے۔ دنیا کی کس منطق سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ کسی قوم کو اس کے شہر سے یا عبادت گاہ سے بیدخل کر کے ذلیل کرنے کی وجہ سے وہ قوم اپنے نظریات تبدیل کر کے فاتح قوم کے دین کو اپنا لے۔ جاپان پر امریکہ نے ایٹم بم گرائے مگر جاپانی آج بھی اپنے نظریات پر قائم ہیں۔ بلکہ تاریخ میں تو عمار صاحب کے نظریہ کے برعکس بعض اوقات فاتح قوم نے مفتوح کا دین بھی اپنا لیا مثلاً ہلا کو خان نے بغداد فتح کیا اور اس کی نسل مسلمانوں کے اعلیٰ کردار سے متاثر ہو کر ایمان لے آئی۔ سو قرآن میں مشرکین سے قتال کی اجازت انہیں اسلام میں داخل کرنے کے لئے نہیں بلکہ ان کے ظلم سے مظلوموں کو نجات دلانے کے لئے تھی۔ ہماری درخواست ہے کہ محترم عمار صاحب ناصر اپنے محترم دادا جان کے ہم مسلک مولانا محمد علی کاندھلوی کی تفسیر معالم القرآن سے سورہ انفال اور توبہ کی تفسیر دیکھ لیں انشاءاللہ انہیں بات سمجھ آ جائے گی۔ اس طالبِ علم نے اس تفسیر کا حوالہ اس لئے دیا ہے کہ محمد علی کاندھلوی صاحب نے تفسیر لکھتے وقت امین احسن اصلاحیؒ کی تفسیر کو مد نظر رکھا ہے۔ جہاں تک اس طالب علم کے مطالعہ کا تعلق ہے تو قتال سے متعلق قرآن کے احکام اتنے واضح ہیں کہ کسی بھی تفسیر کو پڑھے بغیر معمولی غور و فکر سے سمجھ آ جاتے ہیں۔ ان مقامات کو حل کرنے کے لئے کسی رازی یا زمخشری کی اگرچہ ضرورت نہیں مگر پھر بھی یہ مقالہ لکھتے ہوئے کم از کم پانچ تفاسیر کو گہری نظر سے دیکھا... سبھی نے وہی بات کہی ہے جو یہ طالبِ علم کہہ رہا ہے

اور کسی نے بھی وہ بات نہیں کہی یا لکھی جو امین احسن صاحب لکھ گئے۔۔ جسے محترم غامدی صاحب اور عمار صاحب نے آنکھیں بند کر کے مان لیا۔

اسی صفحہ 119 پر سورہ بصر سے استدلال کیا مگر اس میں تو خبر دی گئی ہے نہ کہ رسول اللہ کی ذمہ داری یا ہدفِ بعثت۔ مشرکین عرب محمد ﷺ کی تلوار کی وجہ سے مسلمان نہیں ہوئے تھے بلکہ قرآن کی تعلیمات اور نبی اکرم ﷺ کے حسن اخلاق کی وجہ سے حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ اسی صفحہ پر آگے چل کر لکھتے ہیں

" قرآن نے فتح مکہ کی اسی اہمیت کے پیشِ نظر یہ واضح کر دیا کہ مکہ فتح ہونے کے بعد قتال میں حصّہ لینے والے کسی طرح اس سے پہلے جہاد کرنے والوں کے برابر نہیں ہو سکتے"

محترم عمار صاحب نے غور نہ فرمایا سورہ الحدید سورہ نصر سے بہت پہلے نازل ہو چکی تھی۔ لہذا اسلام میں فوج در فوج داخل ہونے کا تعلق اسلام میں انفاق و قتال کے احکام سے کسی طرح ثابت نہیں کیا جا سکتا نہ ہی کسی مفسر نے ایسا سمجھا ہی ہے۔ پھر سورہ الحدید میں قتال کا لفظ ہے نہ کہ جہاد کا اور عمار صاحب مقالہ جہاد پر لکھ رہے ہیں اور آیات قتال والی نقل کر رہے ہیں۔

حافظ عمار صاحب نے صفحہ 122 پر جو عبارت لکھی ہے اس طالب علم کو اس کا افسوس ہی نہیں صدمہ بھی ہے کہ کسی محب رسول نے حافظ صاحب کو توجہ تک نہ دلائی کہ ان کے قلم سے وہ بات نکلی ہے کہ لگتا ہے عمار صاحب نہیں بلکہ ولیم میور صاحب نے یہ پیرگراف لکھا ہے فرماتے ہیں۔

"ذخیرہ سیرت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ غزوہ بدر کے محرکات میں من جملہ دیگر عوامل کے تحریش و اعزا (provocation) کی وہ کاروائیاں بھی شامل تھیں جو رسول اللہ کی طرف سے وقتاً فوقتاً قریش کے تجارتی قافلوں پر حملوں کی صورت میں کی گئیں۔ چنانچہ اس طرح کے ایک حملے کی اطلاع پا کر قریش اپنے تجارتی قافلے کو بچانے کے لئے مکہ سے نکلے اور اللہ تعالیٰ کی سکیم کے مطابق بدر کے مقام پر ان کا مسلمانوں سے سامنا ہوا ابو سفیان اپنی تدبیر سے قریش کے تجارتی قافلہ کو بچا کر لے جانے میں کامیاب ہو گئے"۔

اس پیراگراف میں عمار صاحب ناصر نے رسول اللہ پر بہتان لگایا ہے۔ کہ غزوہ بدر کی ایک وجہ رسول اللہ کے تجارتی قافلوں پر حملے تھے اور دلیل میں کتب سیرت کا حوالہ دیا ہے۔ انہیں لازماً اس بات کی تائید کے لئے قرآن سے چند آیات پیش کرنی چاہئے تھیں کہ محمد ﷺ تو قرآن کی پیروی کرتے تھے نہ کہ من مانی کاروائیاں۔۔

چند حوالے ملاحظہ کیجئے سورہ یونس آیت 15، 109، سورہ انعام 50، سورہ اعراف 3، اور سورہ عنکبوت 4 5 سے روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔ کہ نبی کریمؐ قرآنی ہدایات پر عمل فرماتے تھے۔ لہٰذا کتب سیرت کا حوالہ بیکار ہے۔ جبکہ سیرت لکھی ہوئی بھی ابنِ اسحاق اور واقدی جیسے "شریف" لوگوں کی ہے۔ اس پر مزید لطف یہ کہ ہمیں سیرت کی کسی کتاب میں کوئی جھوٹی روایت بھی نہیں ملی جس میں رسول اللہ نے کبھی کسی تجارتی قافلے پر حملہ کیا ہو۔ ہم تو اس معاملہ میں صرف قرآن پر اعتماد کرسکتے ہیں چہ جائیکہ ایک ہوائی اور خیالی بات کو بطور دلیل پیش کیا جائے۔ محترم عمار صاحب سے درخواست ہے کہ کم از کم چار ایسے واقعات ہی بتادیں جن میں رسول اللہ نے کسی تجارتی قافلے پر حملہ کیا ہو۔ محترم عمار صاحب کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ تجارتی قافلہ پر حملے کو "ڈاکہ" کہا جاتا ہے۔ اس لفظ سے بچنے کے لئے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب(Economic Blocked)معاشی ناکہ بندی کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے مخالف نقطہ نظر کے حاملین کو مغرب سے مرعوبیت طعنہ دیتے نہیں تھکتے مگر خود رسول اللہ کے لئے ایسے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ جن کا استعمال کسی بھی شریف النفس اور نیک انسان کے لئے جائز نہیں۔۔ چہ جائیکہ ایسے نازیبا الفاظ رسول اللہ کے لئے استعمال کئے جائیں۔ ہمارے ان مہربانوں کو اگر اللہ تعالیٰ عقلِ سلیم سے نوازیں تو انہیں معلوم ہو کہ اسلام صرف مشرق کے لئے تو نہیں آیا جو کسی بھی انسان کو مغرب کا طعنہ دیا جائے۔ رسول اللہ تمام دنیا کے لئے رسول اور قرآن تمام دنیا کے انسانوں کے لئے یکساں کتاب ہدایت ہے۔ حافظ عمار صاحب نے لکھا ہے کہ غزوہ بدر کے محرکات میں ۔۔۔ گویا تجارتی قافلوں پر حملوں کے علاوہ اور محرکات بھی تھے ۔۔۔ مگر ان کا چونکہ ذکر نہیں کیا۔۔ معلوم ہوتا ہے کہ حافظ صاحب کی بنیادی دلیل ہی یہ ہے کہ رسول اللہ وقتاً فوقتاً تجارتی قافلوں پر حملے کرتے تھے (العیاذ باللہ)۔

اس کے برعکس قرآن نے جنگ کی ابتداء کی ذمہ داری مشرکین پر ڈالی ہے۔ اور ان کے جرائم میں سے ایک جرم گنوایا ہے۔۔۔

" اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَ هَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَ هُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ اَتَخْشَوْنَهُمْ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (توبہ 13)

تمہیں کیا ہوا کہ تم اس قوم سے جنگ نہیں کرتے جس نے اپنے معاہدوں کو توڑ دیا رسول کو جلاوطن کرنے کا مصمم ارادہ کیا اور (جنگ کی) ابتدا بھی انہوں نے ہی کی کیا ان سے ڈرتے ہو سو تمہیں اللہ ہی سے ڈرنا چاہئے اگر تم ایمان رکھتے ہو۔۔"

۔۔اس پیرگراف کا یہ جملہ بھی قابلِ افسوس ہے کہ" ابوسفیان اپنی تدبیر سے قریش کے تجارتی قافلے کو بچا کر لے جانے میں کامیاب ہوگئے" جملہ کو کھولیں تو پوری بات یہ ہو گی کہ رسول اللہ قریش کے قافلے پر حملہ کرنے میں ناکام ہوئے اور ابوسفیان اپنی تدبیر سے قریش کے تجارتی قافلے کو بچالے جانے میں کامیاب ہوگئے۔۔۔۔اب یہ ایک ایسی بات ہے جس پر کوئی تبصرہ نہ ہی کیا جائے تو بہتر۔۔۔۔۔۔ہم تو صرف یہ تمنّاہی کر سکتے ہیں۔۔اے کاش یہ پیراگراف عمار صاحب نے نہ لکھا ہوتا۔

صفحہ 123-122 پر سیرت ابن ہشّام کی جو روایت محترم عمار صاحب نے نقل کی ہیں۔اس میں بھی اس کی کوئی صراحت نہیں کہ شرک کا خاتمہ اور اسلام کی سربلندی رسول اللہ کا ہدف بعثت تھا بلکہ صرف یہ ہے" محمد ﷺ ایک وقت غالب آئیں گے" تو عرض ہے جب کفار نے مظلوم مسلمانوں پر ظلم کی انتہا کر دی معاہدوں کو توڑ دیا اور جنگ مسلط کر دی تو اس جنگ میں آخری فتح یقیناً رسول اللہ ہی کی ہونی تھی۔اس سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ رسول اللہ نے کفر کو مٹانے کے لئے قتال کیا۔

روایت دیکھ لیجئے عتبہ بن ربیعہ نے اپنے خطبہ میں قریش کو مخاطب کر کے کہا

" اے گروہِ قریش۔۔۔۔واپس چلے چلو اور محمد اور پورے عرب کو آپس میں نمٹنے دو اگر اہلِ عرب محمد پر غالب آ گئے تو تم یہی چاہتے ہو اور اگر معاملہ اس سے مختلف ہوا تو وہ تم کو اس حال میں پائیں گے کہ تم نے ان کے ساتھ کوئی جنگ نہ کی ہوگی جس کا تم اس وقت ارادہ رکھتے ہو"۔(ابنِ ہشّام،وسیرۃ النبویہ 551-550/1)

یہ روایت بھی حافظ صاحب کی فکر کی تردید کر رہی ہے۔۔۔۔وہ تو شائد بنا سوچے سمجھے ہی یہ مقالہ لکھ بیٹھے۔۔۔۔اس روایت سے ثابت ہے کہ جارح قریش تھے اور حملہ آور بھی وہی۔لہٰذا رسول اللہ کے بارے میں آخر کس بنیاد پر کہا جا سکتا ہے کہ بدر کے محرکات میں رسول اللہ کا تجارتی قافلوں پر حملہ آور ہونا بھی محرّک تھا۔روایت کا آخری حصّہ ثابت کرتا ہے کہ اگر قریش مدینہ پر حملہ نہ کرتے تو خود رسول اللہ ان سے جنگ کا کوئی ارادہ نہ رکھتے تھے۔اسی طرح احزاب کے موقع پر رسول اللہ کا یہ فرمانا کہ

" اب ہم ان پر حملہ آور ہوں گے اور وہ ہم پر حملہ نہیں کریں گے ۔ اب ان کی طرف بڑھنے کی ہماری باری ہے(بخاری رقم 3801)

اس روایت سے بھی محترم عمار صاحب کو کوئی تائید حاصل نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے صرف فتح مکہ کے موقع پر مشرکین مکہ پر چڑھائی کی اور یہ چڑھائی غلبہ اسلام کے لئے یا مشرکین کو مٹانے کے لئے نہیں بلکہ معاہدہ حدیبیہ کی خلاف ورزی کی وجہ سے کی۔ محترم عمار صاحب اگر سورہ فتح پر غور نہ کر سکیں تو بھی تمام کتب سیّر و تفاسیر میں یہی وجہ انہیں ملے گی۔ چند مفسّرین کی رائے آگے آ رہی ہے۔

محترم عمار صاحب نے صفحہ 123 پر لکھا ہے۔

" 6 ہجری میں رسول اللہ ﷺ صحابہ کے ساتھ عمرے کے ارادے سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے تو مشرکین نے انہیں حدیبیہ کے مقام پر روک دیا۔ سابقہ ہدایات کی رُو سے اس موقع پر مسلمانوں کو حدودِ حرم میں تلوار اٹھانے کا پورا پورا حق تھا چنانچہ جب رسول اللہ نے بعض اہم تر مصالح کے پیش نظر مشرکین سے صلح کا معاہدہ کر لیا تو اس کو ذہنی طور پر قبول کرنا صحابہ کے لئے آزمائش بن گیا"

سوال یہ ہے کہ تلوار اٹھانے کا حق تھا تو پھر تلوار اُٹھائی کیوں نہیں؟ حافظ عمّار صاحب کا کہنا ہے کہ بعض اہم تر مصالح کے پیش نظر !اس سلسلے میں دو باتیں حافظ صاحب کے ذمہ ہیں۔

(1) وہ کون سے مصالح تھے؟ جن کا ذکر نہیں کیا گیا۔

(2) جب ہدف نبوی ہی مشرکین سے عرب کو پاک کرنا تھا۔ تو پھر صحابہ کو عمرہ کے لئے جانے سے پہلے مکہ پر حملہ کرنا چاہئے تھا۔

سب سے بڑی بات کہ روایات سے متاثر ہو کر یہ لکھ دیا کہ مشرکین سے صلح کا معاہدہ صحابہ کے لئے آزمائش بن گیا۔ یہ بات قرآن کے صریحاً خلاف ہے کیونکہ سورہ فتح میں دو جگہ صحابہ پر، حدیبیہ کے مقام پر، سکون کے نزول کا ذکر ہے۔ آیت 4 اور 18

''ہُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ السَّکِیۡنَۃَ فِیۡ قُلُوۡبِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ لِیَزۡدَادُوۡۤا اِیۡمَانًا مَّعَ اِیۡمَانِہِمۡ وَلِلّٰہِ جُنُوۡدُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَکَانَ اللّٰہُ عَلِیۡمًا حَکِیۡمًا [48:4]

وہی تو ہے جس نے مومنوں کے دلوں پر تسلّی نازل فرمائی تا کہ ایمان کے ساتھ اور ایمان بڑھے اور اللہ کے ہیں سب لشکر آسمانوں کے اور زمین کے اور اللہ ہے خبر دار حکمت والا''

''لَقَدۡ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اِذۡ یُبَایِعُوۡنَکَ تَحۡتَ الشَّجَرَۃِ فَعَلِمَ مَا فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ فَاَنۡزَلَ السَّکِیۡنَۃَ عَلَیۡہِمۡ وَاَثَابَہُمۡ فَتۡحًا قَرِیۡبًا [48:18]

اللہ ان مومنین سے راضی ہوا جب وہ آپ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے۔۔ پھر معلوم کیا جو ان کے جی میں تھا تو ان پر تسلّی نازل فرمائی اور انہیں جلد فتح عطا فرمائی''

اب ان آیات کی موجودگی میں کیسے مان لیا جائے کہ معاہدہ صلح صحابہ کرام کے لئے آزمائش بن گیا۔ حق تو یہ ہے کہ رسول اللہ لڑنے نہیں بلکہ پُر امن طور پر عمرہ کرنے کے لئے مکہ تشریف لے گئے۔ مشرکین مکہ نے انہیں روکا تو اس روکنے پر قتال ہو سکتا تھا مگر نبی رحمت ﷺ صلح کی برکات سے واقف تھے سو آپؐ نے مشرکین سے معاہدہ صلح کر کے دعوت کے کام میں یکسوئی سے مصروف ہو گئے اور اس دعوت کے نتیجے میں لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہوئے۔ اور غلبہ دین سے مراد بھی ہم لکھ آئے ہیں کہ یہ اسلام کا غلبہ تھا نہ کہ مسلمانوں کا غلبہ کہ یہ ہدفِ نبوی تھا بھی نہیں۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کے کرنے کا کام تھا اور نزولِ قرآن کی شکل میں یہ دین تمام ادیان پر غالب کر دیا گیا۔ اس طرح یہ تمام آیات و روایات نفسِ مضمون و عنوان مضمون سے یکسر بے تعلق ہیں۔

صفحہ 124 پر واقدی کی روایت بھی جو عمّار صاحب نے پیش کی ہے۔ ہماری تائید اور ان کی تردید کر رہی ہے روایت کا ابتدائی جملہ ملاحظہ کریں۔۔۔۔ رسول اللہ نے معاہدہ حدیبیہ کے موقع پر فرمایا۔

'' ہم کسی سے لڑنے نہیں آئے ہم تو بیت اللہ کا طواف کرنے آئے ہیں۔۔ ہاں جو ہمیں روکے گا ہم بھی اس کے ساتھ جنگ کریں گے۔۔۔۔۔''

اس کے بعد اگلے صفحے پر ہی روایت لکھی ہے جس میں عمار صاحب کے لئے کوئی دلیل نہیں اور سورہ توبہ آیت 28 پیش کی ہے ۔جو خود عمار صاحب کے خلاف دلیل ہے۔ اس میں مشرکین کے زندہ رہنے کا حق تسلیم کیا گیا ہے۔بس انہیں مسجد حرام کے پاس آنے سے منع کیا ہے۔

صفحہ 127 پر لکھا ہے۔

" قرآن کی تصریح کے مطابق سیدنا سلیمانؑ نے اپنی اس قوت اور برتری کو اپنے قرب و جوار میں مشرکانہ مذاہب کی پیروی کرنے والی قوموں کی تادیب و تنبیہ اور ان کو سرنگوں کرنے کے لئے بھی استعمال کیا۔ چنانچہ جب انہیں معلوم ہوا کہ قوم سبا سورج پرستی میں مبتلاء ہے تو انہوں نے اس کی ملکہ کو خط لکھا۔

اِنَّہٗ مِنۡ سُلَیۡمٰنَ وَاِنَّہٗ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ [27:30] اَلَّا تَعۡلُوۡا عَلَیَّ وَاۡتُوۡنِیۡ مُسۡلِمِیۡنَ [27:31]

یہ خط ہے سلیمان کی طرف سے یہ کہ شروع اللہ کے نام سے جسکی رحمت بے پایاں اور شفقت ابدی ہے۔میرے مقابلے میں سر کشی نہ کرو اور فرماں بردار بن کر میرے پاس حاضر ہو جاؤ"۔

قرآن کے اس مقام سے عمار صاحب ثابت کرنا چاہ رہے ہیں۔کہ قبول اسلام کے لئے زور زبردستی جائز ہے۔مگر وہ یہ مقام پیش کرتے وقت یہ بھول گئے کہ وہ قانون تو یہ لکھ رہے ہیں۔کہ رسول جس علاقہ میں جس قوم میں مبعوث ہوا اسے لازماً ایمان لانا ہو گا بصورتِ دیگر قتل ہونا لازم ہے لیکن اس مقام کا اس قانون سے کیا تعلق.... کیا سلیمانؑ قوم سباء میں مبعوث ہوئے تھے؟ در اصل اس مقام کا قانونِ جہاد، جو عمار صاحب بیان کر رہے ہیں، سے کوئی تعلق نہیں۔وہ سورہ بنی اسرائیل 82-81 سے استدلال فرماتے ہیں۔رسول اللہ اقتدار کی دعا مانگتے تھے اور سلیمانؑ کو پہلے ہی سے اقتدار حاصل تھا۔لہذا یہ سلیمانؑ کے لئے تو ہدف ہو ہی نہیں سکتا۔اب ہم اس آیت 31 کا ترجمہ پیش کر کے عمار صاحب کی تردید کرتے ہیں۔۔انشاءاللہ۔

" میرے مقابلے میں سرکشی نہ کرو اور فرماں بردار بن کر میرے پاس حاضر ہو جاؤ"

اس آیت میں تصریح ہے کہ ملکہ کی طرف سے سرکشی کا معاملہ تھا۔ سلیمٰنؑ نے ملکہ کو اطاعت گذار بننے کا تو کہا بلکہ حکم دیا مگر شرک سے باز آنے اور اسلام قبول کرنے کا کہیں حکم نہیں دیا آیت میں مسلمین اطاعت گزار کے معنی مین ہے نہ کہ شرک چھوڑ کر کلمہ پڑھنے کے معنی میں۔ قارئین سے درخواست ہے سورہ نمل آیت 31 سے 44 تک پڑھ جائیں ایک لفظ سیدنا سلیمانؑ نے جبراً شرک سے تائب ہونے یا اسلام قبول کرنے سے متعلق نہیں کہا۔ بلکہ ملکہ سبا سلیمانؑ کے حسن سلوک سے متاثر ہو کر ایمان لے آئی نہ کہ جبراً۔ یہ وہی حسن اخلاق ہے جس کی تعریف ہمارے رسول اللہ کے بارے میں خود قرآن میں آئی ہے 'وانہ لعلیٰ خلق عظیم' سو یہ آیت بھی فکر عمار سے غیر متعلق ہے۔

اسی صفحہ 127 پر سیدنا موسیٰؑ کے واقعہ سے متعلق سورہ بقرہ آیت 54 اور تورات سے حافظ عمار صاحب نے اپنی فکری تائید پیش کرنے کی کوشش کی ہے آیت اس طرح ہے۔

''وَ اِذْقَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِہٖ یٰقَوْمِ اِنَّکُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَکُمْ بِا تِّخَاذِکُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰی بَارِئِکُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَکُمْ ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ عِنْدَ بَارِئِکُمْ فَتَابَ عَلَیْکُمْ اِنَّہٗ ھُوَالتَّوَّابُ الرَّحِیْمُ [2:54]

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا تم نے بچھڑے کو معبود بنا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے اس لئے اپنے پیدا کرنے والے کی طرف توبہ کرو اور اپنے (بھائی بندوں) کو قتل کرو یہ تمہارے خالق کے نزدیک تمہارے لئے بہتر ہے۔''

پھر لکھا ہے۔

' اسی قانون کے تحت موسوی شریعت میں مشرکانہ اعمال و رسوم میں ملوث ہونے والوں کے لئے موت کی سزا مقرر کی گئی تھی۔ '

' اور پھر تورات کتاب احبار سے ایک عبارت نقل کی گئی ہے۔ '

پہلے ہم سورہ بقرہ کی آیت 54 پر تبصرہ کریں گے۔ اور اس کی تاویل واضح کریں گے انشاء اللہ۔۔ پھر تورات کی عبارت پر تبصرہ کیا جائے گا۔ اس آیت میں قتلِ نفس سے کیا مراد ہے؟ اس میں مفسّرین کا اختلاف ہے اور اس بات کو بھی جاننا ہے کہ یہ حکم کیوں دیا گیا ہے پھر آخر میں بتایا جائے گا کہ موسیٰؑ کی شریعت میں مشرکانہ اعمال کی سزا کیا موت ہو سکتی ہے؟۔ اس آیت کا مضمون

سورہ اعراف آیت 150 میں بھی آیا ہے۔ سورہ اعراف کا یہ مقام ہماری راہنمائی کرتا ہے کہ بنی اسرائیل کا جرم سرکشی کی انتہا تھا ۔وہ ہارونؑ کو قتل کرنے کے درپے ہوگئے تھے اس جرم میں انہیں موت کی سزا سنائی گئی آگے سورہ اعراف آیت 153 میں ہے

" وَ الَّذِیْنَ عَمِلُوا السَّیِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْ بَعْدِهَا وَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ رَبَّکَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ[7:153]

جنہوں نے برے کام کئے پھر توبہ کرلی اور ایمان لے آئے تو کچھ شک نہیں کہ تمہارا رب اس کے بعد (بخش دے گا کہ وہ) بخشنے والا مہربان ہے"۔

یہ آیت بھی اسی واقعہ کے تسلسل میں آئی ہے۔اس مقام پر قتلِ نفس کا ذکر نہیں صرف توبہ کا ہے۔یعنی بنی اسرائیل نے شرک کیا تو انہیں توبہ کا حکم دیا گیا۔ پس سورہ بقرہ میں قتلِ نفس کا جو حکم آیا ہے تو اس سے پہلے توبہ کا ذکر ہے اور سورہ اعراف میں تو صرف توبہ کا ذکر ہے۔ چنانچہ اس طالب علم کے نزدیک اس آیت میں قتلِ نفس سے مراد وہی معنی ہیں جو امام راغب نے بھی نقل کئے ہیں مگر قیل سے ذکر کیا ہے یعنی صیغہ تمریض سے مگر قرآن سے اسی معنی کی تائید ہوتی ہے۔کیونکہ قرآن میں یہ بھی کہیں ذکر نہیں کہ بنی اسرائیل قتل کئے بھی گئے۔ قرآن سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے توبہ کرلی۔ امام راغب نے لکھا ہے" قیل عنی بقتل النفس ماطتہ الشھوات" یعنی قتل نفس سے مراد شھوات کا دور کرنا ہے۔یہ معنی اس لئے بھی راجح ہیں۔ کیونکہ ظلمتم انفسکم میں جس ظلم کا ذکر ہے۔وہ شرک اور ذلیل خواہشات تھیں۔ پھر یہاں توبہ کا بھی ذکر ہے۔اس کے بعد بتایا کہ توبہ ایسی ہو کہ اس کے بعد ایسی ذلیل حرکت تم سے نہ ہو۔ اس لئے اپنے نفسوں کو فرماں بردار بناؤ۔ آگے فتاب علیکم (سورہ اعراف 153) میں بھی صرف توبہ ہی کا ذکر بتا رہا ہے کہ بنی اسرائیل کو قتل نہیں کیا گیا۔اس کی مزید تائید یہ ہے کہ تورات سے جو حوالہ کتابِ احبار سے محترم عمار ناصر نے بیان کیا ہے کہ موسوی شریعت میں شرک کی سزا موت تھی تو تورات کا یہ حوالہ نص قرآن کے خلاف ہونے کی بنیاد پر قابل رد ہے اور سورہ بقرہ آیت 54 کی بھی وہ تشریح خود قرآن سے تضاد و تکرار کی بنیاد پر قابلِ رد ہے۔اور اصول تفسیر میں یہ بات متفق علیہ ہے کہ قرآن کی جس تشریح سے قرآن میں تضاد لازم آئے وہ تفسیر مردود ہوتی ہے۔

سورہ مائدہ آیت 32 میں ہے۔

’’مِنْ اَجْلِ ذٰلِکَ کَتَبْنَا عَلٰی بَنِیٓ اِسْرَآئِیْلَ اَنَّہٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًام بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَکَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا وَ مَنْ اَحْیَاھَا فَکَاَنَّمَآ اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا وَ لَقَدْ جَآءَ تْھُمْ رُسُلُنَا بِالْبَیِّنٰتِ ثُمَّ اِنَّ کَثِیْرًا مِّنْھُمْ بَعْدَ ذٰلِکَ فِی الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ [5:32]

اس وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل کے لئے قانون بنادیا تھا کہ جو شخص کسی کو قتل کرے اس کے کہ جان کا بدلہ لیا جائے یا ملک میں فساد پھیلائے گویا اس نے سارے انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے کسی انسان کو بچالیا گویا اس نے تمام انسانوں کو بچالیا۔ ان کے پاس ہمارے رسول روشن دلائل لا چکے ہیں پھر اس کے بعد بھی ان میں سے بہت سے لوگ حد سے نکل جاتے ہیں‘‘۔

یہ آیت فیصلہ کن ہے۔ کہ بنی اسرائیل میں صرف قاتل اور فسادی کے لئے موت کی سزا تھی۔ شرک وکفر اور مرتد کے لئے بنی اسرائیل میں سزائے موت اس آیت کی نفی کیے بغیر نہیں مانی جاسکتی اس لئے اس طالب علم کی رائے میں سورہ بقرہ آیت 54 میں محض شرک کی بنیاد پر سزائے موت ماننا خود قرآن کی تصریح کے خلاف ہے جو سور مائدہ آیت 32 میں بنی اسرائیل کے لئے موت کی سزا صرف قتل کے قصاص اور فساد فی الارض کے لئے بتارہی ہے۔

صفحہ 128 پر لکھتے ہیں۔

’’نبیؐ کی طرف سے اتمام حجت کے بعد جزیرہ عرب میں شرک کے بطور ایک مذہب اور مشرکین کے بطور ایک مذہبی گروہ کے باقی رہنے کی کوئی گنجائش نہیں ہوسکتی تھی۔ اور مشرکین اگر اپنے شرک پر قائم رہتے تو ان پر موت کی سزا کا نافذ کیا جانا خدا کے مطابق بعثتِ محمدی کا ایک لازمی تقاضا تھا۔ اس ضمن میں نبیؐ نے ایک بنیادی اقدام تو یہ کیا کہ مختلف مواقع پر باقاعدہ مہمات بھیج کر جزیرہ عرب میں مختلف مقامات پر قائم مشرکین کے عبادت خانوں کو مسمار کرادیا‘‘۔

اس کے بعد 6 مثالیں پیش کی ہیں کہ صحابہ کرام کو بھیج کر رسول اللہ نے ان کے عبادت خانوں کو مسمار کرایا۔ اس سے متعلق یہ طالب علم محترم عمار صاحب سے پوچھتا ہے۔ کہ سورہ حج آیت 40 میں تو تمام اقوام کے عبادت خانوں کو گرانے سے منع کیا ہے۔ پھر رسول اللہ نے کس آیت پر عمل پیرا ہو کر یہ عبادت خانے گرائے ؟۔ جو قانون آپ اتمام حجت کے تحت بیان کر رہے ہیں وہ امام فراہی کے متوسلین کے ذہن میں ہی تھا۔ قرآن میں تو اس کا اشارہ بھی نہیں۔ محترم عمار صاحب کی پیش کردہ تمام آیات پر جو وہ اس مزعومہ قانون کے بارے میں لکھ رہے ہیں اس مقالہ میں تبصرہ موجود ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جب محترم عمار

صاحب نے اس قانون کو مان لیا تو ہر چیز جو انہیں معلوم ہوئی کہ ان کی ذرا سی بھی تائید اس میں موجود ہے اسے زور و شور سے پیش کر دیا۔ یہ جو مثالیں حافظ عمار صاحب نے عبادت خانوں کو گرانے کی پیش کی ہیں اس کے بارے میں قرآن میں کوئی تائید نہیں۔ اور قرآن یہ تصریح کر رہا ہے کہ رسول اللہ متبع قرآن تھے اور قرآن پر ایمان بھی لائے ہوئے تھے اس لئے وہ توجیہہ نا قابل قبول ہے جو حافظ عمار صاحب نے پیش کی ہے۔ ان تمام عبادت خانوں کو گرانے کی صرف ایک وجہ تھی وہ یہ کہ یہ تمام قبائل ایمان لے آئے تھے۔ ان میں کچھ ضعیف العتقاد ان عبادت گاہوں کو گرانے سے ڈرتے تھے تو رسول اللہ نے ان کو منہدم کرا دیا۔ مثلاً ان میں اوس و خزرج کی عبادت گاہوں کو گرانے کا ذکر ہے۔ اور یہ معلوم حقیقت ہے کہ یہ قبائل ایمان لے آئے تھے۔ اس کے علاوہ یہ قرآن و حدیث اور تاریخ سے ثابت شدہ حقیقت ہے کہ عرب میں مشرک قبائل بھی رہے۔ اور دیگر ادیان کے پیروکار بھی۔ یہود نے جب شرارتوں کی انتہا کر دی تو انہیں مدینہ سے نکالا گیا تھا نہ کہ عرب سے لہٰذا حافظ عمار صاحب سے التماس ہے کہ ان حقائق پر تدبّر سے غور فرمائیں۔ صرف امین احسنؒ وغیرہ کی وجہ سے قانونِ اتمام حجت ماننا جس کی کوئی دلیل قرآن میں نہیں، انہیں کہاں سے کہاں لے گیا۔ صفحہ 128 پر ہی سورہ فتح کی آیت 16 پیش کی ہے کہ اس آیت میں مشرکین کے خلاف آئندہ جنگ کا ہدف ان لفظوں میں بیان کیا گیا

''سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُوْلِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ [48:16]

جلد ہی تمہیں ایک قوم سے مقابلے کے لئے بلایا جائے گا جو نہایت جنگجو اور زور آور ہو گی تمہیں ان کے ساتھ لڑنا ہو گا یہاں تک کہ وہ اسلام لے آئیں''

اس آیت میں کہاں یہ دلیل ہے۔ کہ یہ جنگ مشرکین مکہ سے ہو گی۔ اس آیت کی تفسیر میں مفسّرین کا اختلاف ہے۔ اہل مکہ سے قتال کے لئے قرآن سورہ حج اور بقرہ میں صاف صاف بتایا گیا ہے کہ جو تم سے لڑیں تم ان سے لڑو اور جنہوں نے توحید کی وجہ سے مسلمانوں کو ظلماً گھروں سے نکالا ان سے جنگ کی اجازت دی جاتی ہے قرآن میں تو کہیں نہیں کہ مشرکین کے شرک کہ وجہ سے ان سے جنگ کرو۔ اس آیت میں یہ بھی نہیں کہ یہ جنگ قانون رسالت یا اتمام حجت کے قانون کے تحت ہو گی۔ اس قسم کی آیات سے عمار صاحب کا استدلال ان کی فکری کمزوری کی دلیل ہے۔

پھر صفحہ 129-128 پر سورہ توبہ کی ابتدائی آیات سے استدلال کیا ہے کہ بدنیت اور بدعہد قبائل کو چار ماہ کی مہلت دے کر یہ کہا گیا کہ وہ یا تو اسلام قبول کر لیں یا اہل ایمان کے ہاتھوں جہنم رسید ہونے کے لئے تیار ہو جائیں۔

''بَرَآءَ ةٌ مِّنَ اللهِ وَرَسُوْلِہٖۤ اِلَی الَّذِیْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ[9:1] فَسِیْحُوْا فِی الْاَرْضِ اَرْبَعَۃَ اَشْهُرٍ وَّ اعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ غَیْرُ مُعْجِزِی اللهِ وَ اَنَّ اللهَ مُخْزِی الْكٰفِرِیْنَ[9:2] وَ اَذَانٌ مِّنَ اللهِ وَ رَسُوْلِہٖۤ اِلَی النَّاسِ یَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللهَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ وَ رَسُوْلُہٗ فَاِنْ تُبْتُمْ فَھُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ وَ اِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ غَیْرُ مُعْجِزِی اللهِ وَ بَشِّرِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ[9:3] اِلَّا الَّذِیْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ ثُمَّ لَمْ یَنْقُصُوْكُمْ شَیْءًا وَّلَمْ یُظَاهِرُوْا عَلَیْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْۤا اِلَیْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰی مُدَّتِهِمْ اِنَّ اللهَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ[9:4] فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِیْنَ حَیْثُ وَ جَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَ احْصُرُوْهُمْ وَ اقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِیْلَهُمْ اِنَّ اللهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۔

(التوبہ 1 تا 5)

اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ان مشرکوں سے برات کا اعلان ہے جن سے تم نے معاہدے کر رکھے ہیں سو (اے مشرکو) چار ماہ تک زمین میں چل پھر لو اور جان لو کہ اللہ کے آگے تمہارا کوئی زور نہیں چال سکتا اور یہ کہ اللہ کافروں کو رسوا کر کے رہے گا....... پھر جب حرمت والے مہینے گذر جائیں (اور چار مہینے کی مدت پوری ہو جائے) تو مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو اور انہیں پکڑو اور انہیں گھیر و اور ان کے لئے ہر جگہ گھات لگا کر بیٹھو۔ پھر اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کی پابندی قبول کر لیں تو ان کا راستہ چھوڑ دو بیشک اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے''۔

محترم قارئین! اس آیت میں وہ بات کہی ہی نہیں گئی جو محترم حافظ عمار صاحب سمجھ رہے ہیں۔ جو بات وہ ان آیات سے اخذ کر رہے ہیں وہ صرف اور صرف امام فراہیؒ اور ان کے متوسلین مثلاً امین احسن اصلاحیؒ، وحید الدین خاں صاحب اور غامدی صاحب نے بیان کی ہے اور ان تمام اربابِ علم و دانش کے تمام تر احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ طالب علم عرض کرتا ہے کہ ان آیات کا یہ معنٰی ہے اور نہ ہی محل.... کسی مفسّر نے بھی ایسا نہیں سمجھا... ان آیات کی یہ تفسیر کہ اہل مکہ کے لئے یہی راستہ تھا کہ اسلام یا تلوار.... بالکل غلط ہے اس مقام پر سب سے پہلے چند مفسرین کی رائے پیش کی جا رہی ہے جن میں سورہ توبہ کی ابتدائی آیات کا وہ معنٰی و مفہوم جو قرآنی تعلیمات کے عین مطابق بیان کیا گیا ہے۔ ان مفسّرین میں شیخ القرآن محمد علیؒ کاندھلوی کے بارے

میں اس طالب علم کا تاثر یہ ہے کہ وہ بہت ذہین وفطین انسان تھے اور اپنی تفسیر میں سوائے معدودے چند مسائل کے، قرآن کی بہترین ترجمانی کی ہے اور قانون رسالت کے بارے میں بھی انہیں امین احسن اصلاحیؒ صاحب کی آراء کا علم بھی تھا اور معالم القرآن لکھتے وقت السید الشیخ محمد علی کاندھلوی کے سامنے تفسیر تدبر القرآن بھی تھی۔ انہوں نے بہت سی جگہوں پر تفسیر تدبر القرآن پر تنقید بھی کی ہے اور بجا طور پر کی ہے۔۔ اب چند مفسّرین کی آراء ملاحظہ فرمایئے:

مفتی شفیع صاحبؒ تفسیر معارف القرآن جلد 4 صفحہ 310 پر لکھتے ہیں۔

" پہلی جماعت (شیخ نے مشرکین کی چار جماعتیں بتائی ہیں.. امتیاز) جو قریش مکہ کی تھی جنہوں میثاقِ حدیبیہ کو توڑ دیا تھا اب یہ کسی مزید مہلت کے مستحق نہ تھے مگر چونکہ یہ زمانہ اشہر حرم کا تھا جن میں جنگ وقتال ممنوع تھا اس لئے ان کے متعلق تو وہ حکم آیا جو سورہ توبہ کی پانچویں آیت میں مذکور ہے

'فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ (التوبہ 5)

جس کا حاصل یہ تھا کہ ان لوگوں نے عہد شکنی کر کے اپنا کوئی حق باقی نہ چھوڑا مگر اشہر حرم کا احترام بہر حال ضروری ہے اس لئے حرمت والے مہینوں کے ختم ہوتے ہی یا وہ جزیرہ عرب سے نکل جائیں یا مسلمان ہو جائیں ورنہ ان سے جنگ کی جائے گی۔

اور صفحہ 312 پر لکھتے ہیں۔

" اس اعلان عام کے بعد یہ صورت حال ہو گئی کہ پہلی جماعت یعنی مشرکین کو اشہر حرم کے خاتمہ یعنی محرم 10 ہجری تک.... حدود حرم سے خارج ہو جانا چاہیئے جو اس کی خلاف ورزی کرے مستحق قتال ہے۔ اس طرح اگلے سال زمانہ حج تک کوئی کافر داخل حدود حرم نہ رہنے پائے"۔

صفحہ 313 پر لکھتے ہیں۔

" دوسرا مسئلہ جو آیات مذکورہ سے سمجھا گیا ہے کہ عفو و کرم کے یہ معنی نہیں کہ دشمنوں کے شر سے اپنی حفاظت نہ کرے اور نہ ان کو ایسا آزاد چھوڑے کہ وہ پھر ان کو ایذا و نقصان پہنچاتے رہیں بلکہ عفو و کرم کے ساتھ تقاضہ عقل یہ ہے کہ پچھلے تجربوں سے آیندہ زندگی کے لئے سبق حاصل کرے اور ان تمام رخنوں کو بند کرے جہاں سے یہ خود دشمنوں کی زد میں آسکے اسی لئے آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے ' لایلدغ المرمن حجر واحد' یعنی عقل مند آدمی ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا.... 9 ہجری کے قرآنی اعلان برات اور مشرکین کو مہلت اطمینان کے ساتھ حدود حرم خالی کرنے کی ہدایت اسی حکمت عملی کا بیّن ثبوت ہے")معارف القرآن جلد4 ص(310,312,313

مفتی محمد شفیعؒ صاحب کے ان اقتباسات سے واضح ہے کہ وہ سورہ توبہ کی ابتدائی آیات میں مشرکین مکہ کے لئے اسلام یا تلوار کی بجائے انہیں حرم سے بید خل کرنا اصل علت مانتے ہیں اور انہیں یہ حکم بھی اس لئے دیا کہ انہوں نے معاہدہ حدیبیہ توڑا تھا(اس کا ذکر سورہ توبہ آیت 13 میں ہے)مفتی صاحبؒ کی اس رائے سے جناب عمار صاحب کے سوال کا جواب بھی مل گیا کہ" مشرکین مکہ کو چار ماہ کی مہلت کس لئے دی گئی" ؟

بات بالکل صاف ہے انہیں اس عرصہ میں یا مکہ سے جانا تھا یا اسلام قبول کرنا تھا۔ ورنہ اگر اسلام یا تلوار کے درمیان فیصلہ ہوتا تو مہلت کی ضرورت ہی نہ تھی۔ مفتی صاحب کے اس اقتباس سے یہ بھی واضح ہے کہ وہ بھی جزیرہ عرب کی بجائے حدود حرم سے مشرکین کی بید خلی کے قائل تھے۔

ترجمان القرآن مولانا ابوالکلام آزادؒ ان آیات کی شرح میں فرماتے ہیں:

" جن جماعتوں نے بدعہدی کی ان کے ساتھ اب کوئی معاہدہ نہیں رہا تاہم ان پر اچانک حملہ نہیں کیا جاتا . . چار ماہ کی مہلت دی جاتی ہے..... اس عرصہ میں انہیں نقل و حرکت میں پورا امن حاصل ہوگا اس کے بعد حالت جنگ تصور کی جائے گی۔

یہ بات یہاں یاد رکھنی چاہئے کہ یہاں لڑائی کا جو حکم دیا گیا ہے اس کا تعلق صرف ان مشرک جماعتوں سے تھا جو کہ عرب میں دعوت اسلام کی پائمالی کے لئے لڑ رہی تھیں نہ کہ دنیا کے تمام مشرکوں کے لئے چنانچہ اول سے لیکر آخر تک خطاب خاص

جماعتوں سے ہے اور صاف لفظوں میں واضح کر دیا ہے کہ ان جماعتوں نے کس طرح عہد شکنی کی اور خود ہی جنگ کے اعادہ کا باعث ہوئے پھر ظلم وجنگ کی ابتدا کرنے والے بھی وہی ہیں۔" (ترجمان القرآن جلد2 ص75-74)

قارئین محترم یہ اقتباس بھی واضح ہے کہ ابوالکلام آزادؒ بھی ان مشرکین سے جنگ کسی مزعومہ قانون رسالت کی وجہ سے نہیں مانتے تھے اور نہ ہی مشرکین مکہ کے لئے" اسلام یا تلوار"کا آپشن مانتے تھے۔ بلکہ خود تصریح قرآن کے مطابق ان مشرکین کا جرم ظلم وعدوان اور معاہدہ توڑنا تھا۔ ہمارے مطالعے کی حد تک کسی مفسر نے ان آیات کے تحت وہ بات بیان ہی نہیں کی جو فکر اصلاحی سمجھ رہی ہے۔ شیخ القرآن محمد علی کاندھلویؒ اپنی بے نظیر تفسیر معالم القرآن میں لکھتے ہیں:

".... معاہدہ ختم ہونے کا اعلان کر کے ان کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہ چھوڑا کہ یا تو لڑنے کے لئے تیار ہو جائیں یا اس ملک سے اپنا بوریا بستر گول کریں یا پھر اسلام کے حلقے میں آجائیں۔ اوروں کا پتہ نہیں مگر میں ایسا ہی سمجھتا ہوں کہ معاہدے کی نسبت آیت میں مسلمانوں کی طرف اور مشرکین کو بطور معاہد پیش کر کے نسخ معاہدہ کی نسبت اللہ اور رسول کی طرف کی گئی ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ معاہدے کو ختم اللہ کے حکم کے مطابق کیا جا رہا ہے اور یہ اسلام کے ضابطہ اخلاق کی وسعت ہے کہ وہ چٹ منگنی اور پٹ بیاہ نہیں کرتا بلکہ اپنے مخالفوں کو غور کرنے کی مہلت دیتا ہے" (تفسیر معالم القرآن ج10 صفحہ 254)

قارئین محترم شیخ کے اس اقتباس سے بھی واضح ہے کہ مشرکین کے لئے دو نہیں بلکہ تین اختیار تھے (1) مکہ میں رہنا ہے تو اسلام لائیں۔

(2) یا اس مہلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مکہ سے چلے جائیں۔

(3) یا پھر لڑنے کے لئے تیار ہو جائیں۔

یہی بات یہ طالب علم کہہ رہا ہے کہ مشرکین کے لئے ایمان میں جبر ماننا نصوص قرآن کا انکار ہے اصل بات یہ ہے ان کے لئے مکہ سے جبری انخلاء تھا یعنی حالت شرک پر رہتے ہوئے انہیں مکہ میں رہنے کی اجازت نہ تھی۔

شیخ محمد علی کاندھلوی اپنی تفسیر کے صفحہ 261 جلد10 پر لکھتے ہیں۔

" ابتدائی آیات (سورہ توبہ) میں یہ رہنمائی ملتی ہے کہ کمزور قوموں کو بلا مہلت کسی جگہ سے نکل جانے کا حکم یا ان پر یکبار گی حملہ بزدلی اور غیر شریفانہ فعل ہے جب ایسا کرنا ہو تو پہلے اعلان عام کیا جائے اور ان کو اسکی مہلت دی جائے کہ اگر وہ ہمارے قانونی نظام کو پسند نہیں کرتے تو آزادی کے ساتھ جہاں چاہے جاسکتے ہیں۔ یہ بات قرآنی آیت فسیحوا فی الارض سے معلوم ہو رہی ہے"

اس اقتباس میں بھی شیخ یہ بات سمجھا رہے ہیں کہ سورہ توبہ کی ابتدائی آیات میں مکہ سے جانے کی مہلت دی گئی ہے۔ ہمارے محترم عمار صاحب کو کم از کم محمد علی کاندھلویؒ کے بارے میں تو حسن ظن رکھنا ہو گا کہ وہ مغرب سے متاثر نہیں اور نہ ہی مرعوبیت کی وجہ سے یہ بات کہہ رہے ہیں۔ شیخ القرآن کے بارے میں یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ وہ قانون رسالت سے واقف نہ تھے کیونکہ انہوں نے تدبر القرآن کا مطالعہ کر رکھا تھا اپنی تفسیر میں انہوں نے کئی جگہ امین احسن اصلاحیؒ کا نام لیکر ان پر نقد کیا ہے۔

مولانا کاندھلوی صفحہ 276 پر ایک شبہ اور اس کا ازالہ

کی جلی سرخی کے ذیل میں لکھتے ہیں" شائد آپ کے ذہن میں ہو کہ یہ جبر و کراہ ہے نہیں یہ جبر و کراہ نہیں اگر جبر و کراہ ہوتا تو قرآن انہیں چار ماہ کہ مہلت نہ دیتا۔ بات یہ نہیں کہ اگر مسلمان نہ ہوگے تو قتل کیے جاؤگے بلکہ اصل بات یہ ہے کہ اگر اسلامی مملکت (مکہ میں ... امتیاز) میں رہنا چاہتے ہو تو اسلام قبول کر کے ہی رہ سکتے ہو یہ اکراہ نہیں بلکہ رہنمائی ہے اگر وہ مسلمان نہیں ہونا چاہتے تو بخوشی یہاں سے جاسکتے ہیں لیکن جزیرہ عرب (مکہ .. امتیاز) میں رہنے کی شرط اسلام ہے نبوت کی پوری تاریخ میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں جہاں محض اسلام پر مجبور کرنے کے لئے آپؐ نے کسی پر چڑھائی کی ہو۔ اگر اسلام جبر واکراہ اور زبردستی کے ذریعے تبدیلی عقیدہ جائز قرار دیتا تو اسلام میں داخل ہونے والوں سے اتنا اغماض کیوں برتتا کہ امام تحقیق بھی نہ کرے کہ ان کا ایمان نمائشی تو نہیں بلکہ یہ حکم ہوتا کہ جب تک ان کے اسلام کی طرف سے مکمل اطمینان نہ ہو جائے ان سے جنگ جاری رکھی جائے"

اس اقتباس میں بھی مشرکین سے جبری اسلام کی نفی کی گئی ہے اور ان کے مکہ سے جانے کا اختیار بھی تسلیم کیا گیا ہے۔ مولانا کاندھلوی نے پوری تاریخ نبوت کا حوالہ دے کر اس بات کی نفی کی ہے کہ کسی قوم پر ایک بار بھی نبی کریم نے قبول اسلام کی وجہ سے چڑھائی کی ہو۔ ہمارے محترم عمار صاحب تو قرآن سے ثابت کر رہے ہیں کہ " قانون اتمام حجت " کے تحت اہل مکہ کے لئے اسلام یا تلوار کا اختیار تھا مگر حق یہی ہے کہ انہیں صریح مغالطہ ہوا ہے۔ قرآن یا پورے ذخیرہ حدیث میں کہیں نہیں کہ تبدیلی دین کے لئے رحمت عالم نے جبر کیا ہو بلکہ قرآن کے بیّن دلائل سے ثابت ہے کہ اختیار دین میں کسی انسان پر کوئی جبر روا نہیں رکھا گیا۔ جبر سے کسی کا نظریہ بدلا جا ہی نہیں سکتا۔ فافہم فتدبروا۔

صفحہ 277 پر مولانا محمد علی کاندھلوی لکھتے ہیں " قرآن دین کی ابتدا ایمان سے کرتا ہے اور ایمان یقین کا نام ہے اور دنیا کی کوئی طاقت کسی کے دل میں (جبراً... امتیاز) ایمان کا ایک ذرہ پیدا نہیں کر سکتی بلکہ تیز سے تیز تلوار بھی کسی طرح دل پر یقین کا کوئی حرف نقش نہیں کر سکتی۔ بیشک اسلام میں حق کی حمایت اور باطل کی شکست کے لئے جنگ ہے اور آنحضرتؐ نے یہ لڑائی لڑی بھی ہے اس سے مخالفوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہ لڑائی اس لئے تھی کہ اسلام تلوار کے ذریعہ لوگوں میں پھیلایا جائے حالانکہ قرآن میں ایک آیت بھی پیش نہیں کی جا سکتی کہ کسی کافر کو زبردستی مسلمان بنانے کا حکم ہو۔ اور نہ آنحضرتؐ کی سیرت میں ایسا کوئی واقعہ ہے جس میں کسی کافر کو زبردستی مسلمان بنایا گیا ہو"۔ اس اقتباس کو غور سے دیکھئے کہ جبراً کسی انسان کا دل بدلا جا ہی نہیں سکتا۔ اور تلوار سے کسی کے نظریات تبدیل نہیں کئے جا سکتے۔ سب سے بڑی بات جو مولانا کاندھلوی نے فرمائی وہ یہ کہ یہ قول مخالفین اسلام کا ہے کہ اسلام بذریعہ تلوار پھیلایا گیا۔ حافظ عمار صاحب نے "اپنے کچھ" اساتذہ کی تقلید میں نجانے کیسے خلاف عقل بات مان لی کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریمؐ کا ہدف ہی یہ قرار دیا تھا کہ مشرکین مکہ کو جبراً دائرہ اسلام میں لائیں... لاحول ولا قوۃ... یہاں امین احسن صاحب کا جملہ نقل کرنے کو جی چاہ رہا ہے جو انہوں نے علم منطق کے بارے میں کہا تھا کہ یہ علم (سمجھ نہیں آیا) کیونکہ اگر طالب علم ذہین ہے تو اسے اس کی ضرورت ہی نہیں اور اگر غبی ہے تو اسے سمجھ نہیں آ سکتا۔

شیخ القرآن کے اقتباس سے یہ بھی واضح ہے کہ قرآن میں ایسی کوئی ایک آیت بھی نہیں جس میں کسی کو جبراً مسلمان بنانے کا حکم ہو۔ یہ جملہ عین نصوص و تعلیمات قرآن کے مطابق ہے۔ عمار صاحب کے لئے دل سے دعا ہے کاش وہ ان آیات پر خود کو غامدی صاحب کی فکر سے آزاد ہو کر غور کر سکیں۔ یہ بات بیان کرنا ضروری ہے کہ یہ طالب علم حضرت مولانا امین احسن

اصلاحیؒ صاحب، مولانا وحید الدین خاں صاحب اور جاوید احمد غامدی صاحب کا بے حد احترام کرتا ہے اور اکتسابِ علم کے لئے ان حضرات خصوصاً مولانا وحید الدین خاں صاحب کی تحریروں سے بہت راہنمائی حاصل کی ہے ہماری تنقید اس لئے بھی ہے کہ بقول وحید الدین خاں صاحب "دین مجروح ہو رہا ہے" اور دین ہمیں ان محترم ارباب علم سے بھی بڑھ کر عزیز تر ہے۔ ان آیات کی تفسیر میں آخر میں اتنا ہی کہنا ہے کہ اگر قرآن میں غور فرمائیں تو بہت آسانی سے سمجھ آجائے گا کہ مشرکین مکہ نے جنگ کی ابتدا خود کی اور ظلم و زیادتی کی معاہدہ حدیبیہ توڑا مسلمانوں کو مسجد حرام میں داخلہ سے روکا تو پھر انہیں سزا دینے اور مکہ کی تولیت ان سے واپس لینے کے لئے مشرکین کو مہلت دی گئی کہ اگر مکہ میں رہنا چاہیں تو اسکی یہی صورت ہے۔۔۔ انہیں اسلام قبول کرنا ہو گا بصورتِ دیگر ان حرمت والے مہینوں کے دوران میں مکہ سے نکل جائیں اور اگر یہ بھی نہ کریں تو پھر جیسا کہ امام الہند نے لکھا ہے۔۔۔ حالتِ جنگ تصور کی جائے گی۔

صفحہ 129 پر سورہ توبہ کی آیت 3 کی تفسیر میں ایک حدیث پیش کی ہے کہ "رسول اللہ نے اسی حکم کی وضاحت میں فرمایا اُمرت ان اقاتل الناس حتیٰ یشھدو ان لا الہ الا اللہ و ان محمد الرسول اللہ ویقیمو الصلوٰۃ ویو تو الزکوٰۃ فاذا فعلوا ذلک عصموا دماءھم واموالھم ال بحق الاسلام وحسابھم علی اللہ (بخاری رقم 124)۔ یہ طالب علم محترم عمار صاحب کے بے حد احترام و محبت کے باوجود یہ کہنے پر مجبور ہے کہ یہ ایک صریح بہتان ہے کہ سورہ توبہ کہ آیت 3 کی تشریح میں رسول اللہ نے یہ بات فرمائی ہو۔۔۔۔ آپ گذشتہ صفحات میں محمد علی کاندھلوی سمیت دیگر مفسّرین کی آراء دیکھ آئے ہیں کہ نبی ﷺ نے کبھی کسی قوم پر کلمہ پڑھانے کے لئے چڑھائی نہیں کی۔ اس آیت میں وہ بات کہی ہی نہ گئی جو اس روایت میں ہے۔ روایت میں تو بقول آپ کے اہل مکہ سے قبول اسلام تک جنگ کا حکم بیان کیا گیا ہے مگر یہ بات آیتِ قرآن میں نہیں ہے۔ بلکہ آیت میں حرمت والے مہینوں کے مہلت کے گزرنے کے بعد اہل مکہ سے جنگ کا حکم ہے بقول ابو الکلام آزاد حرمت والے مہینوں میں مکہ سے نہ گئے تو پھر حالت جنگ تصور کی جائے گی۔ یعنی آیت میں تین میں سے ایک کا اختیار دیا گیا ہے (1) مہلت کے عرصہ میں ایمان نہ لانا چاہیں تو مکہ سے چلے جائیں (2) اگر اپنے کفر و شرک پر قائم رہنا ہے تو مکہ میں اب کوئی مشرک نہیں رہ سکتا (3) یہ دونوں باتیں قبول نہیں تو پھر حالتِ جنگ تصور کی جائے گی۔ مزید بر آں جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے یہ روایت نص قرآن کے خلاف ہے۔ سورہ یونس آیت 99 میں ہے "ولو شاء ربک لا من من فی الارض کلھم جمیعا افانت تکرہ الناس حتی یکونو امومنین o اگر تمہارا رب چاہتا تو جتنے لوگ

زمین پر ہیں سب ہی ایمان لے آتے تو کیا تم لوگوں پر زبردستی کرنا چاہتے ہو کہ وہ ایمان لے آئیں" اس آیت میں دنیا کے تمام انسانوں کے لئے جبری ایمان کی نفی کی گئی ہے۔ آیت مکی ہے تو کیا تمام دنیا کے انسانوں میں اہل مکہ شامل نہیں؟۔ جو آیات مکہ میں نازل ہو رہی ہیں ان کے اولین مخاطب تو یقیناً اہل مکہ ہی ہیں۔ اب آیت میں تو اہل مکہ سمیت تمام دنیا کے انسانوں " من فی الارض جمیعا" سے جبری ایمان کی نفی کی جا رہی ہے تو روایت کیسے مان لیں کہ کلمہ پڑھنے تک انسانوں سے جنگ کرو یہ روایت تو اصول حدیث کی روشنی میں قابل قبول نہیں۔ مقدمہ ابن الصلاح، الکفایہ فی علم الروایہ، شرح نخبتہ الفکر وغیرہ اصول حدیث کی کتابوں کیں تصریح ہے کہ خلاف قرآن روایت قبول نہیں ہوتی۔ اور یہ روایت تو خود سنتِ رسول کے بھی خلاف ہے کہ آپؐ نے کبھی کلمہ پڑھوانے کے لئے کوئی جنگ کی ہو۔

صفحہ 130 پر لکھا ہے" سیدنا ابوہریرہ سے روایت ہے نبی ﷺ نے فرمایا اللہ کو ان لوگوں پر تعجب ہے جن کو بیڑیوں میں جکڑ کر لایا جائے تا کہ جنت میں داخل ہو جائیں" یہ روایت تعلیم قرآن کے خلاف ہے سورہ بقرہ آیت 177 میں تصریح ہے کہ جنت میں صرف متقین اور صادقین ہی جائیں گے۔ اسی صفحہ پر مزید لکھتے ہیں" بنو بکر بن وائل کے نام خط میں لکھا" اما بعد اسلام لے آؤ بچ جاؤ گے" اس روایت میں بھی یہ نہیں کہ ایمان نہ لائے تو قتل کئے جاؤ گے، نبی جہنم کی آگ سے بچانے آتا ہے... یا ایھا الذین قوا انفسکم واھلیکم نارا... لہذا روایت کا معنی ہے ایمان لے آؤ تو جہنم سے بچ جاؤ گے۔ یہ تاویل قرآن کے عین مطابق ہے کیونکہ قرآن میں کفر کی سزا جہنم بتائی گئی ہے اور معلوم ہے کہ کفر ایمان کی ضد ہے لہذا ایمان لا کر انسان دوزخ کی آگ سے بچ جاتے ہیں... یہ نہیں کہ جو ایمان نہ لائے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔

قارئین محترم! تاریخ میں جو باتیں قبائل سے متعلق آئی ہیں ان کے سیاق و سباق اور پس منظر کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ جن قبائل کو وارننگ دی گئی ان میں بغاوت یا ظلم و زیادتی کا جرم لازماً پایا جاتا تھا۔ ہم چند قبائل کے نام ذکر کر رہے ہیں جو فتح مکہ سے لے کر 10 ہجری تک بغیر کسی جبر و اکراہ کے ایمان لائے... (1) بنی ازد (2) بنی اسد (3) بنی باہلہ (4) بنی بہرائ (5) بنی عامر (6) بنو عبد القیس (7) بنو احمس (8) بنو غانم (9) بنو بکر بن وائل (10) بنی غافق (11) بنو غسان (12) بنی ہمدان (13) بنو حنیفہ (14) بنی جعفی (15) بنو کلب (16) بنو کندہ (17) بنو رواس (18) بنو ثقیف (19) بنو تغلب (20) بنو نجیب (21) بنو سلامان (22) بنو حمیر (23) بنو جعد (24) بنو صدف اور (25) بنو بجلہ وغیرہ۔ کتب سیر میں اور بھی بہت سے قبائل مل جائیں

گے جنہوں نے بغیر کسی جبر و اکراہ کے اپنی خوشی سے اسلام قبول کیا۔ یہاں دوبارہ ذہن میں مستحضر رہے کہ قرآن میں کوئی آیت نہیں جس میں کسی قوم یا قبیلہ پر محض شرک کی وجہ سے یا اسلام قبول کروالینے کی وجہ سے جنگ کا حکم ہو۔ یہ محمد علی کاندھلوی صاحب کی رائے بھی ہے۔ آپؒ نے تو پورے ذخیرہ سیرت سے متعلق دعویٰ کیا ہے کہ سیرت میں بھی کوئی مثال ایسی نہیں ملتی جس سے ثابت ہوتا ہو کہ کسی قوم سے قبولِ اسلام کے لئے جنگ کی گئی ہو۔ یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ خبرِ واحد سے عقیدہ یا ایمانیات ثابت نہیں ہوتا چنانچہ ان معاملات میں تو خبر واحد بھی معتبر نہیں ہوسکتی چہ جائیکہ تاریخ سے استدلال؟۔ کہنا یہ ہے کہ جن قبائل سے بھی جنگ کی گئی یا اعلانِ جنگ کیا گیا.. ایسا صرف اور صرف اُن کی زیادتی کی وجہ سے ہوا۔ اور ظاہر ہے جب فریقین میدانِ جنگ میں آگئے یا جنگ کی تیاری کرلی تو پھر جنگ سے پہلے اسلام کی دعوت بھی دی جائے گی۔ لہذا یہ رائے قبول کی ہی نہیں جاسکتی کہ قرآن ان قبائل سے جبری ایمان کا مطالبہ کررہا تھا۔ ان ہی روایات کے ذیل میں حافظ عمار صاحب نے ایک نہایت مکروہ روایت واقدی کی مغازی سے نقل کی ہے معلوم نہیں اتنے ذہین انسان نے یہ روایت اپنی تائید میں کیوں اور کیسے نقل کی جس میں رسول اللہ کی صریح تنقیص کی گئی ہے۔ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ اس میں مشرکین کا تاثر بیان کیا گیا ہے تب بھی حافظ عمار صاحب کو تو اس روایت کی تردید کرنی چاہئے تھی نہ کہ اسی کو اپنی تائید میں پیش کرنا... فرماتے ہیں" چنانچہ اہل طائف کا ایک وفد رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا۔ اس موقع پر انہوں نے اپنے بتوں کی حفاظت، شراب، زنا اور سود کے کاروبار کو جاری رکھنے کے حوالے سے بعض شرائط منوانا چاہیں لیکن رسول اللہ نے ان کو یکسر مسترد کردیا۔ جب یہ وفد طائف واپس پہنچا تو اپنے تاثرات یوں بتائے.. انہوں نے کہا ہم ایک نہایت درشت اور تند خُو آدمی کے پاس سے آرہے ہیں جو صرف اپنی من مانی کرتا ہے.........۔ ہمارا ایمان ہے کہ یہ روایت سو فیصد جھوٹ ہے نبی کریم نہ تو تند خُو تھے نہ ہی درشت مزاج اور نہ ہی من مانی فرماتے تھے۔ قرآن تو آپؐ کے بارے میں شہادت دیتا ہے "وانک لعلیٰ خلق عظیم.. اور یقیناً آپ کا اخلاق بہت بلند ہے" مزید یہ کہ اللہ تعالیٰ نے تعلیم دی ہے کہ قولوا للناس حُسنا انسانوں سے بہترین طریقہ پر بات کرو۔ لہذا ناممکن ہے کہ وہ صفات جن کا تذکرہ مذکورہ بالا روایت میں کیا گیا، رسول اللہ میں ان کا شائبہ بھی ہو۔ خود اس روایت ہی میں ہے کہ طائف کے وفد نے اسلام قبول کرلیا تو کیسے ممکن ہے کہ وہ اپنے نبی کے بارے میں ایسے ریمارکس پاس کرے؟۔ یہ روایت واقدی کے ذہن کی پیداوار ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کو ایسی جھوٹی باتوں کا حساب دینا ہو گا۔ ہمیں بہت افسوس ہے کہ عمار صاحب کو جس روایت کی بھرپور تردید کرنی چاہئے تھے اسے ہی اپنی تائید میں نقل کیا۔ حافظ

عمار صاحب نے چند اور روایات صفحات 133 تا137 پر نقل کی ہیں۔ حافظ عمار صاحب کو ہمارا مشورہ ہے کہ اگر کتب رجال اور قرآن سے ان روایات کی تنقیح نہیں کر سکتے تو کم از کم مولانا سر فراز صفدر کی کتب ہی دیکھ لیں کہ جھوٹے راویوں کے بارے میں انہوں نے کیا لکھا ہے۔ انہی کے اسلاف میں سید نورالحسن شاہ بخاری نے صحابہ کرامؓ کے عادلانہ دفاع میں کیا کچھ لکھا ہے.........

ابنِ اسحٰق، واقدی اور کلبی کیا اس قسم کے شرفاء ہیں کہ ان کی روایات پیش کی جائیں؟ اور اس پر بھی طرفہ تماشہ تو یہ کہ ان روایات میں بھی اس بات کی صراحت نہیں جو عمار صاحب پیش کر رہے ہیں۔

ہمارا اصل مقصد تو صرف قرآن سے عمار صاحب اور ان کے شیخ کی غلطی واضح کرنا اور جن آیات کی غلط تاویل ہمارے یہ اہل علم احباب کر رہے ہیں ان کی درست تاویل پیش کرنا ہے۔ طبری، البدایہ والنھایہ اور کتاب الام پر تبصرہ کر کے یہ طالبِ علم صفحات کو کیا سیاہ کرے البتہ بخاری اور موطا کی دو روایات پر تبصرہ حاضر ہے۔ صفحہ 137 پر لکھا ہے" سیدنا ابوہریرہ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس کی تفسیر میں فرماتے ہیں" 'تم لوگوں کے لئے اس لحاظ سے بہترین قوم ہو کہ ان کی گردنوں میں طوق ڈال کر انہیں لاتے ہو یہاں تک کہ وہ اسلام میں داخل ہو جائیں'... اس روایت پر تبصرہ کرنے سے ڈر لگتا ہے کہ بخاری کے بارے میں بات کرنے سے گردن کٹنے کا خوف تو حضرت امین احسن اصلاحیؒ کے جلیل القدر استاذ امام فراہیؒ کو بھی تھا۔ پھر بھی حافظ عمار صاحب سے اتنا مطالبہ کرنا تو ہمارا جائز حق ہے کہ ان لوگوں کی نشاندہی تو فرماہی دیں جن کی گردنوں میں رسول اللہ اور اصحابِ رسول نے طوق ڈالے؟۔ جہاں تک اس کم علم کا تعلق ہے تو ہمیں تو قرآن میں اس کے برعکس یہ ملتا ہے کہ نبی کریم لوگوں کی گردنوں سے طوق اتارتے تھے۔ سورہ اعراف کی آیت 157 کی تلاوت فرمایئے"الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونہ مکتوبا عندھم فی لتوراۃ والانجیل یامرھم بالمعروف وینھھم عن المنکر ویحل لھم الطیبت ویحرم علیھم الخبٰئث ویضع عنھم اصرھم والاغلل التی کانت علیھم فالذین اٰمنوابہ وعزروہ ونصروہ واتبعواالنور الذی انزل معہ اولئک ھم المفلحونo جو لوگ ایسے نبی امی کا اتباع کرتے ہیں جن کے بارے میں وہ تورات وانجیل میں لکھا پاتے ہیں وہ ان کو نیک باتوں کا حکم دیتے ہیں بری باتوں سے منع کرتے ہیں اور پاکیزہ چیزوں کو حلال بتاتے ہیں اور گندی چیزوں کو ان پر حرام فرماتے ہیں اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے ان کو دور کرتے ہیں سو جو لوگ اس نبی پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی حمایت کرتے ہیں اور اس نور کا اتباع کرتے ہیں جو ان کے

ساتھ بھیجا گیا۔ ایسے لوگ مکمل فلاح پانے والے ہیں۔" لہٰذا قرآن نے تو رسول اللہ کو طوق اتارنے والا کہا ہے نہ کہ طوق ڈالنے والا اور جنت میں جو جائیں گے وہ متقین اور صادقین ہی ہوں گے۔ سورہ بقرہ آیت 177۔ جبراً کسی کو جنت نہیں مل سکتی۔

دوسری روایت موطا امام مالک سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" لا يجتمع بجزيرة العرب دينان" اس روایت کا محلِ نظر ہونا صرف اس بات سے ہی ثابت ہے کہ خود رسول اکرمؐ نے اس روایت پر عمل نہیں فرمایا۔ آپؐ کی حیاتِ مبارکہ میں بھی عرب میں تمام ادیان موجود رہے جو آپؐ کی وفات کے وقت بھی تھے۔ مزید یہ کہ یہ حکم نبی ﷺ نے کس آیت سے اخذ کیا؟ قرآن میں تو ایسا کوئی حکم موجود نہیں۔ البتہ مکہ سے جانے کے لئے مشرکین کو چار ماہ کی مہلت دی گئی اور اس سال کے بعد کسی مشرک کو مسجدِ حرام کے قریب بھی آنے سے منع کیا۔ قرآن مجید سے بس مکہ سے نکالا جانا ہی ثابت ہے۔

صفحہ 139 پر محترم عمار صاحب نے پیر گراف اس جملہ پر اختتام کیا" ضحاک فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا گیا کہ جزیرہ عرب کے بت پرستوں کے خلاف جہاد کریں۔ چنانچہ آپؐ نے ان سے لا الہ الا اللہ کا اقرار کرنے یا تلوار کا سامنا کرنے کے علاوہ کوئی راستہ قبول نہ فرمایا(تفسیرِ طبری 16 / 3) تفسیری روایات کے بارے میں امام احمد بن حنبل کا مشہور جملہ ہے کہ تین قسم کی کتب کی کوئی اصل نہیں ان میں سے ایک تفسیری روایات بھی ہیں۔ یہ تاریخی روایت بھی قرآن کے خلاف تو ہے ہی، خود تاریخ کے بھی خلاف ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے کبھی کسی کو کلمہ پڑھوانے کے لئے جنگ کی ہی نہیں۔

ہمیں تو پورے قرآن میں کہیں یہ حکم نہیں ملا کہ عرب کے بت پرستوں کے خلاف اسلام لانے تک جنگ کریں اگر عمار صاحب کہیں کہ یہ حکم وحی غیر متلو میں تھا تو انہیں پھر قرآن کی ان آیتوں کی صحیح تاویل ہمیں سمجھانا ہو گی جن میں ضروریاتِ دین کا قرآن میں ہونا بتایا گیا ہے۔ مثلاً سورہ الانعام 38، 114، سورہ یونس 37، سورہ ھُود 1، سورہ یوسف 111، اور سورہ النحل 89 وغیرہ۔ قرآنِ کریم پر ایک مومن کا ایمان اسے اس قسم کی تفسیری روایات ماننے سے روکتا ہے۔

اہل کتاب کے بارے میں صفحہ 139 پر رقمطراز ہیں کہ " ان کے لئے بھی ایمان لانا لازم تھا" قارئین!۔.. محترم عمار صاحب کا یہ فرمانا انکی تضاد فکری پر دلالت کرتا ہے یا نہیں؟ پہلے انہوں نے جہاد کو قتال بتایا۔ پھر اس قتال کو اہل مکہ کے لئے قانون رسالت کے تحت بیان فرمایا اب یہ قانون، مکہ سے نکل کر، اہل کتاب پر لاگو کرنے کے درپے ہیں۔ محترم عمار خان ناصر صاحب

فرماتے ہیں۔۔۔۔"قرآن نے اعلان کیا کہ آپ ﷺ کو پوری دنیائے انسانیت کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہے اور دنیا کے تمام گروہ آپ کی دعوت کے مخاطب اور مکلّف ہیں چنانچہ قرآن نے غیر مبہم الفاظ میں واضح کیا ہے کہ اللہ کے ہاں جو دین قبول کیا جائے گا وہ اسلام ہے۔ ارشاد ہوا ہے"ان الدین عنداللہ الاسلام وما اختلف الذین اوتو الکتٰب الا من بعد ما جاء ھم العلم بغیابینھم ومن یکفر بٰا یٰت اللہ سریع الحسابo فا ن حا جوک فقل اسلمت وجھی للہ ومن اتبعن وقل للذین اوتوالکتٰب والامین ء اسلمتم فان اسلمو فقد ھتدوا وان تولوا فانما علیک البلٰغ واللہ بصیر بالعبادo (آل عمران 20-19) اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے اور تم اہل کتاب اور امّیوں سے کہہ دو کہ کیا تم اسلام لاتے ہو؟ پھر اگر وہ اسلام لے آئیں تو ہدایت پالیں گے اور اگر منہ موڑ لیں تو تمہارے ذمہ صرف بات کو پہنچا دینا ہے" محترم قارئین! یہ آیت حافظ عمار صاحب کی فکری تغلیط کر رہی ہے جبکہ آں محترم اسے اپنی تائید میں پیش کر رہے ہیں۔ اتنی بات تو صحیح ہے کہ رسول اللہ تمام دنیا کے انسانوں کے لئے رسول تھے اور تمام دنیا کے انسانوں پر جہاں تک رسول اللہ کی دعوت پہنچے ایمان لانا لازم ہے مگر یہ تو اس آیت سے ثابت نہیں ہو رہا کہ جو اہل کتاب اور اُمّی آپؐ پر ایمان نہ لائے گا واجب القتل ہو گا۔ بلکہ برعکس طور پر رسول اللہ کا ہدف اس آیت میں بھی فانما علیک البلاغ بتایا گیا ہے۔

جناب نے دوسری آیت سورہ اعراف سے پیش کی ہے" قل یٰایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیع الذی لہ ملک السمٰوٰت والارض لا الہ الا ھو یحی ویمیت فامنوا باللہ ورسولہ النبی الامی الذی یومن باللہ وکلمتہ واتبعوہ لعلکم تھتدونo (الاعراف 158) کہہ دو اے لوگو میں تم سب کی طرف اللہ کا پیغمبر ہوں۔ وہ کہ آسمانوں اور زمینوں کی بادشاہی اسی کی ہے۔ اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ وہ زندگی اور موت دیتا ہے اس لئے اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ یعنی یہ نبی اُمّی جو اللہ اور اس کے کلمات پر ایمان رکھتا ہے اور اس کی پیروی کرو تا کہ تم ہدایت پا جاؤ" 7/157-158۔ اس آیت میں بھی جہاد یا قتال یا قانون رسالت کا کوئی ذکر نہیں اس طرح قرآن سے محترم عمار صاحب کا استدلال بھی اسی بات کی غمّازی کر رہا ہے کہ یہ تمام آیات انکی فکر سے نہ صرف غیر متعلق ہیں بلکہ ایک تردیدی بیان کی حیثیت رکھتی ہیں۔ مذکورہ بالا آیت میں بھی تمام دنیا کے انسانوں کو ایمان کی دعوت تو دی گئی ہے مگر انہیں کسی قسم کے دنیوی عذاب کی کوئی وعید نہیں سنائی گئی۔

اسی صفحہ 140 پر رقمطراز ہیں "قرآن نے اہلِ کتاب کو مخاطب کر کے صریح لفظوں میں کہا ہے کہ اگر وہ آپؐ پر ایمان نہیں لائیں گے تو خدا کے عذاب کے مستحق ٹھہریں گے یا یھا الذین اوتو الکتٰب امنو بما نزلنا مصد قاً لما معکم من قبل ان نطمس وجو ھا فنر دھا علی ادبار ھا او نلعنھم کما لعنا اصحٰب السبت وکان امر اللہ مفعولاo اے لوگو جنہیں کتاب دی گئی اس (قرآن) پر ایمان لے آؤ جو ہم نے اس چیز کی تصدیق کے طور پر نازل کیا ہے جو تمہارے پاس موجود ہے اس سے پہلے کہ ہم چہروں کو مسخ کر دیں اور ان کا رخ ان کی پیٹھ کی طرف پھیر دیں یا ان پر اسی طرح لعنت کریں جیسے ہم نے ہفتے کے دن (خدا کی حدود پائمال کرنے) والوں پر لعنت اور اللہ کا فیصلہ نافذ ہو کر رہتا ہے۔"(انساء 47) حافظ عمار صاحب نے یہ آیت بھی بلا سوچے سمجھے نقل کی ہے اس میں سرے سے رسول یا نبی پر ایمان کی دعوت دی ہی نہیں گئی بلکہ قرآن پر ایمان کی دعوت دی گئی ہے۔ لہذا اس آیت پر مزید تبصرہ لا حاصل ہے البتہ اتنا ضرور کہنا ہے کہ جس عذاب کی وعید اہل کتاب کو سنائی گئی اس میں مسخ حقیقی نہیں مجازی مراد ہے جیسے کہ جو سزا اصحابِ سبت پر وارد ہوئی وہ بندر بن جانا نہ تھا بلکہ بندروں کی طرح ذلیل ہو کر در بدر پھرنا تھا کیونکہ اس سزا کو یہاں لفظ لعنت سے تعبیر کیا گیا ہے دوسرے یہ بھی ضروری تھا کہ یہی سزا رسول اللہ کے دشمنوں پر بھی وارد ہو اور معلوم ہے کہ رسول اللہ کے اعداء بندر نہیں بنے تھے بلکہ تتر بتر ہوئے تھے۔

آلِ عمران 193، اعراف 158-157 اور نساء 47 نقل کر کے محترم عمار صاحب نے لکھا ہے " تاہم نبی ﷺ مدینہ تشریف لائے تو یہود نے نہ صرف آپؐ پر ایمان لانا گوارا نہ کیا بلکہ آپؐ کی پھیلتی ہوئی دعوت کے مستقبل کو بھانپتے ہوئے اس کی مخالفت کے لئے پر تولنا شروع کر دیئے اور جزیرہ عرب پر دین اسلام کی بالا دستی کو روکنے کے لئے اسلام کے دشمنوں کے ساتھ ساز باز سمیت ہر حربہ استعمال کیا...... تاہم (اللہ نے) اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی واضح کر دیا اسلام اور اہل اسلام کو زک پہنچانے کے لئے یہود کی تمام سازشیں بیکار رہیں گی.... الشریعتہ صفحہ 140۔

یہاں اتنا ضرور کہوں گا کہ بنو قریظہ کے تمام مرد قتل نہ کئے گئے تھے اور بنو قریظہ رسول اللہ کے حکم سے قتل نہیں کئے گئے تھے اور نہ ہی سب کے سب مارے گئے تھے۔ یہ بات اسی آیت سے ثابت ہوتی ہے۔"وانزل الذین ظاھر وھم من اھل الکتٰب من صیا صیھم و قذف فی قلوبھم الرعب فریقاً تقتلون وتاسرون فریقاًo (الاحزاب 26) اور اہل کتاب (یہودیوں) میں سے جن

لوگوں نے مشرکوں کو مدد دی تھی اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے قلعوں سے اتارا اور ان کے دلوں میں تمہارا رعب بٹھا دیا بعض کو تم قتل کرتے تھے بعض کو قید"۔

قتل اور قید کرنے کا فعل انہی لوگوں کی طرف منسوب کیا گیا ہے جو اس آیت کے مخاطب ہیں کہ یہ ان کا ذاتی فعل تھا(بحوالہ Critical Exposition of the Popular Jihad مولوی چراغ علی مرحوم بیضاوی جلد دوئم و تفسیر مجمع البیان جلد دوئم صفحہ 245)اگرچہ یہ ایک ضمنی بات ہے مگر چونکہ اس سے اس بات کی تردید ہوتی ہے کہ تمام بالغ مرد قتل کر دیئے گئے تھے اور رسول اللہ کے دامن سے یہ الزام رفع ہوتا ہے کہ آپ نے تمام لوگوں کو قتل کرا دیا تھا۔کتب روایات میں سعد بن معاذ کا فیصلہ کرنا مذکور ہے مگر قرآنی آیت جب خود یہود کو قتل اور قید کا ذمہ دار قرار دے رہی ہے تو اسی بات کو فوقیت ہونی چاہئے۔

صفحہ 141 پر لکھتے ہیں" البتہ سورہ توبہ میں جب مشرکین سے اعلان برات کے بعد ان کے قتل عام کا حکم دیا گیا تو اہل کتاب کے بارے میں بھی یہ ہدایت کی گئی کہ چونکہ وہ نبی کریم ﷺ کے دعویٰ نبوت کی حقانیت واضح ہونے کے باوجود آپؐ پر ایمان نہیں لائے اس لئے ان کے خلاف قتل عام کر کے انہیں محکوم بنا لیا جائے اور ذلت اور رسوائی کی ایک علامت کے طور پر ان پر جزیہ عائد کر دیا جائے۔ حافظ عمار صاحب نے اس اقتباس میں اسلام کی نہایت غلط ترجمانی کی ہے۔ پورے قرآن میں کہیں مشرکین کے "قتلِ عام" کا اعلان نہیں البتہ انہیں قتل کرنے کا حکم ہے وہ بھی اس لئے نہیں کہ " نبوت" کی حقانیت واضح ہونے کے باوجود آپؐ پر ایمان نہیں لائے بلکہ مشرکین مکہ کو چار ماہ کی مہلت دے کر مکہ سے نکل جانے کا کہا گیا اور مکہ میں رہنے کی صرف ایک صورت تھی کہ وہ اسلام لے آتے بصورتِ دیگر بقول امام الہند ابو الکلام آزاد" حالت جنگ تصور کی جائیگی اور جنگ ہو گی"۔ یہ" قتل عام" کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ عمار صاحب رسول اللہ کو دنیا کے دلدادہ فاتحین کی طرح سمجھ رہے ہیں....العیاذ باللہ۔

اہلِ کتاب کے بارے میں بھی عمار صاحب کی رائے نہایت غلط اور قرآن پر عدم تدبر کی دلیل ہے۔ انہیں چاہئے تھا کہ کم از کم اس خاص نمبر میں مولانا یحییٰ نعمانی کا مضمون ہی دیکھ لیتے۔ قرآن دنیا کے کسی انسان کو ذلیل کرنا یا دیکھنا نہیں چاہتا البتہ جو اسلام کے خلاف علم بغاوت بلند کریں مسلمانوں پر ظلم و زیادتی کریں تو پھر ان سے جنگ کرنے کا حکم دیتا ہے۔ وہ چاہے مکہ کے مشرک ہوں یا اہلِ کتاب.... مزید تبصرہ سے پیشتر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قرآن حکیم کی تعلیم بیان کر دی جائے کہ جو قوم امن سے

رہے قرآن ان سے حسنِ سلوک کا حکم دیتا ہے معلوم ہوا قرآن قتل خاص کا حکم تو دیتا ہے قتل عام کا نہیں۔لا ینھٰکم اللہ عن الذین لم یقا تلوکم فی الدین ولم یخر جوکم من دیارکم ان تبروھم وتقسطوا الیھم ان اللہ یحب المقسطین o انما ینھٰکم اللہ عن الذین یقا تلوکم فی الدّین واخرجوکم من دیارکم وظاھروا علیٰ اخراجکم ان تولّوھم ومن یتولھم فاولٰئک ھم الظلمون o (الممتحنہ 9-8) جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں جنگ نہیں کی اور نہ تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ان کے ساتھ بھلائی اور انصاف کے سلوک سے اللہ تمہیں منع نہیں کرتا اللہ تو انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اللہ ان ہی لوگوں کے ساتھ تم کو دوستی کرنے سے منع کرتا ہے جنہوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی کی اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے نکالنے میں اوروں کی مدد کی توجو لوگ ایسوں سے دوستی کریں گے وہی ظالم ہیں۔.....۔

یہ ہیں قرآن کی تعلیمات غیر مسلم اقوام کے بارے میں نہ کہ محترم عمار صاحب کی ایجاد بندہ... ہمیں تلخ لہجہ پر بے حد افسوس ہے مگر اسلام کی اتنی غلط ترجمانی کی وجہ سے اس سے کم پر دل مطمئن بھی نہیں ہو رہا۔

اسلام کی وسعت اخلاق سے متعلق ایک اور مقام قرآن سے پیش کیا جاتا ہے پھر قارئین غور کریں کہ کہاں اسلام جو قرآن میں بیان ہوا اور کہاں وہ اسلام جو ہمارے علماء کرام بیان کرتے ہیں۔"ولا یجر منکم شنان قوم ان صدوکم عن المسجد الحرام ان تعتدوا وتعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونو علی الاثم والعدوان واتقوا اللہ ان اللہ شدید العقاب o (مائدہ 2) اور اس قوم کی دشمنی جس نے تمہیں مسجد الحرام سے روکا تھا اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم ان پر زیادتی کرنے لگو اور (دیکھو) نیکی اور پرہیز گاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں مدد نہ کیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ کچھ شک نہیں کہ اللہ کا عذاب سخت ہے۔"

سورہ ممتحنہ اور مائدہ کے ان مقامات کو پڑھ لیجئے۔مائدہ کی اس آیت میں تو ان مشرکین سے بھی بِر اور تقویٰ کے کاموں میں تعا ون کا حکم دیا گیا ہے جن کا "قتل عام" ہمارے محترم حافظ عمار صاحب کروا رہے ہیں۔کاش قرآن کی ان تعلیمات کو مانا جاتا۔ مگر ان تعلیماتِ قرآن کو آج مسلمان بھلا بیٹھے۔ اہل کتاب سے متعلق قرآن میں چند آیات اور بھی ہیں مگر تفہیم کے لئے ایک دو مقامات بھی کفایت کرتے ہیں۔

صفحہ 141 پر لکھتے ہیں قرآن نے واضح کیا ہے کہ اس مقصد کے تحت اہل کتاب کے خلاف قتال پیغمبر ﷺ کے مقصد بعثت یعنی اظہارِ دین ہی کا ایک لازمی حصہ ہے ارشاد ہوا" قاتلوا الذین لا یومنون باللہ ولا بالیوم الاخر ولا یحرمون ما حرم اللہ ورسولہ ولا یدینون دین الحق من الذین اوتوا الکتٰب حتی یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صٰغرون o............ یریدون ان یطفوا نور اللہ بافواھھم و یابی اللہ الا ان یتم نورہ ولو کرہ الکفرون o ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون o (التوبہ 29-33) ان اہل کتاب سے جنگ کرو جو نہ اللہ پر اور نہ یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں نہ اللہ اور اس کے رسول کی حرام چیزوں کو حرام جانتے ہیں اور نہ دین حق کی پیروی قبول کرتے ہیں (ان کے ساتھ جنگ کرو) یہاں تک کہ یہ تمہارے مطیع بن کر ذلت اور پستی کی حالت میں جزیہ دینے پر آمادہ ہو جائیں.... یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور اپنے مونہوں سے بجھا دیں لیکن اللہ کا فیصلہ ہے وہ اپنے نور کو پورا کر کے رہے گا چاہے کافروں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تا کہ اسے سارے دینوں پر غالب کر دے چاہے مشرکوں کو یہ بات کتنی ہی ناپسند ہو"

محترم عمار صاحب نے ان آیات کو "مقصدِ بعثت یعنی اظہارِ دین" ہی کے لازمی حصہ کے طور پر پیش کیا ہے مگر ان آیات میں مقصدِ بعثتِ نبوی کا تو کہیں ذکر ہی نہیں بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے۔ اظہارِ دین نبی ﷺ کے کرنے کا کام نہیں بلکہ یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے کرنے کا کام تھا اور اس نے یہ غلبہ نزول قرآن کی صورت میں دنیا کے تمام ادیان پر کر دیا۔ یہ ہرگز مقصد بعثت نبوی یا رسول اللہ کے کرنے کا کام نہ تھا۔ مقصد بعثتِ نبوی کے ضمن میں قرآن کے بہت سے مقامات اسی مضمون میں پیش کیے جا چکے ہیں چند مقامات دوبارہ پیش ہیں جن سے روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ رسول اللہ کی ذمہ داری ابلاغِ قرآن اور تعلیمِ کتابِ حکمت ہی تھی۔ محترم عمار صاحب کو شدید مغالطہ ہوا کہ رسول اللہ کی ذمہ داری غلبہ دین تھی۔ حوالہ جات ملاحظہ ہوں سورہ مائدہ 90-67، سورہ آلِ عمران آیت 20، سورہ ھود آیت 57، سورہ نور آیت 54، سورہ نحل آیت 86-35، سور کہف آیت 56، سورہ انبیاء آیت 45، سورہ یٰس آیت 17-16، سورہ ابراہیم آیت 52، سورہ رعد آیت 40 اور سورہ شوریٰ آیت 48 ان تمام آیات سے مقصدِ بعثتِ نبوی وہی ثابت ہو رہا ہے جو اس خاکسار نے بیان کیا ہے۔ آیت 29 میں انہی اہل کتاب سے لڑنے کا حکم دیا جا رہا ہے جو اللہ کے نور یعنی اس دین کو جو قرآن میں ہے اور رسول اللہ پر نازل ہوا بجھانا چاہتے تھے۔ چنانچہ

ان اہل کتاب کا جرم بھی خود اللہ تعالیٰ نے بیان کر دیا اور سزا بھی..... انہیں اسی جُرم کی سزا ملی لہذا غلبہ دین سے مسلمانوں کا کوئی تعلق نہیں وہ غالب ہوں یا مغلوب، غالب تو دین ہی رہے گا۔

انہی آیات کے ذیل میں فرماتے ہیں" زیرِ بحث نقطہ نظر کے حامل اہل علم اس کو فتنہ و فساد ہی کے تناظر میں دیکھتے ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ یہاں کے جملے قتال کے باعث اور سبب کو بیان کرنے کے لئے نہیں بلکہ محض اس گروہ کے توضیحی اوصاف کے طور پر آئے ہیں۔ شیخ محمود شلتوت لکھتے ہیں" یہ آیت مسلمانوں کو حکم دیتی ہے کہ وہ اس گروہ کے ساتھ قتال جاری رکھیں جن کی صفات یومنون باللہ......... کے الفاظ میں بیان ہوئی ہیں۔ یہ گروہ اس سے پہلے مسلمانوں کے ساتھ نقض عہد، دعوتِ اسلام پر حملہ آور ہونے اور اس کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کرنے جیسے جرائم کا مرتکب ہو چکا تھا جو اس کے ساتھ جنگ کرنے کا سبب بنے۔ یہ آیت ایمان نہ لانے اور آیت میں مذکور دوسری صفات کو جنگ کا سبب قرار نہیں دیتی بلکہ اس گروہ میں پائی جانے والی ان صفات کا بیان دو اغراض سے ہوا ایک اس کی اعتقادی و اخلاقی صورت حال کی منظر کشی کے لئے دوسرے مسلمانوں کو ان کے خلاف جنگ پر ابھارنے کے لئے........ اگر مقصد یہ ہوتا کہ ان کے ساتھ ان کے کفر کہ وجہ سے قتال کیا جائے اور یہ کہ کفر ہی قتال کی اصل وجہ ہے تو پھر جزیہ لے کر انہیں اپنے دین پر قائم رہنے کی اجازت دینے کی بجائے اس وقت تک لڑنے کا حکم دیا جاتا جب تک کہ وہ اسلام قبول نہ کر لیں" (القرآن والقتال صفحہ 74-75) یہ اقتباس نقل کر کے اس پر تنقید اس طرح فرماتے ہیں"۔

تاہم آیت کے الفاظ اس مفہوم میں صریح ہیں کہ قتال اور جزیہ کی اصل علت ایمان نہ لانا اور دین حق کو قبول نہ کرنا ہے۔ عربیت کی رُو سے ان کا کوئی اور مفہوم لینے کی کوئی گنجائش نہیں" ۔ اس طالب علم کی عرض ہے کہ ہو سکتا ہے کہ آنجناب کی عربیت کی رُو سے یہی مفہوم نکلتا ہو کیونکہ جیسا کہ یہ طالب علم دکھا چکا ہے کہ سلطان نصیر اسے آپ نے اقتدار مراد لیا۔ اظہار دین سے مسلمانوں کا غلبہ مراد لیا اور فتنہ سے مراد شرک لیا ہے تو کچھ بعید نہیں... جو چاہے سو آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے۔ اس قسم کے تمام مقامات پر یہ طالب علم قرآن کی روشنی میں آنجناب کی مسلسل غلطی واضح کرتا آیا ہے اور سورہ توبہ کی ابتدائی آیت کے بارے میں بھی یقیناً محترم عمار صاحب کو ان کی عربیت نے دھوکہ دیا اور ان کے جلیل القدر استاذ محترم جاوید احمد غامدی صاحب نے بھی دھوکہ کھایا۔ اس آیت (توبہ 29) پر آگے محترم یحییٰ نعمانی کا شاندار تجزیہ آگے آرہا ہے جس سے

معلوم ہو گا کہ یہ ”الذین“ کون لوگ ہیں سر دست اتنا کہنا ہے کہ شیخ محمود شلتوت کی بات سو فیصد قرآن کی تعلیم کے مطابق ہے یعنی اگر قتال کی علت کفر ہے تو پھر انہیں یا اسلام قبول کرنا ہو تا یا پھر انہیں قتل کر کیا جاتا۔ حافظ عمار صاحب نے محمود شلتوت کے اس جملہ پر کوئی تبصرہ ہی نہیں کیا جو انہوں نے آخر میں لکھا ہے۔

آیت 33 پر تو لکھا جا چکا ہے کہ اس میں مسلمانوں کے غلبہ کی نہ تو بات کی گئی اور نہ ہی رسول اللہ کا کوئی ہدف بیان کیا گیا ہے۔ اس جگہ یحیٰی نعمانی صاحب کے مضمون سے اس آیت پر ان کا تبصرہ پیش کیا جا رہا ہے لطف تو یہ کہ یہ مضمون خود عمار صاحب نے اسی خاص شمارہ میں چھاپہ ہے۔ مولانا نعمانی لکھتے ہیں۔

” جزیہ“ ” مسلمان جب رومیوں سے جنگ کر رہے تھے تو جیسا کہ گذر چکا قرآن کی وہ آیت نازل ہوئی کہ اب ان سے اس وقت تک جنگ جاری رکھنا جب تک وہ جزیہ دینا قبول نہ کر لیں“ اس کے بعد توبہ کی آیت 29 نقل کی ہے (صفحہ 54)۔(معلوم ہوا اس آیت میں محارب اہل کتاب ہی سے قتال کا حکم دیا گیا ہے جیسا کہ آگے آیت 32 میں صراحت ہے ’امتیاز‘) یحییٰ نعمانی صاحب نے صفحہ 55 پر ”کیا جزیہ اسلام قبول نہ کرنے کی سزا ہے؟“ کی سرخی قائم کر کے ایک پورا صفحہ یہ ثابت کرنے کے لئے لکھا ہے کہ جزیہ بین الاقوامی سطح پر معروف محاصل کا نام تھا۔

مولانا نعمانی نے صفحہ 56 پر جزیہ سے متعلق جو پیرا گراف نقل کیا ہے وہ روحِ اسلام کی حقیقی ترجمانی ہے۔ لکھتے ہیں ”جزیہ اپنی بنیادی حیثیت میں صرف ایک سادہ سا محصول (ٹیکس) ہے جیسے محصولات ہر حکومت اپنی ملکی ضروریات اور سماجی خدمات کی انجام دہی کے لئے لیا کرتی ہے ان کے ذریعے ہی ملک کی دفاعی ضروریات کو پورا کیا جاتا ہے۔ حکومتی عملے کی تنخواہیں، رفاح عامہ، سڑکوں اور پلوں کی تعمیر سینچائی کے انتظامات اور سارے ملکی انتظامات کام ان ہی ٹیکسوں کے ذریعے کیا جاتا ہے .... مسلمانوں پر زکوٰۃ کی شکل میں جو عبادت فرض ہے اس کا عبادتی پہلو تو یہ ہے کہ بندہ گویا خدائے قدوس کی خدمت میں عقیدت و وفا کی نظر گذارتا ہے دوسری حیثیت یہ ہے کہ وہ جہاد فی سبیل اللہ اور رفاحِ عامہ اور غریبوں کی خدمت کا ذریعہ ہے۔ اس کی اس عبادتی حیثیت کی وجہ سے غیر مسلموں پر جزیہ نام کا ایسا ٹیکس نافذ کیا گیا۔ جو عبادتی اور دینی رنگ سے خالی ہے تا کہ غیر مسلموں کو کسی دینی قسم کی چیز کا پابند نہ بنایا جائے۔ بہر حال ہمارے نزدیک جزیہ بنیادی طور پر دفاع اور جنگی خدمات کا بدل نہیں بلکہ صرف ایک ٹیکس ہے۔ اسلام کے ابتدائی زمانوں میں مسلمانوں پر زکوٰۃ ہوتی تھی اور غیر مسلموں پر جزیہ“۔

صفحہ 57 پر "غیر مسلموں کی اہانت نہیں کی جائے گی" کی سرخی کے تحت لکھتے ہیں " اور ایک غلط فہمی یہ پائی جاتی ہے کہ قرآن نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ سلامی ریاست کے غیر مسلم شہریوں کو ذلیل کر کے اور دبا کے رکھا جائے (یہی غلط فہمی جناب عمار ناصر صاحب کو ہوئی۔ امتیاز) اور اس سلسلے میں جس آیت کو پیش کیا جاتا ہے وہ مندرجہ ذیل ہے:

"قاتلوا الذین لا یو منو ن باللہ ولا بالیوم الاٰخرولا یحرمون ما حرم اللہ و رسولہ ولا یدینون دین الحق من الذین اوتوا الکتب حتی یعطوا الجزیۃ عن یدوھم صغرونo (سورہ توبہ آیت 29)

"اہل کتاب جو نہ خدا پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ قیامت کے دن پر اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جن کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے اور نہ سچے دین کو قبول کرتے ہیں ان سے یہاں تک لڑو کہ وہ ماتحت ہو کر اور رعیت بن کر جزیہ دینا منظور کریں" (ترجمہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ)۔

اس آیت میں جنگ کی انتہائی شرط بتائی گئی ہے کہ " وھم صغرون" کی حیثیت قبول کریں صغرونعربی مادہ (ROOJ)"ص ض ر" سے اخذ کیا گیا ہے۔ یہ امر واقعہ ہے کہ اس مادہ کے بعض الفاظ میں ذلت کے معنی آتے ہیں اور اسی بنیاد پر بعض لوگوں کو غلط فہمی پیدا ہو گئی کہ اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کو کمتر اور حقیر بنا کر رکھا جائے گا۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اس لفظ میں تابع ہو جانے اور بڑائی اور تکبّر چھوڑ دینے کے معنی بھی آتے ہیں۔ مشہور امام لغت ابن منظور نے لکھا ہے کہ صغار عظمت کی ضد ہے (لسّان العرب.. مادہ ص ض ر) محقق علماء نے یہاں اسی کو مراد لیا ہے۔

امام شافعی نے لکھا ہے "ذمیوں سے جزیہ خوبصورتی اور نرمی سے لیا جائے.... ان سے کوئی بُری بات نہ کہی جائے قرآن میں جس "صغار" کا ذکر ہے اس کا مطلب بس یہ ہے کہ ان کے اوپر ریاست کے قوانین کا اطلاق ہو نہ کہ ان کو ستایا جائے (الام 220/4 طبع دارالفکر)... کچھ خراسانیوں نے اہل ذمہ کو ذلیل کرنے کی بات کہی تو امام نووی اور دیگر فقہانے اس کو باطل اور بے اصل بات کہا۔ مغنی المحتاج میں ہے: "یہ طریقہ باطل ہے اور اس کو مستحب یا ضروری کہنا اس سے زیادہ غلط ہے" (مغنی المحتاج شرح المنہاج، فصل فی الامان)۔

ابن القیم کہتے ہیں: ”آیت کی صحیح تفسیر یہ کہ وہ مسلم حکومت کی قانونی برتری تسلیم کرلیں اور جزیہ ادا کریں، بس اس کو قبول کر لیناہی ”صغار“ ہے۔ مگر یہاں سوال اٹھتا ہے کہ اس سب کے باوجود یہ کہنا مشکل ہے کہ ”صغرون“ کا لفظ تحقیر وذلت کے مفہوم سے بالکل خالی ہے اور اس کے معنی صرف مسلمانوں کی حکومت کو قبول کرلینا ہے۔ بلکہ عربی زبان کے اہل ذوق تصدیق کریں گے کہ ” صغار“میں ذلت کا مفہوم ضرور ہے۔

اس کے باوجود صحیح بات یہ ہے کہ اسلامی ریاست کے غیر مسلم وفادار شہریوں کو ذلیل کرنا شریعت کا حکم نہیں ہے بلکہ اس کے خلاف ہے۔ یہاں اصل بات جس کی طرف توجہ دلانی ضروری ہے وہ یہ کہ جب ہم آیت کے تاریخی پس منظر، شانِ نزول اور سیاقِ قرآنی کو ذہن میں رکھتے ہوئے اس آیت پر غور کی نگاہ ڈالتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ اس میں اسلامی ریاست کے اطاعت گذار اور وفادار غیر مسلم شہریوں کی تذلیل کا حکم نہیں ہے بلکہ آیت اس وقت نازل ہو رہی ہے جب دشمن جنگ کر رہا ہے اور اس نے اطاعت ابھی قبول ہی نہیں کی (شیخ شلتوت یہی کہہ رہے ہیں۔ یعنی جس کی تائید پورا قرآن کر رہا ہے اسی کی تردید محترم عمار فرما رہے ہیں۔ امتیاز)۔ اس سیاق اور جاری جنگ کے ماحول میں حکم دیا گیا ہے کہ ”ان رومیوں سے جنگ کرو اور اس وقت تک جنگ کرتے رہو جب تک یہ جھک کر اور ذلیل ہو کر تمہاری اطاعت و باجگزاری قبول نہ کرلیں“ یعنی یہ محارب دشمن کے بارے میں کہا جارہا ہے کہ اس کو ”صغار“ ذلت پر اتارو۔۔۔ نہ کہ ریاست کہ عام امن پسند غیر مسلم شہریوں کے بارے میں۔۔۔۔ لہذا اگر اس بنیادی نکتہ کو ذہن میں رکھیں تو واضح ہو جائے گا کہ اس آیت میں محاربین کی تذلیل و تحقیر کا پہلو تو ضرور ہے۔۔۔ اور ہر قوم اپنے دشمنوں خصوصاً جنگجو دشمنوں کے خلاف اپنی افواج اور عوام کے جذبات (Moral) کو اسی طرح ابھارتی ہے۔

اس تفسیر کی خالص علمی وفنی تعبیریوں کی جائے گی کہ ’حتی‘ حکم قتال کی غایت بیان کرنے کے لئے ہے اور قتال کی انتہا صغار کے ساتھ جزیہ قبول کرلینا ہے نہ کہ جزیہ دینا۔ یہی وجہ ہے کہ بالاتفاق جیسے ہی محارب قوم جزیہ دینے پر راضی ہو گی قتال رک جائے گا وہ عملاً جزیہ دینے تک نہیں چلے گا۔ ہمارے مفسّرین نے یہاں اس کی صراحت کی ہے کہ قتال کی انتہاء کے طور پر جو ’جزیہ دینا ‘کہا گیا ہے اس سے مراد ” جزیہ دینے پر راضی ہو جانا“ ہے (تفسیر ابوالسعود وروح المعانی میں ہے حتی یعطوا ای یقبلوا ان لعطوا (سورہ توبہ آیت 29) لہٰذا یہ ”وھم صاغرون“ جزیہ پر راضی ہونے کے وقت کا حال ہے نہ کہ جزیہ دینے کے وقت کا اب آیت

کا مفہوم یہ ہوا کہ محارب اور جنگ کرنے والی حکومت سے اس وقت تک جنگ کرو جب تک وہ جھک کر ذلیل ہو کر شکست تسلیم نہ کر لے۔ اس سے واضح ہوا کہ یہ آیت غیر مسلم شہریوں اور اہل ذمہ کے لئے مستقل "صغار" کا حکم بیان نہیں کر رہی ہے۔ ان شاء اللہ اہل علم کے لئے اب کوئی اشکال باقی نہ رہے گا۔

رسول اللہ ﷺ کا اسوہ

ابن القیم نے اس آیت کی تشریح میں پہلے توان لوگوں کے بعض اقوال نقل کیے ہیں جو ذمیوں کی تحقیر کو اس حکم کا تقاضہ سمجھتے ہیں پھر ان کے اس خیال کے رد میں کہتے ہیں:وھذا کلہ دلیل علیہ ولا ھو مقتضی الایہ ، ولا نقل عن رسول اللہ ﷺ ولا عن الصحابہ ! انھم فعلو ذلک والصواب فی الایہ ان الصغار ھوا التزامھم لجریان احکام الملۃ علیھم، و اعطاء الجزیۃ ، فان التزام ذلک ھو الصغار (احکام اہل ذمۃ: 1/41)

" ان سب باتوں کی کوئی دلیل نہیں ہے نہ آیت کا مطلب یہ ہے نہ رسول اللہ نہ صحابہ کرامؓ نے ایسا کیا۔ آیت کی صحیح تفسیر یہ ہے کہ "الصغار" یہ ہے کہ وہ مسلم حکومت کی قانونی برتری تسلیم کر لیں اور جزیہ ادا کریں، بس اسی کو قبول کر لینا ہی صغار ہے

(ملخص از اسلام کا تصور جہاد از مولانا یحییٰ نعمانی ص60-56)

سورہ توبہ آیت 29 کی یہ تشریح خود عمار صاحب نے الشریعۃ کی اسی خاص اشاعت میں شائع کی ہے اور اس کی تائید نصوص قرآن سے ہوتی ہے چنانچہ اس طالب علم کا کہنا ہے کہ اسلامی ریاست میں غیر مسلم چاہے اہل کتاب ہوں یا کوئی اور اس کی بھی اتنی ہی عزت کی جائے گی جتنی کہ ایک مسلم کی۔ مسلمان زکوٰۃ ادا کرے گا اور غیر مسلم جزیہ۔ سورہ ممتحنہ کی 9-8 اور مائدہ کی آیت نمبر 2 میں اسلام کی اخلاقی تعلیمات دیکھی جاسکتی ہیں۔ اسی آیت توبہ 29 کے ذیل میں صفحہ 142 پر محترم عمار صاحب نے اپنی تائید میں کہ جزیہ کی علت ایمان نہ لانا اور دین حق کو قبول نہ کرنا ہے ایک اثر عمر بن عبد العزیز کا نقل کیا ہے۔" امابعد بیشک اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ جو لوگ اسلام سے روگردانی کریں اور سرکشی اور خسارے میں مبتلاء ہو کر کفر کو اختیار کئے رکھیں ان سے جزیہ وصول کیا جائے اس لئے جو بھی شخص جزیہ ادا کرنے کی طاقت رکھتا ہے اس پر جزیہ نافذ کر دو"۔ اس روایت میں اول تو یہ حکم ہے ہی نہیں کہ غیر مسلموں کو ذلیل کرو.. صرف جزیہ کے نفاذ کا ذکر ہے اور جیسے ہر مسلمان نے زکوٰۃ دینی ہے، غیر مسلم

جزیہ دے گا۔ پھر لطف یہ ہے کہ سرکشی کا لفظ بھی اس روایت میں ہے اور ہر سرکش کو مطیع و فرمانبردار بنانا ریاست کا کام ہوتا ہے.... طبری اور واقدی.. کی روایات بھی محترم عمار کے مفید مطلب نہیں۔

صحابہ کا جہاد

صفحہ 144 سے "صحابہ کا جہاد" پر کلام شروع کیا گیا ہے

اس سلسلے میں یہی کہنا ہے کہ صحابہ کا جہاد کسی الگ قاجون کے تحت نہیں ہو سکتا تھا۔ نبی ﷺ سب سے پہلے قرآن پر ایمان لائے اور پھر صحابہ اور صحابہ نے جو بھی جہاد قتال پر کیا ہو گا وہ قرآن کی تعلیم ہی کے مطابق کیا ہو گا اور قرآنی آیات جو عمار صاحب نے پیش کی ہیں ان سب پر یہ طالب علم تبصرہ کر آیا ہے لہذا قرآن سے عمار صاحب کو کوئی تائید نہیں مل سکتی۔ ہم نے صحابہ کو نہیں دیکھا جو ان کے سے اسلام کی توجیہہ کریں بلکہ قرآن مجید سے صحابہ کرام کے اعمال متعین کئے جائیں گے کیونکہ قرآن کے سب سے پہلے اور سچے مومنین وعاملین صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اجمعین تھے۔

صحابہ کے جہاد کے تحت عمار صاحب لکھتے ہیں "... حدیث و سیرت کے ذخیرہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ صحابہ کرام کے ان اقدامات کی شرعی بنیاد رسول اللہ ﷺ کے وہ خطوط تھے جو آپؐ نے جزیرہ عرب اور اس کے گردونواح کی سلطنتوں کے سربراہوں کے نام لکھے تھے.....مثال کے طور پر قیصر روم کے نام خط میں آپؐ نے لکھا 'اسلم تسلم' (بخاری رقم 7)

قارئین کرام! حافظ عمار صاحب نے اپنے اسی مضمون کے صفحہ 122 پر ذخیرہ سیرت کے حوالہ سے نبی کریم ﷺ کی طرف یہ بات منسوب کی کہ آپ وقتاً فوقتاً قریش کے تجارتی قافلوں پر حملے کرتے تھے اب اسی ذخیرہ سیرت سے صحابہ کے جہاد (قتال) کی بنیاد فراہم کر رہے ہیں۔ اور رسول اللہ کے دعوتی خطوط کی وجہ سے صحابہ کا دوسری اقوام سے قتال ثابت کر رہے ہیں۔ محترم عمار کو ذخیرہ سیرت سے نہیں جو کذاب راویوں سے بھرا پڑا ہے بلکہ پہلے قرآن سے نبی کریم کی جنگ کی بنیاد واضح کرنی چاہئے تھی جس میں وہ بری طرح ناکام رہے۔ پھر صحابہ کرام کی جنگ کی بنیاد بھی قرآن سے فراہم کرنے کے بعد اسی قرآنی بنیاد کے مطابق اگر روایات پیش کرتے تو پھر وہ روایات چاہے جیسے بھی رواۃ سے مروی ہوتیں قابل اعتبار ہوتیں۔ اس سب کے علاوہ

بخاری کی جو روایت قیصر روم کو دعوت کے حوالہ سے نقل کی ہے اس میں قتال یا جہاد کی بات کہاں ہے اسلام لے آؤ بچ جاؤ گے، کا مطلب صرف یہی ہے کہ دوزخ سے بچ جاؤ گے۔ محمد علی کاندھلوی نے سورہ الانفال آیت 12 تا 14 کی تفسیر میں لکھا ہے کہ دنیا میں سزا کی علت مخالفت رسول اور آخرت میں سزا کی علت کفر ہے۔ اب قرآن تو کفر کی سزا دوزخ بتا رہا ہے تو کس اصول سے رسول اللہ کفر کی سزا جنگ بتا سکتے تھے ؟۔ یہ ناممکن ہے۔ قرآن تو کہے وان للکفرین عذاب النار تو رسول اللہ کیسے کافرین کو دنیا میں سزا دے سکتے تھے ؟ قارئین کو یقینا یاد ہو گا کہ عمار صاحب رسولوں سے متعلق "خاص" قانون ثابت کرنا چاہ رہے ہیں اور اسی تگ و دو میں پہلے تو قتال کو جہاد کہا اور اپنے مضمون کا عنوان بھی جہاد ہی رکھا اور صرف ایک آیت جہاد کی نقل کر کے پے بہ پے قتال کی آیات نقل کرنا شروع کر دیں۔ اور بڑھتے بڑھتے اہل کتاب کو بھی اس قانون کی زد میں لے آئے جو خود انہی کے بقول خالصتاً اہل مکہ کے لئے تھا۔ اور تو اور عرب سے باہر صحابہ کی جنگ کی علت بھی رسول اللہ کے خطوط بتا رہے ہیں۔ ان خطوط سے قانونِ قتال یا جنگ کیسے ثابت کیا جا سکتا ہے ؟ رسول اللہ ﷺ کا فرضِ منصبی صرف اور صرف تبلیغ قرآن تھا۔ قرآن میں بتا دیا گیا ہے کہ کل دین اس کتابِ ہدایت میں بیان کر دیا گیا ہے مثلاً سورہ یونس کی آیت 37 میں ہے "وما کان ھذا القراٰن ان یفتری من دون اللہ ولکن تصدیق الذی بین یدیہ وتفصیل الکتٰب لا ریب فیہ من رب العلمین o یہ قرآن ایسی کتاب نہیں جو خود ہی گھڑ لی گئی ہو بلکہ اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اور الکتاب کی مکمل تفصیل بیان کر دیتا ہے جس میں کوئی شک نہیں رب العالمین کی طرف سے نازل کردہ ہے" اس آیت اور اس جیسی بہت سی آیات مثلاً سورہ نحل 89، سورہ یوسف آیت 111 سے روزِ روشن کی طرح ثابت ہو جاتا ہے کہ کل دین (عقائد و ایمانیات صرف قرآن میں ہے اسی وجہ کے سبب امام اہلسنت عبد الشکور لکھنوی اور دیگر جلیل القدر علماء نے کل دین قرآن میں مانا ہے تو بتائیے تو سہی قرآن کی کس آیت کی وجہ سے شاہانِ عالم کو دعوت دی گئی اور دعوت قبول نہ کرنے والوں کو قرآن کی کس آیت کی رو سے رسول اللہ نے جنگ کی دھمکی دی؟ کیا دعوت میں دھمکی بھی دی جاتی ہے ؟۔ قارئین کرام! اس روایت پر جو باب امام بخاریؒ نے باندھا ہے اس کی ابتداء یوں ہے "نبی کریم ﷺ کی (غیر مسلموں) کو اپنی طرف دعوت..... یعنی امام بخاری نے باب کا عنوان ہی دعوت بیان کیا ہے نہ کہ جنگ۔ اس روایت میں تو کسی طرح کی جنگی دھمکی کا اشارہ تک نہیں کیونکہ اسلام نہ لانے کی صورت میں رعایا کے کفر و شرک کا وبال بھی قیصر کے سر بتایا گیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ نبی کریم نے قیصر کے ایمان نہ لانے کے بعد بھی قیصر پر کسی قسم کی کوئی چڑھائی نہ کی۔ دوسرا خط جو کسریٰ، شاہِ ایران کو رسول اللہ نے لکھا اور اسے سیدنا عبد اللہ بن حذرفہؓ لے کر گئے ...یوں ہے " بسم

اللہ الرّحمٰن الرّحیم محمد اللہ کے رسول کی طرف سے کسریٰ کے نام، سلام ہے اس پر جو اللہ پر ایمان لائے اور یہ گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور اللہ نے مجھے ساری دنیا کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے تا کہ وہ ہر زندہ انسان کو اللہ کا خوف دلائے۔ اسلام قبول کر کہ سلامت رہے گا ورنہ مجوس کا وبال تیری گردن پر ہو گا"(بحوالہ سیرت النبی از سید سلیمان ندوی صفحہ 271 جلد اوّل)

اس نامہء مبارک میں بھی شہنشاہِ ایران کو فقط اسلام کی دعوت ہی دی گئی ہے جنگ کی کوئی بات سرے سے کی ہی نہیں گئی۔ نیز کفر پر قائم رہنے کی صورت میں مجوس رعایا کے کفر کا بار بھی شاہِ ایران پر ڈالا گیا ہے۔ قارئین! یہ وہی ذمہ داری ہے جو از روئے قرآن نبی کریم ﷺ پر عائد ہوتی ہے۔ پھر اس روایت میں تو صاف صاف لکھا ہے کہ " رسول کی ذمہ داری تو یہ ہے کہ ہر زندہ انسان کو اللہ کا خوف دلائے" بتایئے تو سہی... اس خط میں یا کسی بھی دعوتی خط میں جنگی دھمکی کہاں ہے؟ ہمارے علماء پر لازم تھا کہ اسلام کا کوئی بھی قانون بیان کرتے وقت قرآن کو دھیان سے پڑھتے اور یہاں تو حال یہ ہے کہ سیرت کی روایات بھی غلط طور پر پیش کی جا رہی ہیں۔

مقوقس شاہ مصر بھی رسول اللہ کی دعوت پر ایمان نہ لایا اس نے دعوت نامہ موصول ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ کو تحائف بھیجے جنہیں رسول اللہ نے قبول کر لیا مگر اس پر قبول اسلام کے لئے نہ دباؤ ڈالا اور نہ چڑھائی کی۔ آپؐ جانتے تھے کہ دین میں جبر نہیں۔ ان خطوط کو کہتے ہی دعوتی خطوط ہیں۔ محدثین نے انہیں دعوتی خطوط ہی کہا.. تو کیا دعوت میں دھمکی بھی دی جاتی ہے؟ ہمارا ایمان اور علم اس کی نفی تو کرتے ہی ہیں... خود قرآن اور حدیث سے بھی اس کی مکمل تردید ہو جاتی ہے۔ چنانچہ صحابہ کرام کے غیر اقوام سے قتال کی بنیاد ان اقوام کا جارحانہ رویہ تھا۔ ایرانی و رومی عرب پر حملہ آور ہونا چاہ رہے تھے حتیٰ کہ عراق میں سیدنا مثنیٰ بن حارثہ شیبانی اپنے چند قبائل کے ساتھ ایرانیوں سے بر سرِ پیکار تھے جو عرب میں گھسنا چاہ رہے تھے۔ جب انہیں اندازہ ہوا کہ اب ایران کی عظیم طاقت سے تنہا مقابلہ کرنا ان کے بس سے باہر ہے تو پھر سیدنا ابو بکرؓ سے مدد کی درخواست لے کر مدینہ تشریف لائے.... یہ درخواست ہی ایران پر چڑھائی کی بنیاد بنی نہ کہ رسول اللہ کے خطوط.... چونکہ ہمارے اس مضمون کا تاریخِ اسلام سے براہِ راست تعلق نہیں اس لئے اتنی عرض ہے "سبحٰنک ھٰذا بہتانِ عظیم" رسول اللہ کی ذمہ داری

صرف قرآن سے ڈرانا تھی نہ کہ تلوار سے سورہ ق آیت 45 اور سورہ الانعام آیت 50-19 اور ان جیسی متعدد آیات سے رسول اللہ کی یہی حیثیت واضح ہو رہی ہے۔ عمار صاحب سے سوال ہے کہ ان کی دلیل قرآن میں کہاں ہے۔

محترم عمار صاحب نے بہت سی روایات نقل کی ہیں مگر کسی ایک سے بھی ان کی تائید نہیں ہوتی۔ حیرت ہے عمار صاحب جیسے ذہین شخص نے کس طرح انہیں نقل بھی کر دیا۔ سیرت کی کتب سے ابن اسحٰق اور واقدی جیسے ”شرفاء“ کی کسی روایت پر تبصرہ کرنا تو ممکن نہیں البتہ کتب حدیث سے عمار صاحب کے استدلال کا جواب ضروری ہے اس سلسلہ میں صفحہ 148 پر سیدنا ثوبانؓ سے یہ روایت نقل کی ہے– ”نبی ﷺ نے فرمایا بے شک اللہ نے میرے لئے زمین سمیٹ دی اور میں نے اس کے مشرق و مغرب کے علاقے دیکھ لئے اور بیشک میری امت کی حکومت ان تمام علاقوں تک پہنچے گی جو مجھے سمیٹ کر دکھائے گئے (مسلم رقم 5144) سوال یہ ہے کہ اس روایت میں عمار صاحب کی دلیل کہاں ہے؟ ساری دنیا میں امت کی حکومت پھیلنے کی خبر سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ امت کی حکومت قائم کرنے کے لئے قتال ناگزیر ہے۔ یہ بات تو رسول اللہ نے کہی نہیں؟ دوسرا سوال یہ ہے کہ ان خوابوں کا ماخذ یا بنیاد کیا ہے؟ ایمانیات تو بقول امام اہلسنت عبد الشکور لکھنوی و سید سلیمان ندوی، محمد حنیف ندوی اور محمد علی کاندھلوی کل قرآن میں آ گئے ہیں۔ سورہ یونس آیت 37، یوسف آیت 111 اور سورہ نحل آیت 89 سے کل ضروریاتِ دین قرآن میں ہونا ثابت ہے۔ تو پھر رسول اللہ نے یہ خواب کس بنیاد پر بیان فرمائے۔ اس قسم کے خوابوں اور پیش گوئیوں سے ضروریاتِ دین ثابت ہو جائیں تو پھر قرآن کی ان آیات کا انکار لازم آئے گا جن میں تمام ضروریات کا قرآن میں ہونا بتایا گیا ہے۔

عمار صاحب نے ایک روایت اسی صفحہ 148 پر اور نقل کی ہے ”اذا ھلک کسریٰ فلا کسریٰ بعدہ و اذا ھلک قیصر فلا قیصر بعدہ والذی نفسی بیدہ لتنفقن کنوزھما فی سبیل اللہ (بخاری رقم 2888) اس روایت کا ترجمہ عمار صاحب نے یوں کیا ہے ” نبی ﷺ نے فرمایا جب کسریٰ ہلاک ہو جائے گا تو اس کے بعد دوسرا کسریٰ پیدا نہیں ہو گا اور جب قیصر کی حکومت (شام کے علاقے سے) ختم ہو جائے گی تو دوبارہ کبھی قائم نہیں ہو گی۔ اور اللہ کی قسم ان دونوں کے خزانے اللہ کے راستے میں خرچ کئے جائیں گے“ اس عبارت کا ترجمہ تحریف کی حد تک غلط ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ قیصر کے ہلاک ہونے کے بعد متعدد قیصر ہوتے رہے ہیں۔ قیصر کی حکومت شام سے ختم ہوئی تھی روم سے نہیں اس لئے عمار صاحب نے، بجائے اس کے کہ صحیح ترجمہ لکھتے، ترجمہ ہی بدل

ڈالا محض اس لئے کہ درست ترجمہ خلافِ حقیقت ہوتا اور اس صحیح ترجمہ سے عمار صاحب کو کوئی فائدہ نہ ہوتا۔ ہمارے اہل علم کو اس قسم کے تجاہل عارفانہ سے بہر حال احتیاط برتنی چاہیے۔ اس روایت میں بھی عمار صاحب کے لئے کوئی دلیل نہیں۔ مزید یہ کہ اس روایت میں خبر دی گئی ہے لہذا اسے بطور حکم تو پیش کیا ہی نہیں جا سکتا۔ لطف تو یہ ہے کہ اس روایت میں قتال کا ذکر تک نہیں۔

عمار صاحب محترم غامدی صاحب کے شاگرد ہیں، غامدی صاحب کا کہنا ہے کہ قانون کی زبان بالکل واضح ہوتی ہے اور محترم عمار صاحب کے دادا السید شیخ سرفراز خان صاحب صفدر اور ان کے استاذ الحدیث مولانا عبدالروٴف صاحب نے فاتحہ خلف الامام کی بحثوں میں لکھا ہے کہ اس باب میں کوئی ایک حدیث بھی صحیح و صریح نہیں.... اس کی وضاحت یوں فرماتے ہیں کہ جو حدیث صحیح ہے وہ صریح نہیں اور جو صریح ہے وہ صحیح نہیں۔ یہی حال محترم عمار صاحب کی پیش کردہ تمام روایات کا ہے۔ صفحہ 148 سے لے کر 161 تک فتوح الشام، طبری، البدایہ والنھایہ اور سرخسی وغیرہ کتب سے جو روایات پیش کی ہیں سبھی کو سیاق و سباق کے بغیر پیش کیا گیا ہے۔ صحابہ نے جو قتال کیا اس پر یہ طالب علم قرآن کی روشنی میں لکھ آیا ہے کہ صحابہؓ نے کوئی قتال علت کفر کی بنیاد پر نہیں کیا اور عمار صاحب نے کوئی روایت پیش نہیں کی جس میں لکھا ہو کہ صحابہ نے صرف کفر کی وجہ سے یا اسلام کو غالب کرنے کے لئے قتال کیا ہو۔ بلکہ یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ اسلام کو غالب کرنا نہ رسول اللہ کی ذمہ داری تھی اور نہ ہی صحابہ کی۔ یہ تو خبر تھی اور اللہ تعالیٰ نے نزول قرآن کے ساتھ دین حق کو غالب کر دیا۔

جزیہ کی بحث کے ضمن میں صفحہ 15 6 تا 160 .... ابو داوٴد مصنف عبدالرزاق اور موطا وغیرہ کتب سے اپنا موقف ثابت کرنا چاہا ہے۔ حافظ یحییٰ نعمانی نے جزیہ پر مفصّل بحث کے دوران جزیہ کا صحیح محل بیان کر دیا ہے۔ محترم عمار صاحب کو اس سے اختلاف ہو تو دلائل پیش کریں۔ صحابہؓ کی خصوصی حیثیت سے متعلق بحث کے آخر میں صفحہ 161 پر عمار صاحب نے امام سرخسی کی المبسوط سے ایک اقتباس نقل کیا ہے اس پر تبصرہ کرنے کو جی چاہ رہا ہے۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں " اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو چار تلواروں کے ساتھ مبعوث فرمایا ایک تلوار سے رسول اللہ نے خود بت پرستوں کے خلاف جنگ کی، دوسری تلوار سے سیدنا ابو بکرؓ نے اہل ارتداد کے خلاف جنگ کی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے تقاتلونھم اور یسلمون تیسری تلوار کے ساتھ سیدنا عمرؓ مجوس اور اہل کتاب کے خلاف معرکہ آراء ہوئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے قاتلوا الذین لا یومنون باللہ اور چوتھی

تلوار سے سیدنا علیؓ نے دین سے نکل جانے والے (خوارج) سرکش گروہوں سے قتال کیا(المبسوط سرخسی 3/10)(یہ قول امام سفیان بن عینیہ کا ہے جو امام سرخسی نے لکھا ہے)

اس طالب علم کے نزدیک یہ محض نثر میں شاعری ہے اس پورے اقتباس میں اگرچہ خلاف حق بات کہی گئی ہے مگر اس کے باوجود اس اقتباس سے بھی عمار صاحب کا مقدمہ ثابت نہیں ہوتا۔ کیا اس روایت میں کہیں یہ بات ہے کہ رسول اللہ نے یا صحابہ کرام نے علت کفر کی وجہ سے قتال کیا ہو؟۔ قتال تو رسول اور اصحاب رسول نے ضرور کیا مگر وہ قتال تو جارحین کے خلاف تھا ظالمین کے خلاف تھا۔ سورہ بقرہ 190 تا 193 سورہ حج 40-39 اس طالب علم کی رائے میں صریح نصوص ہیں جنہیں سمجھنے میں محترم عمار صاحب نے واضح غلطی کی۔

یہ طالب علم امام سرخسی سے معذرت کے ساتھ اختلاف کرنے کی جسارت کر رہا ہے۔ رسول اللہ کو اللہ تعالیٰ نے کوئی ایک تلوار بھی نہیں دی چہ جائیکہ ان کی تعداد چار ہو قرآن تو صراحت کر رہا ہے کہ رسول اللہ کو صرف قرآن دیا گیا "واوحی الی ھذا القراٰن لانذرکم بہ و من بلغ" یہ قرآن مجھ پر وحی کیا گیا ہے کہ اس کے ذریعے سے تم کو اور جس شخص تک پہنچ سکے آگاہ کر دوں۔(الانعام 19) جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا گیا کہ اللہ نے تو رسول اللہ کو حکم دیا کہ قرآن کے ذریعہ ڈراؤ اور جہادِ کبیر کرو مگر علماء کا اصرار ہے کہ رسول اللہ بذریعہ تلوار ڈراتے تھے۔ استغفر اللہ۔ سورہ انعام آیت 114 اور سورہ ابراہیم آیت 1 میں بھی یہی بات کہی گئی ہے۔

امام سفیان اور امام سرخسی کے ساتھ ساتھ محترم عمار صاحب سے معلوم یہ کرنا ہے کہ رسول اللہ نے بت پرستوں کے خلاف قتال کیا یا بت پرستوں نے رسول اللہ سے اور سورہ فتح کی آیت سے کس طرح ثابت ہوا کہ یہ قتال مرتدین ہی کے خلاف تھا۔ اہل تفسیر اس بارے میں مختلف الرائے ہیں۔ پھر سورہ توبہ کی آیت 29 سے سیدنا عمر ہی کا قتال کیسے ثابت ہوا۔ سیدنا علی کے بارے میں یہ کیسے ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے خوارج سے جنگ کی۔ ہم نے تو تاریخ میں پڑھا ہے کہ خوارج نے سیدنا علی سے بغاوت کی اور یہ بھی معلوم کرنا ہے سیدنا عثمان کا نام کیوں اس فہرست میں شامل نہیں جب کہ آپؓ کا دورِ خلافت تو سب سے طویل ہے یوں رسول اللہ کو پانچ تلواریں دی جانی چاہئے تھیں۔

صفحہ 161 تا163 پر" صحابہ کا جہاد" کا اختتام کرتے ہوئے لکھاہے:

"یہ قرآن مجید وحدیث اور سیرت میں جہاد و قتال کے احکام کا اصل تناظر ہے اور اس سے واضح ہے کہ مشرکین اور اہل کتاب کے خلاف قتال کے یہ احکام محض مسلمانوں کے دفاع اور اہل کفر کے فتنہ وفساد کو رفع کرنے کے لئے نہیں بلکہ اللہ کے دین کی سربلندی اور شرک کا خاتمہ کرنے کے لئے دیئے گئے تھے"۔

ہمارااصرار ہے کہ عمار صاحب کو شدید غلط فہمی ہوئی ہے۔ قرآن میں کہیں بھی قتال کے احکام اسلام کی سربلندی کے لئے نہیں دیئے گئے اور جس بات کی وہ تردید کررہے ہیں قرآن اسی کی تصدیق کررہاہے۔ قرآن میں قتال کے احکام محض دفاع اور اہل کفر کے فتنہ وفساد کو رفع کرنے کے لئے ہی دیئے گئے ہیں۔ یہ ایسے ہی ہے جو کہ امین احسنؒ نے سورہ نساء کی آیت 43 کی تفسیر میں بالکل الٹ بات کہہ دی ہے۔ آیت کا مطلب صاف ہے کہ سفر کی حالت میں اگر پانی نہ ملے تو جنابت کی حالت میں بھی نماز پڑھی جاسکتی ہے۔ مگر مولاناؒ نے اس مطلب پر تنقید کر کے اسے نہ صرف غلط کہاہے بلکہ آیت کا معنٰی یہ بیان کیاہے جنابت کی حالت میں اگر مسجد سے گزرنے کی ضرورت ہو تو گزرا جاسکتاہے۔ مولانا جلیل احسن ندوی نے اس پر تنقید کر کے اس معنٰی کا غلط ہونا ثابت کیاہے اور وہی بات کہی ہے کہ جس کی تائید قرآن کررہاہے مولانا امین احسن اصلاحیؒ اسی کی تردید کررہے ہیں۔

شرک کا خاتمہ بذریعہ تلوار ہو ہی نہیں سکتا یہ بدترین نوعیت کی غلط فہمی ہے البتہ مشرک کا خاتمہ بذریعہ تلوار ضرور کیا جاسکتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ دین مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ یا اسلامی سلطنت کی توسیع سے سربلند نہیں ہوسکتا۔ اب سے محض چندبرس پہلے روس کا رقبہ دنیامیں سب سے زیادہ تھا مگر اندرون خانہ روس بیحد کمزور ہوچکا تھا اس لئے اس کے 32 ہزار ایٹم بم بھی اسے ٹوٹنے سے نہ بچاسکے۔ ایسے ہی آج مسلمان دنیامیں ڈیڑھ ارب سے زیادہ ہیں مگر کمزور اور پست۔۔۔۔ اس کے مقابلہ میں جاپان اور یورپ کو دیکھئے عددی قلت کے باوجود سربلند ہیں۔ قوموں کی سربلندی ان کے اصولوں اور قوانین کے ساتھ ان کی گہری وابستگی کے سبب سے ہوتی ہے۔ رسول اللہ اور اصحابِ رسول اخلاق اور اصول پسندی کے انتہائی اعلیٰ درجہ پر فائز ہونے کی وجہ سے غالب تھے۔ جب سے امتِ مسلمہ نے ان اعلیٰ اصولوں کو چھوڑا، پستیوں میں ڈوبی ہوئی ہے۔ قرآن میں مسلمانوں کے غلبہ کے حوالے سے آیت 139 سورہ آلِ عمران میں کلام کیا گیاہے "ولا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنینo اور دیکھو بیدل نہ ہونا اور نہ کسی طرح کا غم کرنا اگر تم مومن ہو، تو تم ہی غالب ہوگے"۔ حافظ عمار صاحب بہت سے مفسرین کی

طرح سورہ توبہ آیت 33، سورہ صف آیت 9 اور سورہ فتح آیت 28 کو مسلمانوں یعنی رسول اور اصحاب رسول کے غلبہ سے متعلق سمجھ بیٹھے۔ جب کہ ان تینوں آیات میں اسلام یعنی قرآن کی فکر کے غلبہ کی بات کی گئی ہے۔ ہم نے اس آیت کی شرح میں لکھا ہے کہ اس مقام پر نُور، الھدیٰ اور دین حق سے صرف اور صرف قرآن ہی مراد لیا جاسکتا ہے اور یہ اظہار دین اللہ جل جلالہ کے کرنے کا کام ہے نہ کہ رسول اللہ کا فرضِ منصبی۔ ان آیات میں حکم تو دیا ہی نہیں گیا نہ ہی رسول اللہ کی کوئی ذمہ داری بیان کی گئی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ دین غالب کر کے رہے گا چاہے مشرکین کو کتنا ہی ناگوار گذرے۔

محترم عمار ناصر صاحب کا مقالہ الشریعۃ میں صفحہ 107 سے شروع ہوا ہے اور اب تک صفحہ 161 یعنی تقریباً ڈیڑھ سو صفحات پر تبصرہ کیا جا چکا ہے۔ اتنے طویل مقالہ میں اب تک وہ اپنے دعویٰ کی تائید میں کوئی ایک آیت بھی پیش نہ فرما سکے اور نہ ہی انہیں کوئی ایک روایت ہی ایسی ملی جس میں ان کی فکری تائید موجود ہو۔

اپنے اس دعویٰ کو ثابت کرنے کے لئے انہوں نے صفحہ 163-162 چار مقامات پر قرآن سے استدلال کیا ہے مگر ان تمام مقامات پر بھی ان کے دعویٰ کی خفیف سی تائید نہیں ہوتی۔ ذیل میں یہ چاروں مقامات قرآن پیش ہیں جو فکر عمار سے یکسر بے تعلق ہیں:

(1) ''کتب علیکم القتال وھو کرہ لکم وعسیٰ ان تکرھوا شیاً وھو خیر لکم و عسیٰ ان تحبوا شیاً وھو شرلکم اوللہ یعلم وانتم لا تعلمونO (البقر216) تم پر لڑنا فرض کر دیا گیا ہے حالانکہ وہ تمہیں ناپسند ہے توقع ہے کہ ایک چیز کو تم ناپسند کر اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو اور توقع ہے کہ ایک چیز کو تم پسند کرو اور وہ تمہارے حق میں بری ہو۔ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔''

(2) ''الم ترا الی الذین قیل لھم کفوا ایدیکم واقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ فلما کتب علیھم القتال اذا فریق منھم یخشون الناس کخشیۃاللہ او اشد خشیۃ وقالو ربنا لم کتبت علینا القتال لو لا اخر تنا الیٰ اجل قریب قل متاع الدنیا قلیل ولاخرۃ خیر لمن اتقی ولا تظلمون فتیلاO (النساء77) کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن سے کہا گیا تھا اپنے ہاتھ روکے رکھو اور نماز ادا کرو اور زکوٰۃ ادا کرو پھر جب ان پر قتال فرض کر دیا گیا تو اب ان میں سے ایک گروہ اس طرح دشمن سے ڈرنے لگا جس طرح اللہ سے ڈرنا چاہیئے بلکہ

اس بھی زیادہ اور انہوں نے کہا اے اللہ تو نے کیوں ہم پر لڑنا فرض کر دیا؟ کیوں نہ تو نے کچھ مدت کے لئے ہمیں مزید مہلت دے دی۔ تم کہہ دو کہ دنیا کا سامان تو بہت تھوڑا ہے جب کہ جو لوگ اللہ سے ڈریں ان کے لئے آخرت بہت بہتر ہے اور (تمہارے اعمال کے معاملہ میں) تمہاری ذرہ برابر بھی حق تلفی نہ ہو گی"

(3) ان اللہ اشتری من المومنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ یقاتلون فی سبیل اللہ فیقتلون ویقتلون وعدا علیہ حقاً فی التورۃ والانجیل والقراٰن ومن اوفی بعھدہ من اللہ فاستبشروا ببیعکم الذی با یعتم بہ وذلک ھو الفوز العظیمO اللہ نے اہل ایمان سے ان کی جانیں اور ان کے مال اس وعدے پر خرید لئے ہیں کہ انہیں بدلے میں جنت ملے گی وہ اللہ کے راستے میں لڑتے ہیں تو وہ بھی قتل کرتےہیں اور انہیں بھی قتل کیا جاتا ہے۔ اللہ نے تورات اور انجیل اور قرآن میں اس وعدے کو پورا کرنا اپنے ذمہ ٹھہرایا ہے اور اللہ سے بڑھ کر کون اپنے عہد کو پورا کرنے والا ہو سکتا ہے اس لئے (اے ایمان والو) تم نے جو سودا کیا ہے اس پر خوش ہو جاؤ اور یہی عظیم کامیابی ہے"

(4) "یا ایھا الذین اٰمنو ا ما لکم اذا قیل لکم انفرو فی سبیل اللہ اثا قلتم الی الارض ارضیتم بالحیوۃالدنیا من الاخرۃ فما متاع الحیوۃ الدنیا فی الاخرۃ الا قلیلO الا تنفروا یعذبکم عذاباً الیما و یستبدل قوماً غیر کم ولا تضروہ شیاً واللہ علی کل شیء قدیرO (التوبہ 39-38)
اے ایمان والو تمہیں کیا ہے جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے راستے میں نکلو تو تم بوجھل ہو کر زمین کے ساتھ چپک رہتے ہو! کیا تم آخرت کو چھوڑ کر دنیا کی زندگی پر راضی ہو گئے ہو؟ تو پھر آخرت میں زندگی کا سامان بہت ہی تھوڑی وقعت رکھے گا۔ اگر تم نہیں نکلو گے تو اللہ تمہیں دردناک عذاب دے گا اور تمہاری جگہ کسی دوسری قوم کو بدل دے گا اور تم اللہ کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے"

ان تمام مقامات پر حافظ عمار صاحب کا استدلال یہ ہے کہ یہ ایک مقدس جنگ تھی جس کا مقصد مال و منال حاصل کرنا نہ تھا بلکہ اسلام کی سربلندی اور کفر و شرک کا خاتمہ تھا۔ اور اسی وجہ سے قرآن نے اس مقدس جنگ کو" جہاد فی سبیل اللہ "کا نام دیا۔ مگر ان چار میں سے کسی ایک آیت میں بھی جہاد فی سبیل اللہ کا ذکر تک نہیں۔ اور نہ ہی کفر و شرک کے خاتمہ کی کوئی بات ہے اور نہ

ہی غلبہ اسلام یا غلبہ دین کی کوئی بات ہے اور نہ ہی غلبہ دین کے لئے جہاد یا قتال کا حکم۔ یہ تمام آیات نفس مضمون سے یکسر غیر متعلق ہیں۔

پہلی آیت میں قتال کی (جہاد کی نہیں) فرضیت کا حکم ہے اور یہ بھی بتایا کہ یہ قتال بعض لوگوں کو ناگوار گذر سکتا ہے مگر اللہ تعالیٰ نے جو احکام دیئے ہیں وہ ان لوگوں کے لئے بہتر ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اور انسان نہیں جانتے۔ بتایئے اس آیت میں جہاد فی سبیل اللہ، کفر کا خاتمہ یا اسلام کی سربلندی کا ذکر کہاں ہے۔ یہ قتال تو جارحین کے خلاف شروع کیا گیا۔ اس کی قطعی دلیل سورہ حج کی 40-39 آیات ہیں۔

دوسری آیت سورہ نساء کی آیت 77 ہے اس میں بھی محترم عمار صاحب کے دعویٰ کی کوئی دلیل موجود نہیں اس آیت پر جو حاشیہ اہلِ حدیث عالم حفظ صلاح الدین صاحب نے لکھا ہے وہ جامع، مختصر اور آیت کی درست ترجمانی ہے لکھتے ہیں "مکہ میں مسلمان چونکہ تعداد اور وسائل کے اعتبار سے لڑنے کے قابل نہ تھے اس لئے مسلمانوں کی خواہش کے باوجود انہیں قتال سے روکے رکھا گیا اور دو باتوں کی تاکید کی جاتی رہی ایک یہ کہ کافروں کے ظالمانہ رویئے کو صبر اور حوصلے سے برداشت کریں اور عفو و درگذر سے کام لیں دوسرے یہ کہ نماز، زکوٰۃ اور دیگر عبادات و تعلیمات پر عمل کا اہتمام کریں تاکہ اللہ تعالیٰ سے ربط و تعلق مضبوط بنیادوں پر استوار ہو جائے لیکن ہجرت کے بعد جب مدینے میں مسلمانوں کی طاقت مجتمع ہو گئی تو پھر انہیں قتال کی اجازت دے دی گئی اس وقت بعض لوگوں نے کمزوری اور پست ہمتی کا اظہار کیا۔ اس پر آیت میں مکی دور میں ان کی آرزو یاد دلا کر کہا جا رہا ہے کہ اب یہ مسلمان جہاد کا حکم سن کر خوفزدہ ہو رہے ہیں جب کہ یہ حکم جہاد خود ان کی خواہش کے مطابق ہے....."۔ یہ اقتباس آیت کی درست ترجمانی ہے سوائے اس کے کہ قتال کا ترجمہ جہاد کر دیا گیا۔ اس آیت میں بھی غلبہ اسلام یا کفر و شرک کے خاتمہ کی نہیں بلکہ قتال کی بات مشرکین مکہ کے ظالمانہ رویئے کی وجہ سے کی گئی ہے۔

تیسری آیت سورہ توبہ کی آیت 111 ہے اس میں ان مومنین کو جنت کی بشارت دی گئی ہے جو اللہ کے راستے میں جان کی بازی لگا دیتے ہیں۔ حافظ عمار اس آیت سے تب استدلال کر سکتے تھے کہ اگر کوئی مسلمان قتال کی فرضیت کا قائل نہ ہوتا جس فکر پر وہ نقد کر رہے ہیں اور جو فکر وہ پیش کر رہے ہیں دونوں بلکہ تمام دنیا کے سارے مسلمان قتال کی فرضیت کے قائل ہیں۔ اس آیت میں یا اس کے سیاق وسباق میں کہیں بھی غلبہ اسلام یا کفر کے خاتمہ کی بات نہیں کی گئی وہ بھی بذریعہ تلوار۔ ہم یہ یاد دلانا ضروری

سمجھتے ہیں کہ جب تک یہ دنیا قائم ہے کفر شرک کا خاتمہ ہو ہی نہیں سکتا... تو اللہ تعالیٰ کیسے اپنے نبی کو ایسا حکم دے سکتے تھے جو ممکن ہی نہیں۔ مزید یہ کہ کفر و شرک کے خلاف رسول اللہ نے کوئی قتال نہیں کیا البتہ جہاد کیا اور ساری نبوی زندگی کیا۔ یہ جہاد تلوار سے نہیں بلکہ قرآن سے تھا۔ وجاھدھم بہ جہاداً کبیراO اور اس (قرآن) کے ذریعہ جہاد کبیر کرو (الفرقان 52)

چوتھا مقام سورہ توبہ کی دو آیات 39-38 ہیں۔ ان آیات میں حافظ عمار کے لئے نہ صرف کوئی دلیل یا حجت نہیں بلکہ یہ تو خود عمار صاحب کے موقف کے خلاف حجت ہیں 'لوکانوا یعلمون' ان آیات میں غزوہ تبوک میں رسول اللہ کے ساتھ نکلنے کا حکم اور تاکید ہے سخت گرمیوں میں رسول اللہ شاہِ روم (قیصر) کی طرف سے مدینے پر حملے کی خبر پا کر رسول اللہ ﷺ صحابہ کو لیکر شام کی سرحد تبوک تک گئے تھے اور جب ہرقل مقابلہ پر نہ آیا تو اللہ کے رسول نے کوئی حملہ نہ کیا اور واپس مدینہ تشریف لے آئے۔ اگر غلبہ اسلام اور کفر و شرک کا خاتمہ آپؐ کا ہدف ہوتا تو موقع بھی تھا اور محل بھی، آپؐ کو حملہ میں پہل کر کے اہل روم کو پست و ذلیل کرنا چاہئے تھا اور اس کوشش میں کامیاب قرار پاتے یا خود جامِ شہادت نوش فرماتے مگر یہ سب کچھ نہ ہوا جو کہ اس بات کی بیّن دلیل ہے کہ اسلام صرف جارحین و ظالمین سے قتال کی بات کرتا ہے۔ کفر و شرک کی بنیاد پر خود کسی قوم و ملک سے لڑائی نہیں کرتا ہاں اگر دشمن کی جارحیت کا اندیشہ ہو تو پھر اقدامِ جنگ کیا جا سکتا ہے۔

قارئین محترم! یہ پانچ کی پانچ آیات جو عمار صاحب نے چار مقامات سے پیش کی ہیں ان کی فکر سے نہ صرف غیر متعلق ہیں بلکہ ان کی تردید بھی کر رہی ہیں۔ ہماری دعا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اور انہیں صحیح بات کہنے، سننے اور سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)۔

جماعتِ صحابہ کی خصوصی حیثیت

صفحہ 163 پر " جماعتِ صحابہ کی خصوصی حیثیت" کی سرخی کے تحت لکھا ہے:

"اللہ تعالیٰ کی طرف سے صحابہ کو شہادت علی الناس کے منصب پر فائز کیا گیا اور اسی کے تحت انہیں دوسری اقوام کے خلاف قتال کا اختیار دیا گیا" سوال یہ ہے کہ آنجناب جن دو آیات حج 78 اور بقرہ 143 سے استدلال فرمارہے ہیں کیا واقعی ان آیات

سے صرف صحابہ ہی شہادت علی الناس کے منصب پر فائز ہوتے ہیں اور قیامت تک آنے والی پوری کی پوری امت کی شہادت علی الناس کے حوالے سے کوئی ذمہ داری نہ رہی۔۔۔اگر ایسا ہی ہے تو یہ بات قرآن میں الگ سے کہاں بیان ہوئی؟

شہادت علی الناس

اس کے بعد" شہادت علی الناس" کے منصب کی وضاحت یوں فرماتے اور دلیل میں پھر وہی پانچ آیات پیش کرتے ہیں جن سے محترم کی کوئی تائید نہیں ہوتی۔یوں یہ آیات بھی اس مضمون میں پیش کی گئی دیگر آیات کی طرح بالکل غیر متعلق ہیں۔

شہادت علی الناس کے منصب کی مختصر وضاحت یوں ہے کہ عالم کا پروردگار کسی خاص گروہ سے اپنی وفاداری و اطاعت کا عہد پیمان لے کر اسے دین و شریعت سے نوازتا، آزمائش اور ابتلاء کے مراحل سے گذار کر اس کے تزکیہ و تربیت کا اہتمام کرتا اور اس امتحان میں کامیابی پر اسے دنیوی حکومت و اقتدار سے بہرہ یاب کر دیتا۔ یہ گروہ اپنے اجتماعی وجود کے لحاظ سے یوں سراپا حق اور مجسم عدل و انصاف ہوتا اور اپنی دعوت اور کردار کے ذریعہ سے حق کی اس طرح عملی شہادت بن جاتا کہ اللہ تعالیٰ اسے دنیا میں کفر و شرک کا رویہ اپنانے والی اقوام کو سزا دینے کا اختیار دے دیتا. الشریعہ صفحہ 163۔اس اقتباس میں وہی نثری زبان استعمال کی گئی ہے جو محترم غامدی صاحب کا شعار ہے۔ سوال یہ ہے کہ نوح علیہ السلام کے زمانہ میں وہ گروہ کہاں تھا جو شہادت علی الناس کے درجہ پر فائز ہو کر کفر و طغیان میں مبتلا قوم کو سزا دیتا۔ سیدنا ابراہیم، یونس، ایوب، یعقوب، الیاس، یوسف، صالح، زکریہ، یحییٰ علیہم السلام بھی رسول تھے ان کے زمانہ میں بھی شہادت علی الناس پر فائز کسی گروہ کا ذکر قرآن میں نہیں اور سیدنا موسیٰ کے ذکر سے تو قرآن بھرا پڑا ہے انہیں بھی کوئی جماعت نہیں ملی جو شہادت علی الناس کے منصب پر فائز ہو۔ کیا محمد ﷺ ہی اکلوتے رسول تھے؟ حق بات یہ ہے ہر مومن شہادت علی الناس کے منصب پر فائز ہوتا ہے اور یہ کوئی منصب نہیں بلکہ ذمہ داری ہے۔ سورہ عصر میں ہر انسان کو ایمان لانے عمل صالح کرنے اور حق بات کی تبلیغ کی ہدایت کی گئی ہے۔ جو آیات عمار صاحب نے اپنی دلیل کے طور پر پیش کی ہیں ان پانچ کی پانچ آیات میں بھی عمار صاحب کے لئے کوئی دلیل نہیں۔ پہلی آیت سورہ آلِ عمران کی 33 نمبر آیت ہے جو یوں ہے (1)"ان اللہ اصطفی آدم ونوح وال عمران علی العالمین o بے شک اللہ نے آدم اور نوح اور آل عمران کو دنیا والوں پر ترجیح دے کر منتخب کر لیا"۔ بتایئے اس آیت میں عمار صاحب کے لئے کیا

دلیل ہے؟اس آیت سے کہاں اور کیسے ثابت ہوتا ہے کہ جو شخص اس منتخب گروہ کی بات نہ مانے گا اسے دنیامیں قتل کیا جائے گا۔

(2)دوسری آیت سورہ بقرہ کی آیت 47ہے "یابنی اسرائیل اذکروا نعمتی انعمت علیکم وانی فضلتکم علی العالمین"o اے بنی اسرائیل میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر کی اور اس بات کو بھی کہ میں نے جہاں والوں پر تمہیں فضیلت بخشی"۔اس ناچیز کو عمار صاحب سے یہ امید نہ تھی کہ قرآن سے ایسی آیات نقل کریں گے جن میں ان کے دعویٰ سے متعلق ہلکا سا اشارہ بھی نہیں۔یہ کم علم اس آیت سے عمار صاحب کے استدلال کی وجہ جاننے سے قاصر ہے۔

(3)تیسری آیت سورہ مائدہ آیت نمبر20ہے "واذ قال موسیٰ لقومہ یاقوم اذکرونعمۃ اللہ علیکم اذجعل فیکم انبیاو جعلکم ملوکا واتاکم مالم یوت احدا من العالمینo اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم اپنے اوپر اللہ کی نعمت یاد کرو جب اس نے تمہارے اندر نبی بھیجے اور تمہیں بادشاہ بنایا اور تمہیں وہ کچھ دیا جو جہان والوں میں کسی کو نہیں دیا"۔محترم عمار بتائیں کہ اس آیت میں اس منصب شہادت علی الناس کا کوئی اشارہ بھی ہے کہ اگر کوئی ایمان نہ لائے تو اسے دنیامیں محض اس کے کفر کی وجہ سے سزادی جائے۔ناچیز کی رائے میں یہ قرآن کی آیات کا غلط استعمال ہے۔

(4)چوتھا مقام محترم عمار صاحب نے سورہ حج سے پیش کیا ہے سورہ حج کی آیت 78 میں ہے " وجاھدوافی اللہ حق جھادہ ھواجتکم وما جعل علیکم فی الدین من حرج ملۃ ابیکم ابراہیم ھو المسلمین من قبل وفی ھٰذا لیکون الرسول شھیدا علیکم و تکونوا شھدا علی الناس فاقیمو الصلاۃ واٰتوالزکوٰۃ واعتصموا باللہ ھو مولاکم منھم المولیٰ و نعم النصیرo اور اللہ کے راستے میں ایسے جدجہد کرو جیسے جدوجہد کرنے کا حق ہے۔اسی نے تم کو چن لیا اور دین کے معاملہ میں تم پر کوئی تنگی نہیں ڈالی اپنے باپ ابراہیم کے دین کے پیرو بن جاؤ اس نے اس پہلے بھی اور اس زمانہ میں بھی تمہیں مسلم کا لقب دیا اور اللہ نے تمہیں چن لیا ہے تاکہ رسول تو تم پر حق کی گواہی دیں اور تم اقوام عالم پر اس کے گواہ بن جاؤ پس نماز قائم کرتے رہو زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ کے سہارے کو مضبوطی سے تھامے رہو وہی تمہارا آقا ہے اور کیا ہی اچھا آقا اور کیسا بہترین مددگار ہے"۔

عمار صاحب مبارکباد کے مستحق ہیں کہ بالآخر انہیں ایک آیت پیش کرنے کی سعادت ہوئی جس میں جہاد کا ذکر ہے لطف کی بات یہ ہے کہ عمار صاحب نے جہاد کا ترجمہ جدوجہد کیا ہے قتال نہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا صحابہ کرام نے تمام دنیا کے اقوام پر شہادت قائم کر دی تھی؟ کیونکہ 'الناس' کا ترجمہ عمار صاحب نے اقوام عالم ہی کیا ہے۔ اس طرح اس آیت سے عمار صاحب کا استدلال بھی غیر متعلق ہے کہ اس میں وہ قانون بیان ہی نہیں ہوا جو عمار صاحب بیان کر رہے ہیں۔

(5) پانچواں مقام سورہ بقرہ آیت 143 ہے "ولذاں جعلکم امت وسطا لتکونوا شھدا علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیدا o اسی طرح ہم نے تمہیں درمیان کا گروہ بنایا تاکہ تم لوگوں پر اس دین کے گواہ بن جاؤ اور رسول تم پر اس کی گواہی دیں"۔ سوال یہ ہے کہ کیا شہادت اس طرح دی جاتی ہے کہ دیکھو ہم نے دین پہنچا بھی دیا اور عمل کر کے دکھا بھی دیا اب یا تو ہمارے دین میں شامل ہو جاؤ یا قتل ہونے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اسے ہم تجاہل عارفانہ کے سوا اور کیا کہہ سکتے ہیں۔

قارئینِ محترم درج بالا پانچوں مقامات میں کہیں قتال یا قوموں کو سزا دینے کا ذکر نہیں نہیں تو عمار صاحب کو سوچنا چاہیئے ان کی فکر کی دلیل قرآن میں کہاں ہے؟ مناسب معلوم ہوتا ہے شہادت سے متعلق قرآن سے دو آیات پیش کر دی جائیں۔ جن سے فکر عمار کی تردید ہو جاتی ہے پہلا مقام سورہ زمر آیت 69 ہے "واثرمت الا احق بلور بربھا ووضح الکتٰب و جی بالنبین والشھدا و قضی بینھم بالحق وھم لا یظلمون o اور سمین اپنے رب کے نور سے جگمگا اٹھے گی اور (اعمال کی) کتاب (کھول کر) رکھ دی جائے گی اور انبیا (اور) گواہ حاضر کئے جائیں گے اور ان میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا اور بے انصافی نہ کی جائے گی"

محترم عمار صاحب سے سوال ہے اس آیت میں قیامت تک آنے والے مبلغین و دعاۃ شامل ہیں یا نہیں۔ ناچیز کی رائے میں تو تمام انبیا اور قیامت تک آنے والے مبلغین شھدا کے مصداق ہیں صرف اصحاب رسول نہیں دوسری آیت سورہ مائدہ آیت 8 ہے "یا ایھا الذین اٰمنوا کونوا قوامین للہ شھدا بالقسط ولا یجر منکم شنان قوم علی الا تعدلوا اعدلو ھوا قرب لتقویٰ واتقوا اللہ ان اللہ خبیر بما تعملون o اے ایمان والو اللہ کے لئے ایمان کی گواہی دینے کے لئے تیار ہو جایا کرو اور لوگوں کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ انصاف چھوڑ دو۔ انصاف کیا کرو کہ یہی پرہیز گاری کی بات ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو کچھ شک نہیں کہ اللہ تمہارے سب اعمال سے باخبر ہے"۔

اس آیت میں اہل ایمان کو حق کی گواہی انصاف کے ساتھ دینے کا حکم ہے تو کیا یہ شہدا صرف صحابہ ہی ہیں۔اور یہ انساف کے ساتھ حق کی گواہی صرف صحابہ نے ہی دینی ہے؟ ان دونوں آیات میں قیامت تک آنے والے اہل ایمان کو شہدا کہا گیا ہے۔ قارئین سے درخواست ہے عمار صاحب کی پیش کردہ تمام آیات کو غور سے پڑھیں پھر ان کے دعویٰ اور پیش کردہ آیات میں مطابقت تلاش کریں۔اگر خود فیصلہ کرنے میں دقت پیش آئے تو کسی بھی تفسیر سے ان آیات کی تفسیر پڑھ لیجئے انشاء اللہ واضح ہو جائیگا کہ عمار صاحب نے جتنی آیات اپنے مقالہ میں پیش کی ہیں سبھی غیر متعلق ہیں۔

صفحہ 165 پر شاہ ولی اللہ کی کتاب حجۃ البالغۃ سے ایک اقتباس عمار صاحب نے اپنی فکری تائید کے لئے پیش کیا ہے اس طالب علم کے نزدیک قانون کے اثبات کیلئے صرف قرآن ہی حجت قطعی ہے اس کی تائید میں روایات ہوں یا علماء کے اقوال ہوں تو قبول کئے جاسکتے ہیں مگر اس وقت جب قرآن میں اس کی بنیاد ہو اور یہ طالب علم تفصیل سے لکھ آیا ہے کہ پورے قرآن میں محترم عمار صاحب کے لئے کوئی دلیل نہیں حتیٰ کہ جو روایات آں محترم نے پیش کی ہیں وہ بھی ان کی موئد نہیں۔یہی حال شاہ ولی اللہؒ کی اس عبارت کا بھی ہے کہ اس میں محترم عمار صاحب کے لئے کوئی دلیل نہیں شاہ صاحب فرماتے ہیں" نبی ﷺ کو امیین میں مبعوث کیا گیا جو ملت اسمٰعیل کے پیروکار تھے۔اللہ نے اپنے علم میں پہلے ہی طے فرمادیا تھا کہ یہی امیین آپؐ کے دین کی مدد کے لئے کھڑے ہوں گے۔وہی آپ کے بعد لوگوں پر اللہ کے گواہ ہوں گے اور وہی آپؐ کی امت میں خلفاء کی ذمہ داریاں انجام دیں گے"

محترم عمار صاحب ہماری راہنمائی فرمائیں شاہ صاحب نے کہاں لکھاہے کہ اس شہادت کا تقاضہ ہو گا کہ اقوام عالم سے ان کے کفر وطغیان کی بنیاد پر صحابہ کرام جنگ کرکے انہیں سزادیں گے؟ اس اقتباس میں تو بتایا گیاہے کہ امیین دین کی مدد کے لئے کھڑے ہوں گے تو اس میں کیا شک ہے کہ صحابہ کرامؓ نے اسلام کی وجہ سے ظلم وستم برداشت کئے اور گھر بار اہل وعیال سب کچھ لا الہ کی وجہ سے چھوڑااور جب مشرکین وکفار نے رسول اللہ پر جنگ مسلط کی تو رسول اللہ کے شانہ بشانہ جان کی بازی بھی لگائی۔یوں یہ اقتباس بھی محترم عمار صاحب کی فکر کو کوئی سہارا نہیں دے رہا۔مزید عرض کرنا ہے کہ شاہ ولی اللہ تو اس قانون رسالت کو جانتے ہی نہیں جو حافظ صاحب بیان فرمارہے ہیں۔

صفحہ 166-165 پر اپنی بات کو ثابت کرنے کے لئے حافظ عمار صاحب نے سورہ حج کی مکمل تفسیر چند الفاظ میں بیان فرمائی ہے اور پس منظر کا سہارا لیا ہے۔ مگر وہ جو کچھ بھی کر لیں نہ پس منظر نہ شانِ نزول اور نہ ہی پوری سورہ حج انکی کسی قسم کی مدد کرتی ہے اور وجہ صرف ایک ہی ہے کہ بنیادی طور پر حافظ صاحب کا مقدمہ ہی غلط ہے۔

مزید فرماتے ہیں (حج) آیت 41-39 میں مکہ سے نکالے جانے والے مہاجرین کو ظلم کے خلاف تلوار اٹھانے کی اجازت دی گئی ہے اور ان سے نصرت کا وعدہ کرنے کے ساتھ یہ ذمہ داری ان پر وضح کی گئی ہے کہ جب انہیں سرزمین عرب میں اقتدار مل جائے تو وہ نماز کی ادائیگی، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اہتمام کریں گے؟

یہ طالب علم عرض کرتا ہے کہ یہ اقتباس دو وجوہ سے عمار صاحب کے مفید مطلب نہیں پہلی یہ کہ جب آپ نے مان لیا کہ مہاجرین کو ظلم کے خلاف تلوار اٹھانے کی اجازت دی گئی تو اپنے سارے مضمون کو غلط مان لیا آپ تو مقالہ لکھ ہی یہ بتانے کے لئے رہے ہیں کہ "کفر کو مٹانے اور غلبہ دین کے لئے بھی رسول اور اصحابِ رسول نے قتال کیا اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ صرف دفاع اور فتنہ کے خلاف رسول اللہ نے قتال کیا انہیں آپ ہدف تنقید بنا رہے ہیں"۔ یوں اس اقتباس کا پہلا حصہ آپ کے خلاف حجت ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ سورہ حج کی 42-41 نمبر آیات میں صحابہ پر کوئی ذمہ داری نہیں ڈالی گئی بلکہ خبر دی گئی ہے کہ "اللہ ضرور ان کی مدد کرے گا جو اس کی مدد کریں گے۔ بیشک اللہ نہایت قوت والا غالب آنے والا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار دیں گے تو نماز قائم کریں گے اور زکوۃ دیں گے بھلائی کا حکم دیں گے اور معاملات کا انجام اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے"

بتایئے ان آیات میں صحابہ پر کونسی ذمہ داری ڈالی گئی ہے؟ محترم عمار صاحب یقیناً ذمہ داری اور خبر میں فرق بھی جانتے ہوں گے۔ اس سادگی کو تجاہل عارفانہ کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ آخر میں پھر عرض ہے کہ بالفرض صحابہ شہادت علی الناس کے منصب پر فائز بھی تھے تو قوموں کو سزا دینے کے اختیار کی بات کس آیت میں ہے؟ اصل بات وہی ہے کہ صحابہ اگر شہادت علی الناس کے منصب پر فائز بھی تھے تو قوموں کو سزا دینے کے اختیار کی بات کس آیت میں ہے؟ حق یہ ہے کہ رسول، اصحابِ رسول اور قیامت تک آنے والے صالحین کی ذمہ داری تبلیغ بالقرآن ہے" سورہ ق آیت 45 "اور قتال طغیان پر آمادہ قوم سے۔ مجرّد کفر کی سزا دینے کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہے وہ بھی اللہ نے قرآن میں بتا دیا ہے کہ دنیا میں نہیں آخرت میں۔ کفر

کی سزا کا اختیار نبی کو بھی نہیں چہ جائیکہ صحابہ کو۔ یہاں ایک آیت نقل کرتا ہوں اور چند آیات کے حوالے لکھ دیتا ہوں قارئین قرآن کھول کر دیکھ لیں۔ وَقُلِ الْحَقُّ مِن رَّبِّكُمْ ۖ فَمَن شَاءَ فَلْيُؤْمِن وَمَن شَاءَ فَلْيَكْفُرْ ۚ إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ نَارًا أَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ۚ وَإِن يَسْتَغِيثُوا يُغَاثُوا بِمَاءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوهَ ۚ بِئْسَ الشَّرَابُ وَسَاءَتْ مُرْتَفَقًاo اور کہہ دو کہ (لوگو) یہ قرآن تمہارے پروردگار کی طرف سے حق ہے جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کافر رہے ہم نے ظالموں کے لئے دوزخ کی آگ تیار کر رکھی ہے ....۔ یہ مکی آیت ہے اور اس میں ایمان اور کفر پر ہر انسان کو اختیار دیا گیا ہے اور کافروں کو دوزخ کی آگ سے ڈرایا گیا ہے یہ مقام بالکل صاف طور پر بتا دیتا ہے کہ دنیا میں ہر انسان کو اختیار دیا گیا ہے چاہے ایمان لائے چاہے کفر اختیار کرے اور کفر کی سزا، جہنم، بتا بھی دی گئی۔ اب قارئین سوچیں اللہ تعالیٰ تو انسان کو اختیار دے رہا ہے اور ہمارے علماء اس اختیار کو انسان سے چھین رہے ہیں.... کبھی قانون رسالت بیان کر کے صرف اہل مکہ کے لئے، کبھی جزیہ والی آیت کی غلط تفسیر کر کے اہل کتاب کو ذلیل کر کے اور کبھی صحابہ کو شھادت علی الناس کے منصب پر فائز کر کے تمام دنیا کی اقوام سے جبری ایمان کا قانون بیان کر کے۔ مزید چند آیات کے حوالے، جو پہلے بھی پیش کئے جا چکے ہیں دوبارہ ملاحظہ ہوں... سورہ یونس 99، سورہ بقرہ 256، الانعام 35، ھود 119-118، الانعام 107۔

صفحہ 167 پر فرماتے ہیں" قرآن مجید کے کسی طالب علم سے یہ بات مخفی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کے مختلف مقامات پر متنوع اسالیب میں جس جماعت کو اللہ تعالیٰ کی منتخب کردہ جماعت قرار دے کر اس کے ایمان و عمل کو نمونہ قرار دیا ہے وہ صحابہ ہی کی جماعت ہے" اور دلیل کے طور پر سورہ آلِ عمران آیت 110 اور 111 پیش کی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ صحابہ کی جماعت کے اللہ کی پسندیدہ جماعت ہونے سے انہیں کفر میں مبتلا اقوام کو سزا کا اختیار کیسے اور کس آیت سے ملتا ہے؟ آپ تو قانون لکھ رہے ہیں کہ اللہ کے منتخب گروہ کو کفر وطغیان میں مبتلا اقوام کو سزا دینے کا اختیار مل جاتا ہے، وہ آیت قرآن میں کہاں ہے؟ ہمارا ایمان ہے کہ صحابہ کرام کو کسی بھی جماعت یا قوم کو سزا دینے کا کوئی اختیار قرآن نہیں دیتا۔ صحابہ نے صرف ان سے جنگ کی جنھوں نے ان پر جنگ مسلط کی کیونکہ قرآن صرف ظالموں اور فسادیوں سے ہی جنگ کا حکم دیتا ہے۔ بقرہ 190 تا 193 اور سورہ حج 40-39 میں آیات قتال سے یہی ثابت ہو رہا ہے۔ عمار صاحب نے سورہ آل عمران 110 اور 111 سے صرف جماعت صحابہ مراد لینے کے لئے تفسیر طبری سے سیدنا عمر کی روایت بیان کی ہے کہ ان آیات سے صرف جماعت صحابہ ہی مراد ہے۔ عمار صاحب کو معلوم ہو گا کہ امام احمد بن حنبل نے تفسیری روایات کو بے اصل کہا ہے۔ ہمیں یہ بات تسلیم ہے کہ بہترین امت -

خیر امت کے اصل مصداق صحابہ کرام ہی تھے دیکھیں پورے قرآن کے اول مخاطبین اہل مکہ واہل مدینہ تھے مگر جیسے قرآن کے کل احکام قیامت تک آنے والوں کے لئے ہیں اسی طرح خیر امت میں بھی قیامت تک آنے والے مصلحین شامل ہیں مزید یہ کہ ان آیات میں بھی عمار صاحب کے دعویٰ کی دلیل موجود نہیں۔

صفحہ 168 پر مسند احمد سے ابن عباس کا اثر نقل کیا پھر ضحاک تابعی کا قول تفسیر طبری سے۔ ابن عبدالبر کا قول الاستعیاب سے نقل کیا ان تمام کتابوں میں صحابہ اور تابعین کے اقوال ہیں کہ خیر امت سے مراد صحابہ ہیں۔۔۔ بتایئے اس سے کس کو انکار ہے مگر صحابہ کے خیر امت ہونے سے کیسے ثابت ہوا کہ انہیں کافر اقوام کو علت کفر کی بنا پر سزا دینے کا اختیار تھا؟ خیر امت کا یہ معنیٰ اس ناچیز طالب علم کے لئے تو نیا ہے ہی عربی لغت میں بھی شاندار اضافہ ہے۔ لہٰذا یہ سارے اقوال (جن کی سندی حیثیت بہت ہی کمزور ہے) بھی حافظ عمار صاحب کے مفید مطلب نہیں۔ یہ دلیل ہے کہ قرآن تو رہا ایک طرف، صحیح احادیث بھی رہیں الگ، ہمارے فاضل دوست کے پاس تو ذخیرہ روایات و تاریخ سے بھی کوئی دلیل نہیں۔ اگرچہ ایمانیات اور قانون کے ضمن میں صرف قرآن ہی حجت ہوتا ہے۔ احناف تو صحیح حدیث کو بھی عقیدہ کے معاملہ میں معتبر نہیں مانتے کہ خبرِ واحد کو ظنی کہتے ہیں۔ عمار صاحب کو کوئی دلیل نہیں ملی حتیٰ کہ تاریخ سے بھی نہیں۔

غلبہ دین کا وعدہ اور اس کی تکمیل

غلبہ دین کا وعدہ اور اس کی تکمیل! کی سرخی کے ذیل میں لکھا ہے "قرآن مجید میں نبی ﷺ کی بعثت کا ہدف یہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ کے دین کا غلبہ قائم کر دیا جائے" الشریعہ صفحہ 184۔

قرآن کریم سے یہ طالب علم 24 مقامات پیش کر چکا ہے جن میں رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا مقصد تبلیغ و تعلیم قرآن بیان کیا گیا ہے۔ جو آیت سورہ توبہ کی محترم عمار صاحب پیش فرما رہے ہیں اس میں نبی ﷺ کا کوئی ہدف سرے سے بیان ہی نہیں کیا گیا۔ اس آیت (توبہ 33) میں تو خبر دی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ نے مشیت بیان کی ہے کہ کفار کو کتنا ہی بُرا لگے وہ اللہ کے نور (قرآن) کو پھونکوں سے بجھانا چاہتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ اپنے نور کو پورا کر کے رہے گا۔ اس آیت پر یہ طالب علم پچھلے صفحات میں تفصیلی کلام کر آیا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ الھدیٰ سے مراد قرآن، دین حق سے مراد قرآن اور اس سے پہلی آیت میں نور سے بھی

قرآن ہی مراد ہے۔ اور اسے تمام ادیان پر اللہ نے غالب کرنا ہے نہ کہ رسول اللہ نے کیونکہ ایک تو اس آیت کا اسلوب خبریہ ہے اور خبر میں کوئی حکم بیان ہی نہیں کیا جاتا، کوئی ذمہ داری سونپی ہی نہیں جاتی دوسرے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں 'ان یتم نورہ' اللہ اپنے نور کا اتمام کرے گا۔ دیکھا آپ نے اس مقام پر رسول اللہ کی کوئی ذمہ داری بیان ہی نہیں ہوئی یوں قرآن کے اس مقام کو سمجھنے میں بھی محترم عمار صاحب سے لغزش ہوئی ہے اگر انہیں ہماری رائے سے اختلاف ہو تو پھر وہ ہمارے دلائل کی غلطی واضح کریں انشاءاللہ ہمیں اپنی غلطی ماننے میں کوئی جھجک نہ ہو گی۔

آیت نقل کی جاتی ہے جس سے عمار صاحب ہدف نبوت متعین کرنا چاہتے ہیں هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَo(التوبہ 33) اس آیت کی تفسیر اس طالب علم نے بیان کر دی ہے۔ اس آیت میں مسلمانوں کے غلبہ کی کوئی بات نہیں کی گئی دین حق کے غلبہ کی بات کی گئی ہے اور دین حق ظاہر ہے قرآن مجید کی صورت میں نبی اکرم ﷺ لیکر آئے تھے لہذا یہ دین حق نزول قرآن کے وقت سے لے کر قیامت تک غالب ہی رہے گا کہ قرآن سے بہتر دین اب آ ہی نہیں سکتا۔ ہمارے بیشتر اہل علم نے اس آیت کی مختلف تفاسیر کی ہیں۔ کچھ اسے سرزمین عرب تک محدود سمجھتے ہیں، جیسے عمار ناصر صاحب، اور کچھ اسے پوری دنیا پر اسلام کے غلبہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ بات انہیں کی درست ہے جو اسے پوری دنیا پر غلبہ اسلام سے متعلق جانتے ہیں۔ لیکن غلطی تو یہ دوسری طرح کے مفسرین بھی وہی کرتے ہیں کہ وہ بھی اس آیت کو مسلمانوں کے غلب آنے سے متعلق ہی جانتے ہیں۔ قارئین قرآن پر یہ بات یقیناواضح ہو گی کہ مشرکین مکہ رسول اللہ کے مخالف نہ تھے بلکہ ان کی دشمنی صرف قرآن سے تھی۔ سوریونس آیت 15، سورہ الانعام آیت 33 اور سورہ حم سجدہ آیت 26 اس کی واضح دلیل ہیں۔ لہذا انہیں سزا قانون رسالت کے انکار کی وجہ سے نہیں ملی بلکہ وہ تو قرآن سے دشمنی کی وجہ سے اللہ کے غضب کا شکار ہوئے۔

اس آیت سے پورے عرب پر مسلمانوں کا غلبہ ثابت کرنے کے لئے محترم عمار صاحب نے چند روایات بھی پیش کی ہیں ان روایات پر تبصرہ پیش ہے:

(1) پہلی روایت صحیح مسلم سے یوں ہے "ام المومنین سیدہ عائشہ رسول اللہ سے روایت کرتی ہیں میں نے رسول اللہ کو کہتے ہوئے سنا کہ دن اور رات کا سلسلہ ختم ہونے سے پہلے پھر وہ وقت آئے گا کہ لات وعزیٰ کی پوجا شروع کر دی جائے گی۔ میں نے

کہا یارسول اللہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری کہ ھوالذی ارسل رسولہ بالھدٰی ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون o تو میں یہ سمجھی کہ ایک مرتبہ غلبہ حاصل ہونے کے بعد یہ غلبہ ہمیشہ قائم رہے گا۔ رسول اللہ نے فرمایا جب تک اللہ چاہے گا یہ دین غالب رہے گا لیکن پھر اللہ تعالیٰ ایک پاکیزہ ہوا بھیجیں گے جو ہر اس شخص کو وفات دے دے گی جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہو۔ اس کے بعد وہی لوگ رہ جائیں گے جن کے دل میں ذرہ برابر بھی خیر نہ ہوگی پھر وہ اپنے آباؤ اجداد کے دین کی طرف پلٹ جائیں گے۔ (الشریعۃ صفحہ 185) اس روایت سے بناء استدلال یہ ہے کہ اس میں صحابہ کے غلبہ کا وعدہ ہے۔ عرض ہے اگر وعدہ ہی ہے تو پھر نبی کریم ﷺ کا ہدف تو یہ آیت رہی ہی نہیں فھو المطلوب... دوسرے اس آیت کا مضمون نصوص قرآن کے خلاف ہے سو یہ ممکن ہی نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کسی آیت کی ایسی تفسیر کریں۔ اسی وجہ سے تمام محدثین کا اصول ہے کہ خلاف قرآن روایت قبول نہیں ہوتی۔ قرآن میں تین مقامات پر انسانوں میں اختلاف کا قیامت تک رہنا اللہ تعالیٰ نے بتادیا ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ سب بھلے باایمان لوگ مرجائیں اور برے لوگ رہ جائیں۔ اس سلسلے میں پہلی آیت سورہ آلِ عمران کی آیت نمبر 55 ہے "اذقال اللہ یعیسٰی انی متوفیک ورفعک الی ومطھرک من الذین کفروا وجاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الی یوم القیمۃ ثم الی مرجعکم فاحکم بینکم فیما کنتم فیہ تختلفون o اور جب اللہ نے فرمایا اے عیسٰی میں تمہیں وفات دوں گا اور تمہیں اپنی طرف اٹھاؤں گا اور تمہیں کافروں سے پاک کردوں گا اور تمہارے ماننے والوں کو نہ ماننے والوں پر قیامت تک غالب رکھوں گا پھر تم سب میری طرف لوٹ کر آؤ گے تو تمہارے اختلاف کا فیصلہ کروں گا" اس آیت میں عیسٰی کے ماننے والوں اور نہ ماننے والوں کا ذکر ہے جو قیامت تک رہیں گے لہذا مسلم کی روایت کسی طور قبول نہیں کی جاسکتی اگرچہ روایت میں عمار صاحب کے لئے کوئی دلیل نہیں کیونکہ روایت میں کہیں نہیں کہا گیا کہ اس دین کو غالب کرنے کے لئے رسول اور اصحاب رسول پر قتال کرنا فرض ہے کیونکہ کسی بھی جماعت کو بذریعہ دعوت و تبلیغ بھی غلبہ حاصل ہوسکتا ہے۔ یاد رہے قرآن میں کل ایمانیات بیان کردی گئی ہیں اور قرآن میں اس بات کا اشارہ تک نہیں کہ کوئی ایسی باد سموم چلے گی جو کل اہل ایمان کا خاتمہ کر دے گی۔

دوسری آیت سورہ مائدہ کی آیت 64 ہے" وقالت الیھود ید اللہ مغلولۃ غلت ایدیھم و لعنوا بما قالوا بل یدہ مبسوطتن ینفق کیف یشاء ولیزیدن کثیرا منھم ما انزل الیک من ربک طغیاناً و کفرا

والقينا بينهم العداوة والبغضا الی یوم القیمۃ کلما اوقدوا نارا للحرب اطفا ھا اللہ ویسعون فی الارض فسادا واللہ لا یحب المفسدینo........اور ہم نے ان (اہل کتاب) میں قیامت تک کے لئے بغض و عداوت ڈال دی ہے یہ جب لڑائی کے لئے آگ بھڑکاتے ہیں اللہ اس کو بجھا دیتا ہے اور یہ ملک میں فساد مچاتے ہیں اور اللہ فساد کرنیوالوں کو دوست نہیں رکھتا" یہ آیت بھی خبر دیتی ہے کہ اہل کتاب قیامت تک دنیا میں رہیں گے اور ان میں بغض وعداوت بھی رہے گا۔ تو روایت کیسے بتا سکتی ہے کہ قیامت سے پہلے سارے اچھے لوگ مر جائیں گے۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ قرآن خبر دیتا ہے کہ قیامت اچانک آئے گی تو جو چیز اچانک آئے اس کی کوئی نشانی روایت میں کیسے بتائی جا سکتی ہے۔ یہ طالب علم قیامت تک اختلاف سے متعلق تیسری آیت پیش کرکے قرآن سے فقط دو آیات اس روایت مسلم کی تردید میں علاماتِ قیامت سے متعلق پیش کرے گا۔ انشاء اللہ: تیسری آیت سورہ ھود کی آیت 118 ہے "ولو شاء ربک لجعل الناس امۃ واحدۃ ولا یز الون مختلفینo اگر تمہارا رب چاہتا تو تمام لوگوں کو ایک ہی جماعت کر دیتا لیکن وہ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے"۔ اس آیت میں بھی تمام لوگوں (بھلے برے) کا دنیا میں ہمیشہ رہنا ثابت ہوتا ہے۔ جو قرآن قیامت تک اختلاف کی خبر دیتا ہے اسے بتانا چاہیئے تھا کہ قیامت سے پہلے کوئی ہوا بھی چلے گی جو تمام اہل ایمان کو موت دے دے گی۔ حسب وعدہ اب یہ طالب علم قرآن کی دو آیات سے بتائے گا کہ قیامت کی کوئی بھی نشانی رسول اللہ کو بتائی نہ گئی اور یہ کہ قیامت تو کسی بھی لمحہ آ سکتی ہے۔ لہذا اگر ابھی کسی ہوا کا چلنا باقی ہے جو تمام نیک لوگوں کو موت سے ہمکنار کر دے گی تو پھر یقینا اس سے پہلے تو قیامت آ نہیں سکتی۔ پہلی آیت یوں ہے: "ان الساعۃ اتیۃ اکاد اخفیھا لتجزی کل نفس بما تسعیo قیامت یقینا آنے والی ہے میں چاہتا ہوں کہ اس (کے وقت) کو پوشیدہ رکھوں تاکہ ہر شخص جو کوشش کرے اس کا بدلہ پائے سورہ طٰہٰ آیت 15۔ اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے پوشیدہ رکھنا چاہتا ہے تو بتایئے جس بات کو اللہ پوشیدہ رکھنا چاہے اسکی کوئی بھی نشانی کیسے بتائی جا سکتی ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے اپنی کتاب بوارق الغیب میں لکھا ہے کہ قیامت کا علم اتنا مخفی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اگر ممکن ہوتا تو اسے میں اپنے آپ سے بھی چھپا لیتا۔ اس سے قارئین کرام خود اندازہ لگالیں کہ قیامت کا علم کتنا مخفی رکھا گیا ہے۔ دوسری آیت اس سلسلے میں فیصلہ کن ہے کہ رسول اللہ کو قیامت سے متعلق کسی قسم کا کوئی علم نہیں دیا گیا تھا یہ طالب علم جانتا ہے کہ طبقہ علماء کو اس خاکسار کی یہ بات جسارت معلوم ہوگی مگر قرآن کی اتنی واضح تعلیم کو نہ ماننا بھی اللہ تعالیٰ کی

بار گاہ میں بے ادبی ہے جو علماء غور نہ کر سکے ان کے لئے دعا ہی کی جا سکتی ہے مگر اس طالب علم کو اطمینان ہے کہ جو بات نصِ قرآن سے ثابت ہو اسے ماننا ہی ایمان ہے۔ آیت درجِ ذیل ہے:

''یسئلونک عن الساعۃ ایان مر سہا قل انما علمھا عند

ربی لا یجلیھا لوقتھاالا ھو ثقلت فی السمٰوٰت والارض لا تا تیکم الا بغتۃ یسئلونک کانک حفی عنہا قل انما علمھا عند اللہ ولکن اکثر الناس لا یعلمونo (الاعراف 187) یہ لوگ تم سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ اس کا وقوعہ کب ہو گا کہہ دو اس کا علم تو میرے رب ہی کو ہے وہی اسے اس کے وقت پر ظاہر کرے گا وہ آسمان و زمین پر ایک بھاری بات ہو گی اور اچانک تم پر آ پڑے گی۔ یہ تم سے اس طرح دریافت کرتے ہیں گویا تم اس سے بخوبی واقف ہو کہو کہ اس کا علم تو اللہ ہی کو ہے مگر اکثر لوگ (یہ بات) نہیں جانتے''۔

یہ آیت بھی فیصلہ کن ہے کہ رسول اللہ کو نہ ہی قیامت کا علم دیا گیا اور نہ ہی کوئی نشانی بتائی گئی ایک آیت میں دو جگہ بتایا گیا ہے کہ قیامت کا علم صرف اللہ ہی کو ہے۔ پھر بتایا بہت سخت وقت ہو گا اور اچانک آئے گی۔ جو چیز بھی اچانک آئے اس کی کوئی نشانی بتائی جا ہی نہیں سکتی۔ پھر یہ بھی اس آیت نے بتا دیا کہ رسول اللہ اس سے واقف ہی نہیں مگر اس کے باوجود سوائے معدودے چند تمام امت علامات قیامت مانتی بھی ہے اور جانتی بھی ہے۔ معلوم ہے کیوں... اس کا جواب بھی آیت کے آخر میں موجود ہے' ولکن اکثر الناس لا یعلمون'o اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کامل سے بتا رہے ہیں کہ یہ بات اکثر انسان نہیں جانتے۔ صدق اللہ العظیم۔ سورہ زخرف آیت 43، سورہ یوسف آیت 107، سورہ انعام آیت 32، سورہ حج آیت 55، اور سورہ نازعات آیت 42، میں قیامت کا اچانک آنا اور رسول اللہ کو قیامت کا علم نہ دیئے جانے کا ذکر ہے تو جو قیامت اچانک آئے گی جس کا علم چھپا لیا گیا ہے نبی کریم ﷺ کیسے اس کی نشانیاں جان سکتے تھے؟۔

قارئین محترم مسلم کی اس روایت پر قرآن کی روشنی میں تفصیلی کلام اس وجہ سے کیا گیا ہے کہ صفحہ 193 تک پیش کی گئی روایات اور علماء کی آراء میں سب سے مضبوط یہی دلیل ہے اور یہ دلیل جب کمزور ہے تو باقی دلائل پر تبصرہ کی گنجائش نہیں رہتی راقم کو اصرار ہے کہ وہ تمام روایات جو عمار صاحب پیش کر رہے ہیں وہ خود انہی کی فکری تردید کر رہی ہیں۔ مثلاً صفحہ 189 امام شافعی کی کتاب الام سے یہ اقتباس نقل کیا ہے" اسی طرح کفر و شرک کے داعی اور بڑے مذہبی گروہوں یعنی اہل کتاب اور

امیین عرب کو تو جبراً و قہراً اسلام پر مجبور کیا" یہ جملہ فی نفسہہ غلط ہونے کے باوجود عمار صاحب کی تردید کر رہا ہے کیونکہ عمار صاحب تو اہل مکہ کے لئے جبری اسلام کے قائل ہیں اور یہاں پورے عرب کی بات کی گئی ہے۔ عمار صاحب کو اگر قرآن سے ایک آیت میں اہل مکہ یا اہل عرب کے جبری اسلام سے متعلق مل جاتی تو اس قوم کی تمام روایات سے انہیں مدد مل سکتی تھی مگر واقعہ یہ ہے کہ قرآن اور حدیث میں وہ بات کہیں بھی نہیں کہی گئی جو غامدی صاحب نے عمار صاحب کو پڑھائی۔

غلبہ دین بطور دلیل نبوت

آگے صفحہ 193 پر ایک سرخی قائم کر کے یعنی غلبہ دین بطور دلیل نبوت! پھر وہی بات پیش کی ہے جس کی کوئی خفیف سی دلیل بھی قرآن میں نہیں۔ ناچیز طالب علم عمار صاحب کی پیش کی ہوئی یہ آیت اور کچھ روایات پر جو صفحہ 220 تک عمار صاحب نے پیش کی ہیں تبصرہ کر کے دکھائے گا کہ اس باب میں بھی آنجناب کے دلائل درست نہیں۔ قتال کی دوسری صورت (جس سے اس ناچیز کو اختلاف ہے) کے بارے میں لکھتے ہیں" دوسری صورت میں اللہ تعالیٰ کے ایک مخصوص قانون یعنی کسی قوم پر اتمام حجت کے بعد اس پر سزا نافذ کرنے کے لئے تلوار اٹھائی جاتی ہے" عمار صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ قانون پورے قرآن میں کہیں آیا ہی نہیں۔ عمار صاحب پر لازم تھا کہ تمہیدات کی بجائے کوئی ایک آیت نقل کر کے اس کا سادہ ترجمہ پیش کر دیتے مگر ظاہر ہے کہ چونکہ یہ قانون سرے سے قرآن میں بیان ہی نہیں ہوا اس لئے انہیں کھینچا تانی کرنی پڑ رہی ہے۔ عمار صاحب لکھتے ہیں" اللہ تعالیٰ مختلف زمانوں میں کفر و شرک اور بدکاری میں مبتلا قوموں کے محاسبہ اور مواخذہ کے لئے خود انسانوں میں سے منتخب گروہوں کو مامور فرماتے رہے ہیں جو خدا کے اذن کے تحت ایک مخصوص دائرہ اختیار میں بدکار قوموں کے خلاف جنگ کرتے اور قتل کرتے؛ سارت اور محکومی کی صورت میں انہیں ان کی بداعمالیوں کی سزا دیتے ہیں.......اور خدا ان کے دشمنوں کو ان کے مقابلے میں ذلیل ورسوا کر کے دنیا کی قوموں پر یہ واضح کر دیتا ہے کہ وہ دنیا میں خدا کے نمائندے ہیں اور ان کا اختیار کردہ دین ہی خدا کا پسندیدہ دین ہے" الشریعۃ صفحہ 194۔ یہ اقتباس محترم عمار صاحب کی تضاد فکری پر دلیل ہے۔ قرآن میں یہ بات کہیں نہیں کہ کفر و شرک اور بدکاری میں مبتلا اقوام کے مواخذے کے لئے بعض منتخب افراد کو اختیار دے دیتا ہے۔ جبکہ قرآن میں تصریح ہے کہ کفر و اسلام کے درمیان انتخاب میں انسانوں کو مکمل اختیار دیا گیا ہے البتہ بدکار قوم کو عذاب الٰہی گھیر لیتا ہے۔ اس قانون کی تفصیلی بحث آگے آ رہی ہے۔ پھر اس اقتباس میں اپنی فکر کے بر عکس یہ لکھ رہے ہیں" اور خدا ان کے

دشمنوں کو ان کے مقابلے میں ذلیل ورسوا کرکے'' ہم تنقید بھی تو اسی بات پر کررہے ہیں جو عمار صاحب نے صفحہ 107 پر لکھی ہے''(دوسرا مقصد جہاد یعنی قتال) دوسرے کفر وشرک کا خاتمہ اور باطل ادیان کے مقابلے میں اسلام کا غلبہ اور سربلندی کے لئے''اب یہاں صفحہ 194 پر ان منتخب افراد کے دشمنوں کے لفظ نے ثابت کردیا کہ انہیں یاد ہی نہیں رہا کہ وہ کیا لکھ رہے ہیں قرآن نے سورہ حج 40-39 اور بقرہ 190 تا 192 میں جارحین سے ہی جنگ کی اجازت دی ہے لہذا یہ اقتباس خود عمار صاحب کے خلاف ہی حجت ہے۔ اگر وہ سمجھیں تو! اس سلسلے میں انہوں نے چند آیات قرآن اور تورات سے استدلال کیا ہے۔ یہ طالب علم قرآنی آیات سے عمار صاحب کے استدلال پر نقد کرے گا۔ تورات کے بارے صرف اتنا ہی کہنا ہے کہ جو بات قرآن سے ثابت ہوگی تورات سے بھی ثابت شدہ مانی جائے گی۔ مزید یہ کہ تورات کے ان حوالوں میں بھی عمار صاحب کے لئے کوئی دلیل نہیں۔ جو کچھ ہم نے قرآن سے ثابت کیا ہے یقیناوہی کچھ تورات سے بھی ثابت ہوتا ہے۔

عمار صاحب صفحہ 195 پر قرآن سے یوں استدلال کرتے ہیں کہ '' بنی اسرائیل سے اللہ تعالیٰ نے یہ میثاق لیا تھا کہ وہ اللہ کے دیئے ہوئے دین وشریعت پر خود قائم رہتے ہوئے دنیا کی اقوام کے سامنے شہادت حق کا فریضہ انجام دیتے رہیں گے اس ذمہ داری کو پورا کرنے کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ کیا کہ وہ دنیا میں سرفراز وسربلند رہیں گے اور اپنے دشمنوں پر غالب رہیں گے۔ مگر اس سے انحراف کی صورت میں خدا کی طرف سے ذلت ورسوائی اور مغلوبیت ومحکومی کا عذاب ان پر مسلط کردیا جائے گا''عمار صاحب نے اپنی اس بات کو ثابت کرنے کے لئے 4 آیات نقل کی ہیں۔ مگر اس سے بھی عمار صاحب کا دعویٰ تو بہر حال ثابت نہیں ہوتا۔ ان آیات میں کسی قوم پر تلوار اُٹھانے کا ذکر ہی کہاں ہے؟ مقامِ صد افسوس ہے کہ قرآن کی آیات سے اس قدر غلط استدلال کیا جارہاہے مگر کسی نے نشاندہی تک نہ کی۔ زیرِ بحث آیات نقل کرکے ان کا مفہوم معہ تجزیہ پیش ہے:۔

''واذقال موسٰی لقومہ اذکرو انعمۃ اللہ علیکم اذانجٰکم من ا ٰل فرعن یسومونکم سوء العذاب ویذبحون ابنا ء کم ویستحیون نسائکم وفی ذلکم بلاء من ربکم عظیمo واذ تاذن ربکم لئن شکرتم لازیدنکم ولئن کفرتم ان عذابی لشدیدo(ابراہیم 7-6)اور جب موسٰی نے اپنی قوم سے کہا کہ اپنے اوپر اللہ کے احسان کو یاد کرو جب اس نے تمہیں آل فرعون سے نجات دلائی جو تمہیں بدترین عذاب چکھاتے تھے اور تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ چھوڑتے تھے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی

آزمائش تھی اور جب تمہارے رب نے یہ اعلان کیا کہ (اے بنی اسرائیل) اگر تم اپنے رب کی نعمتوں کا شکر ادا کرو گے تو تم پر مزید احسانات کروں گا اور اگر ناشکری کا رویہ اختیار کرو گے تو بیشک میرا عذاب دردناک ہے"۔ اس آیت میں اس قانون کا کوئی ذکر نہیں اور کسی قوم کو اتمام حجت کے بعد سزا دینے کے لئے تلوار اٹھانے کا ذکر بھی نہیں۔ اس آیت میں تو "شھادت کا فریضہ" ادا کرنے کا بھی ذکر تک نہیں بلکہ بنی اسرائیل کو فرعون کے ظلم سے نجات دینے کا ذکر ہے اس وجہ سے اللہ تعالیٰ انہیں اپنا یہ احسان یاد دلا کر شکر ادا کرنے کا حکم دے رہے ہیں اور ناشکری کی صورت میں سخت عذاب کی وعید سنائی جا رہی ہے اور دشمنوں پر غلبہ کا ذکر بھی اس آیت میں موجود نہیں۔ دوسرا مقام سورہ زخرف کی آیت 48 ہے "وما نریھم من اٰیۃ الا ھی اکبر من اختھا واخذنٰھم بالعذاب لعلھم یرجعونo اور ہم انہیں جو نشانی دکھاتے تھے دوسری سے بڑی ہوتی تھی اور ہم نے انہیں عذاب میں گرفتار کیا تاکہ لوٹ آئیں۔

اس آیت کو نقل کر کے لکھتے ہیں "امتحان وابتلا کہ مہلت ختم ہونے کے باوجود جب اہل مصر ایمان نہ لائے تو فرعون اور اس کے پورے لشکر کو دریائے نیل میں غرق کر دیا گیا۔ وقت کی عظیم سلطنت کی تباہی و بربادی کا یہ عبرتناک واقعہ اس وقت مصر کے ارد گرد بسنے والی قوموں کے لئے خدائے واحد کی قدرت و حقانیت اور بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ منصب فضیلت کی ایک بیّن دلیل بن گیا" الشریعۃ صفحہ 195۔

یہ سارا اقتباس ہی نا صرف حقیقت بلکہ قران کے بھی خلاف ہے۔ فرعون کو ہرگز کوئی مہلت نہ دی گئی تھی بلکہ اسے موسیٰ و ہارون دعوت دیتے رہے جب وہ نہ مانا تو کو اس کی غلامی اور ظلم سے نجات دلانے کی خاطر بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے نکل پڑے۔ نیز موسیٰؑ نے فرعون سے مطالبہ بھی کیا کہ بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے مگر وہ نہ مانا اور جب موسیٰؑ بنی اسرائیل کے ساتھ مصر سے نکلے تو فرعون ان کو مارنے کے لئے فوج کے ہمراہ ان کے تعاقب میں نکلا، اسی جرم کی پاداش میں اسے ڈبو دیا گیا۔ قرآن اس معاملے میں صریح ہے اور اس میں کسی اور رائے، جیسا کہ عمار صاحب لکھ رہے ہیں، کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔ دور جانے کی ضرورت نہیں اسی اقتباس کے تحت جو دو آیات عمار صاحب نے نقل کی ہیں وہ ہماری تائید کر رہی ہیں۔ پھر نوٹ کر لیجئے فرعون کو کفر کہ وجہ سے نہیں بلکہ بنی اسرائیل پر بدترین ظلم اور اللہ تعالیٰ کے دو انبیاء کے قتل کا ارادہ، اس پر عذاب کا سبب بنا۔ آیات ملاحظہ ہوں:۔

’’فلما اسفونا انتقمنا منھم فاغرقنھم اجمعینo فجعلنٰھم سلفا و مثلا للأخرینo(الزخرف56-55)
پس جب انہوں نے ہمیں غصہ دلایا تو ہم نے ان سے انتقام لیا اور ان سب کو غرق کر دیا۔ پھر ہم نے ان کو بعد میں آنے والوں کے لئے عبرت کا ایک نمونہ بنا دیا‘‘

عمار صاحب کی پیش کر دہ ان آیات میں ہماری دلیل موجود ہے کہ فرعون اور اس کے ساتھیوں نے اللہ کو غصہ دلایا تو انہیں نشانِ عبرت بنا دیا گیا۔ فرعون کو عذاب دینے کی وجہ قرآن نے کفر نہیں بتائی بلکہ وہ اللہ کی آیات کی تکذیب کر رہا تھا۔ اور بنی اسرائیل پر ظلم کر رہا تھا فرعون کے حالات جو قرآن میں آئے ہیں ان میں سے چند یہ ہیں سورہ آلِ عمران 11، سورہ اعراف 103 تا136، 141، سورہ انفال 54 اور سورہ یونس 90-83 وغیرہ یہ سب اور دیگر متعدد مقامات ہماری راہنمائی کر رہے ہیں کہ فرعون کو کفر کی وجہ سے نہیں بلکہ ظلم کی وجہ سے عذاب دیا گیا۔ باقی تفصیلی بحث آگے قوموں پر عذاب سے متعلق قانون میں آتی ہے۔ تورات کی جو عبارت عمار صاحب نے صفحہ 196 پر بیان کی ہے اس میں بھی یہ صراحت ہے کہ ’’ فرعون بنی اسرائیل کے لشکر کا پیچھا کرے گا‘‘ قرآن سے ہم نے بھی تو یہی ثابت کیا ہے کہ فرعون کو عذاب اس کے جارحانہ رویہ کی وجہ سے دیا گیا تھا۔ یوں تورات میں بھی حافظ عمار صاحب کے لئے کوئی دلیل نہیں۔

محترم عمار صاحب نے فرعون کے انجام سے بنی اسرائیل کی فضیلت بھی ثابت کی ہے انہیں غور کرنا چاہئے تھا بنی اسرائیل کی فضیلت کا ذکر اللہ تعالیٰ نے ان میں نبوت و حکومت کے تناظر میں کیا ہے نہ کہ فرعون کی بربادی کو بنی اسرائیل کی وجہ فضیلت بتایا گیا ہے۔ اس میں قیامت تک آنے والی قوموں کے لئے عبرت کا مقام تو ہے مگر فرعون کے انجام کو قرآن میں کہیں بھی بنی اسرائیل کے لئے وجہ فضیلت نہیں بتایا گیا۔ یہ دونوں الگ الگ باتیں ہیں۔

صفحہ 201 پر لکھتے ہیں ’’ مکی سورتوں میں اللہ تعالیٰ کا یہ قانون بیان کیا گیا ہے کہ اللہ کے رسولوں کے لئے ناکامی یا شکست کا کوئی سوال نہیں وہ ہر حال میں مخالفین پر غالب آکر رہتے ہیں۔

" ولقد سبقت کلمتنا لعبادنا المرسلینo انھم لھم المنصورونo وان جندنا لھم الغلبونo (الصٰفٰت 173-171) اور ہم اپنے جن بندوں کو رسول بنا کر بھیجتے ہیں ان کے بارے میں ہمارا یہ فیصلہ پہلے سے طے ہو چکا ہے کہ (دشمنوں کے مقابلے میں) انہی کی مدد کی جائے گی اور بیشک ہمارا لشکر ہی غالب آ کر رہے گا"

ان لننصر رسلنا والذین اٰمنوا فی الحیوۃ الدنیا و یوم یقوم الاشھادo (المؤمن40) یقینی بات ہے کہ ہم اپنے رسولوں اور ان پر ایمان لانے والوں کی دنیا میں بھی مدد کرتے ہیں اور اس دن بھی مدد کریں گے (جب خدا کی عدالت میں) گواہ کھڑے ہوں گے"۔ ان دونوں آیتوں سے جو بات ثابت ہے وہ یہی ہے جو محترم عمار نے لکھی ہے کہ اللہ کے رسول غالب آ کر رہتے ہیں۔ مگر ان آیات کا اس بات سے قطعاً کوئی تعلق نہیں کہ یہ غلبہ قوموں کو ان کے کفر کی پاداش میں سزا کے طور پر جنگ کر کے حاصل ہوتا ہے بلکہ قرآن میں تو صرف یہی ہے کہ جو جنگ کی ابتداء کریں۔ جو لڑنے آئیں۔ جو مذہبی جبر کی وجہ سے زیادتی کریں ان سے جنگ کی جائے۔ لہٰذا یہ آیات فکرِ عمار سے بالکل غیر متعلق ہیں۔ یوم شہادت والی بات نے یہ بھی واضح کر دیا کہ غلبہ سے فکری غلبہ مراد ہے نہ کہ مادی غلبہ۔

عمار صاحب نے صفحہ 201 پر سورہ القمر سے مزید تین آیات " اسی قانون رسالت" کے لئے پیش کی ہیں۔ حالانکہ پوری سورہ القمر میں لفظ رسول ہے ہی نہیں۔ آیات یوں ہیں" اکفار کم خیر من اولٰئکم ام لکم برائۃ فی الزبرo ام یقلون نحن جمیع منتصرo سیھزم الجمع ویو لون الدبرo (القمر45-43) کیا تمہارے یہ کفار ان پچھلوں سے بہتر ہیں یا ان کے حق میں صحیفوں میں (عذاب سے) محفوظ رہنے کی کوئی ضمانت ہے۔ کیا یہ کہتے ہیں کہ ہم فتح پانے والا گروہ ہیں، عنقریب اس گروہ کو شکست ہو گی اور یہ پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے" سورہ القمر میں بھی وہ قانون کہیں بیان نہیں ہوا جس کی عمار صاحب کو تلاش ہے۔ ان مقامات پر تو مقابلہ کی صورت میں رسولوں اور ان کے ساتھیوں کو فتح کی نوید دی گئی ہے۔ وہ قانون کہاں ہے کہ کفر و شرک کے خاتمہ اور غلبہ دین کے لئے تلوار سے سزا دی جائے؟۔ لطف تو یہ کہ سورہ القمر میں لفظ رسول آیا ہی نہیں۔

صفحہ 202 پر سورہ کوثر سے عمار صاحب نے تولیت کعبہ حاصل ہونے کی خبر دی ہے یہ کم علم حافظ صاحب کا تہہ دل سے ادب کرتا ہے اس لئے عمار صاحب کے اس استدلال پر تبصرہ سے معذور ہے۔ مگر اتنا ضرور کہنا ہے کہ آپ کو قرآن سے کوئی آیت

پیش کرنی چاہئے تھی جس میں قوموں کو کفر کی بنیاد پر رسولوں کی تلوار کے سامنا کی وعید سنائی گئی ہو۔ یہ طالب علم انتہائی دیانت داری سے کہتا ہے کہ ایسی کوئی بھی آیت اب تک حافظ عمار صاحب پیش نہیں کر سکے۔ کیونکہ قرآن کی 6236 آیات میں ایسی کوئی آیت ہے ہی نہیں۔

صفحہ 203 پر سورہ بقرہ 193 اور صف آیت 9 سے غلبہ دین پر استدلال فرمایا ہے ان دونوں مقامات پر تبصرہ گذر چکا ہے۔ سورہ مجادلہ کی دو آیات 21-20 رسولوں کے غلبہ کی دلیل کے لئے پیش کی ہیں یہ بات صحیح ہے مگر ان آیات سے بھی وہ قانون ثابت نہیں ہو رہا جو محترم عمار صاحب ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ رسولوں پر جب ظلم وزیادتی کی جائے اور جنگ مسلط کی جائے تو انکی مدد کی جاتی ہے۔

صفحہ 204 پر سورہ آل عمران کی دو آیات 13-12 غزوہ بدر سے متعلق پیش کی ہیں جو عمار صاحب

کے دعویٰ سے سراسر غیر متعلق ہیں۔ ان آیات میں پہلے تو کفار کے مغلوب ہونے اور پھر جہنم کی وعید سنائی ہے۔ اور کفر کی سزا تو ہے ہی جہنم اسکی دنیوی کوئی سزا نہیں۔ پھر مسلمانوں اور مشرکین کی جنگ کا ذکر ہے جس میں مسلمانوں کو اللہ کی مدد کی خبر دی گئی ہے۔ سوال تو یہ ہے کہ یہ جنگ ہوئی کیوں؟ کیا مشرکین کے شرک کی وجہ سے؟ نہیں بلکہ توحید کی وجہ سے کفار نے رسول اللہ پر جارحیت کی اور جنگ کی ابتدا مشرکین نے کی سورہ توبہ کی آیت 13 اس معاملہ میں فیصلہ کن ہے کہ جنگ کی ابتدا مشرکین نے کی۔ اگر "غلبہ دین اور کفر وشرک کے خاتمہ" کے لئے جنگ ہوتی تو پھر رسول اللہ کو از خود جنگ کی ابتدا کرنی چاہیئے تھی۔ توبہ آیت 13 یوں ہے: "الا تقاتلون قوما نکثوا ایمانھم وھموا باخراج الرسول وھم بدءوکم اول مرۃ اتخشونھم فاللہ احق ان تخشوہ ان کنتم مومنین o بھلا تم ایسے لوگوں سے کیوں نہ لڑو جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا اور رسول کے جلاوطن کرنے کا پکا ارادہ کر لیا اور انہوں نے تم سے جنگ کی ابتداء کی۔ کیا تم ایسے لوگوں سے ڈرتے ہو حالانکہ اللہ ڈرنے کے لائق ہے بشرطیکہ ایمان رکھتے ہو"۔

حاصل بحث

آخر میں صفحہ 216 پر اپنے سارے مضمون کا خلاصہ یہ لکھا ہے "حاصل بحث"

نبی ﷺ عام معنوں میں کوئی داعی، واعظ اور مبلّغ نہیں تھے بلکہ خدا کے آخری پیغمبر تھے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو اور آپ پر ایمان لانے والے صحابہ کو شہادت علی الناس کے منصب پر فائز کیا گیا اور حق و باطل کے امتیاز کو علیٰ روس الاشھاد واضح کرنے کے لئے یہ وعدہ کیا گیا تھا کہ مخالفین کی تمام کوششوں، کاوشوں اور سازشوں کے علی الرغم آپ کا دین غلب آکر رہے گا اور اس کی دلیل کے طور پر سورہ توبہ آیت 33 اور سورہ نور آیت 55 پیش کی ہیں۔ اس اقتباس میں بھی محترم جاوید احمد غامدی والا طرز کتابت وخطابت نمایاں ہے۔ اس جگہ غلبہ دین کو وعدہ خداوندی مان لیا... یہاں تک آتے آتے غالباً بھول ہی گئے کہ پورے مقالہ میں اسی بات کو مقصدِ بعثتِ نبوی بیان کرتے رہے ہیں جو صریح تضاد ہے۔

نبی ﷺ " زبان وبیان کے اسالیب" کے مطابق داعی بھی تھے، واعظ بھی تھے اور مبلّغ بھی تھے اور اللہ کے آخری رسول بھی تھے۔ آخری رسول ہونے یا پہلا رسول ہونے یا درمیانی رسول ہونے کی بناء پر کسی رسول و نبی کو کسی دوسرے پر کوئی برتری یا کمتری حاصل نہیں ہوتی۔ پھر اگر رسول اللہ آخری نبی تھے تو واعظ، داعی اور مبلّغ کیوں نہیں ہوسکتے؟ کیا واعظ، داعی اور مبلّغ ہونا کسرِ شان ہوتا ہے۔ جس قرآن نے محمد (ﷺ) کو نبی ورسول کہا ہے اسی قرآن نے آپ کو داعی، واعظ اور مبلّغ بھی کہا ہے۔ سورہ یوسف آیت 108، سورہ الرعد 36 اور سورہ نحل آیت 125 جیسی آیات میں رسول اللہ کی داعیانہ حیثیت کو واضح کیا گیا ہے۔ اسی طرح سورہ شعراء آیت 136 اور ھود 46، سبائ 46 اور نساء 63 میں رسول اللہ کی واعظانہ حیثیت بتائی گئی ہے۔ اور سورہ مائدہ آیت 67، سورہ الرعد 40 آلِ عمران 20، سورہ نور 54، اور سورہ العنکبوت 18 میں رسول اللہ کی مبلّغانہ حیثیت کو واضح کیا گیا ہے بہت حیرت ہے کہ ہمارے علماء وفورِ جذبات میں قرآن سے کس طرح صرفِ نظر کرتے ہیں۔ قرآن میں محمد رسول اللہ کو صرف ایک جگہ آخری نبی (خاتم النبیین) کہا گیا ہے مگر داعی، واعظ اور مبلّغ بہت جگہوں پر کہا گیا ہے تو کس طرح رسول اللہ کی ان حیثیات کا انکار کیا جاسکتا ہے؟۔

باقی رہا غلبہ دین تو وہ نہ تو رسول اللہ کی ذمہ داری تھی، نہ ہدفِ بعثتِ نبوی تھا اور نہ ہی صحابہ کرام کے "منصبِ شہادت" پر فائز ہونے کی وجہ سے صحابہ کرام کے کرنے کا کام تھا بلکہ اس آیت میں تو اللہ تعالیٰ نے دین کے (نہ کہ مسلمانوں کے) غالب آنے کی خبر دی ہے اور نزول قرآن کے ساتھ ہی یہ دین تمام ادیان پر غالب آچکا اور جب تک قرآن دنیا میں موجود ہے انشاء اللہ دین غالب رہے گا۔ اس آیت کا جو قرآن میں تین جگہ آئی ہے یعنی توبہ 33، صف 9 اور فتح 28، کا مسلمانوں کے غلبہ سے کوئی تعلق نہیں۔ قرآن میں اس آیت کے سیاق وسباق میں آئے الفاظ نور، دینِ حق اور الھدیٰ ان سب سے صرف اور صرف قرآن ہی مراد ہے اور "واللہ متم نورہ" کے الفاظ نے متعین کر دیا کہ غلبہ دین اللہ کے کرنے کا کام تھا۔ چونکہ رسول اللہ کی حیات طیبہ میں عرب میں مسلمان بھی غالب آگئے تھے جس کی وجہ صحابہ کرام جیسی جماعت کا میسر آنا تھا۔ اس لئے ہمارے بہت سے اہل علم کو غلط فہمی ہوئی اور انہوں نے غلبہ دین سے غلبہ مسلمان سمجھ لیا۔ رسول اللہ اور اصحابِ رسول کے زمانہ میں دین تو غالب تھا ہی مسلمان بھی غالب آگئے تھے۔ دین تو اب بھی بہر حال غالب ہے مگر مسلمان مغلوب۔ بہر حال مسلمانوں کے غالب یا مغلوب ہونے سے ان آیات کو کوئی تعلق نہیں۔

سورہ نور آیت 55 میں اہل ایمان سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے کہ انہیں اقتدار ملے گا تو اقتدار عطا کرنا بھی اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے اور صحابہ کرام کو بس ایمان و عمل صالح پر کار بند رہنا تھا۔ اس آیت سے بھی عمار صاحب کو کوئی مدد نہیں مل سکتی کیونکہ یہ بھی ان کی فکر سے غیر متعلق ہی ہے۔

مخالف استدلالات کا جائزہ

محترم عمار صاحب نے صفحہ 221 سے "مخالف استدلالات کا جائزہ" کی جلی سرخی لکھ کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ سورہ برات کی آیت (1) اور آیت (3) میں دو الگ الگ مرحلوں کا ذکر ہوا ہے ان سے پہلا سوال تو یہی ہے کہ ان کے علاوہ بھی کسی مفسّر نے اسے دو الگ مرحلے مانا ہے؟ دوسری بات یہ ہے کہ سورہ برات کی آیت 13 میں مشرکین سے جنگ کی وجہ اللہ نے خود بیان کر دی ہے اس لئے محترم عمار کی یہ تقریر بھی محض زورِ کتابت ہی ہے کیونکہ نہ تو قرآن سے ان کی تائید ہوتی ہے اور نہ ہی امت کے اہل علم سے۔ محترم عمار صاحب نے سورہ توبہ آیت 5 کو مشرکین عرب کے جبری ایمان کے تناظر میں بنیادی آیت

قرار دیا ہے لکھتے ہیں:"فاذا انسلخ الاشھر الحرم فاقتلوا المشرکین حیث وجد تموھم وخذوھم واحصروھم واقعدوالھم کل مرصد فان تابوا واقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ فخلوا سبیلھم ان اللہ غفور رحیمo(التوبہ 5)پھر جب حرمت والے مہینے گذر جائیں تو مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کر۔ڈالو اور ان کو پکڑو اور گھیر واور ہر جگہ ان کی تاک میں بیٹھو پھر اگر یہ شرک سے تائب ہو جائیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے"۔آیت نقل کر کے فرماتے ہیں" روایتی تشریح کی روسے یہ حکم کفر ایمان کے تناظر میں وارد ہوا ہے اور مشرکین کے لئے یہ سزا ان کے ایمان نہ لانے کے جرم کی پاداش میں بیان ہوئی ہے لیکن زیر بحث نقطہ نظر کے مطابق اس حکم کی وجہ مشرکین کا ایمان نہ لانا نہیں بلکہ نقض عہد اور فتنہ وفساد پر مبنی ان کا رویہ تھا"(صفحہ 223-222)

یہ طالب علم سوال کرتا ہے کیا عمار ناصر صاحب جواب دینا پسند فرمائیں گے کہ جسے وہ روایتی تشریح کہہ رہے ہیں سوائے امین احسنؒ اور ان کے متوسلین کے کیا کسی اور نے بھی گذشتہ صدیوں میں ان آیات کی وہ تشریح کی ہے؟اگر نہیں تو پھر یہ تشریح روایتی کیسے ہوئی۔اس طالب علم نے ان آیات کے بارے میں مفسرین کی آراء گذشتہ صفحات میں نقل کی ہیں وہ سب تو ان آیات کو نقض عہد اور فتنہ وفساد کے تناظر میں ہی بیان کرتے ہیں۔چنانچہ روایتی تشریح وہ نہیں جسے عمار صاحب روایتی مان رہے ہیں بلکہ روایتی تشریح تو وہ ہے جس پر وہ تنقید کر رہے ہیں۔

پھر صفحہ 224 پر یہ ثابت کرنے کے لئے کہ توبہ آیت 1 میں صرف مشرکین مکہ اور آیت 3 میں پورے عرب کے مشرکین کی بات ہوئی ہے،ایک لمبی تمہید باندھی ہے مگر یہ ساری تقریر اس لئے غلط ہے کیونکہ قرآن صرف اور صرف مشرکین مکہ کو ہی چار ماہ کی مہلت دیتا ہے کہ اس عرصہ میں وہ مکہ سے نکل جائیں بصورت دیگر انہیں ایمان لانے کی وجہ سے ہی مکہ میں قیام کی اجازت دی جاسکتی ہے اور بقول ابوالکلام آزاد اگر ایمان نہ لائیں اور مکہ سے جائیں بھی نہ تو حالت جنگ تصور کی جائیگی۔حافظ عمار صاحب نے ان آیات پر اس پہلو سے شاید غور نہیں کیا کیونکہ وہ ڈاکٹر محمد سعید رمضان البوطی اور ڈاکٹر محمود شلتوت کے اقتباس لکھ کر ان پر نقد تو کر رہے ہیں مگر جو معنیٰ ان آیات کا مفسرین نے بیان کیا ہے اس کا نہ تو ذکر ہی کرتے ہیں اور نہ ہی دلیل سے اس پر تنقید کرتے ہیں۔گذشتہ صفحات میں ہم توبہ کی ابتدائی آیات کے بارے میں امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد،شیخ القرآن محمد علی کاندھلوی،مفتی شفیع عثمانی اور مولانا شبیر احمد عثمانی رحمھما اللہ کی آراء نقل کر آئے ہیں۔مذکورہ بالا تمام اہلیانِ علم

ودانش نے ان آیات کا وہی معنٰی بیان کیا ہے جس کا ذکر بھی عمار صاحب نہیں کر رہے یعنی آیت 1 تا5 میں مشرکین کو مکہ سے نکل جانے کی مہلت دی گئی ہے اور مکہ سے نہ نکلنے کی صورت میں حالت جنگ تصور کی جائیگی۔ ان میں سے کسی بھی مفسر نے ان آیات کی تفسیر میں کفر وشرک کی بنیاد پر اہل مکہ سے جنگ کا حکم نہیں مانا۔ عمار صاحب سے سوال ہے کہ قرآن نے جو یہ کہا کہ حرمت والے مہینے گزرنے کے بعد انہیں گھیرو، پکڑو اور قتل کرو تو کیا سارے عرب کے مشرکین کو گھیر نا ممکن تھا؟ اور کیا اللہ کے رسول نے یہ مہلت گزرنے کے بعد جزیرہ عرب کے مشرکین کا محاصرہ کیا؟۔ بات صرف اتنی ہی ہے کہ صرف مکہ کے مشرکین کو مکہ سے نکلنے کی مہلت دی گئی تھی اور جب ایمان قبول نہ کرنے والے مشرکین مکہ سے چلے گئے تو ان کے خلاف کسی قسم کی کاروائی نہ کی گئی۔ قابل غور بات یہ ہے کہ رسول اللہ کی وفات کے بعد بھی عرب میں نا صرف مشرکین رہے بلکہ اہلِ کتاب و مجوس بھی رہے۔ لہٰذا ان آیات کی وہ تاویل ممکن ہی نہیں جو ہمارے فاضل دوست کر رہے ہیں۔ قرآن میں پورے عرب کی نہ کوئی بات کی گئی ہے اور نہ ہی عرب کو باقی دنیا پر کوئی برتری حاصل ہے سوائے مکہ کے اور صرف مکہ سے اہل شرک کو جبری بیدخل کرنے کی بات کی گئی ہے اور تولیتِ کعبہ کو متقین کا حق بتایا گیا ہے سورہ انفال آیت 34 اور التوبہ آیت 28 ہماری دلیل ہیں جن میں وہ تصریح موجود ہے جو یہ طالب علم بیان کر رہا ہے۔ محترم عمار صاحب کی دلیل قرآن میں کہاں ہے جس میں پورے عرب کی بات کی گئی ہو؟

قرآن میں دنیا کے کسی انسان کے لئے دین میں جبر روا نہیں رکھا گیا۔ اس بارے میں قرآن سے آیات پیش کی جا چکی ہیں۔ تو از روئے قرآن ناممکن ہے کہ (اہل مکہ ہوں یا اہل کتاب یا رومی یا ایرانی یا مصری یا یمنی کسے باشد) کسی سے جنگ یا کسی کو دنیوی سزا یا آسمانی عذاب اس کے عقیدہ کی بنیاد پر دی جائے۔ قرآن میں لا اکرٰہ فی الدین اور من شآ فلیو من و من شآ فلیکفر جیسی نصوص کے ہوتے ہوئے یہ بہت ہی جرات کی بات ہے کہ ان جیسی آیات کے مخالف کوئی مفہوم کسی آیت کا لیا جائے ہمارا ایمان ہے کہ قرآن میں تضاد نہیں ہو سکتا۔ ہمارے کچھ دانشور علماء کو شدید مغالطہ ہوا ہے لیکن ”ما انزل اللہ بھا من سلطان“ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔

باقی صفحہ 225 پر محترم عمار صاحب کا یہ لکھنا کہ (توبہ آیت 1) " الفاظ کی دلالت اس بات پر بالکل واضح ہے کہ معاہدہ توڑنے کا اقدام مشرکین کی طرف سے نہیں ہوا..... "خود آیت قرآنی سے اختلاف ہے الفاظ کی دلالت رہی ایک طرف یہاں تو اللہ تعالیٰ خود بتارہے ہیں کہ مشرکین نے معاہدہ توڑا۔ دیکھیں اسی سورہ توبہ آیت 13 میں ہے:

''الا تقاتلون قوما نكثوا ايمانهم و هموا باخراج الرسول وهم بدء وكم اول مرة اتخشونهم فالله احق ان تخشوه ان كنتم مومنينo بھلا تم ایسے لوگوں سے کیوں نہ لڑو جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا اور رسول کے جلاوطن کرنے کا پکا ارادہ کر لیا اور انہوں نے تم سے جنگ کی ابتداء کی۔ کیا تم ایسے لوگوں سے ڈرتے ہو حالانکہ اللہ ڈرنے کے لائق ہے بشرطیکہ ایمان رکھتے ہو"۔ چنانچہ عمار صاحب سے معذرت کے ساتھ ان کا یہ فرمانا کہ الفاظ کی دلالت اس بات پر واضح ہے....نا صرف خلافِ واقعہ بلکہ قرآن سے متصادم بھی ہے لہذا کسی بھی طور درست نہیں۔ معاہدہ تو دراصل مشرکین نے توڑا تھا حدیبیہ کے معاہدہ کو توڑ کر بنو بکر نے بنو خزاعہ (جو مسلمانوں کا حلیف قبیلہ تھا) پر حملہ کیا انہیں قتل کیا اس کے نتیجہ میں رسول اللہ نے مکہ پر چڑھائی کی تفصیلات کتب سیر میں موجود ہیں۔ سورہ براۃ آیت کے الفاظ کی دلالت اس لئے نہیں کہ اللہ تعالیٰ معاہدہ توڑنے کا اعلان کر رہے ہیں بلکہ جیسا کہ قرآن میں ہے اگر کسی قوم سے خیانت کا اندیشہ ہو تو پھر صاف الفاظ میں معاہدہ توڑنے کا اعلان کر دینا چاہئے۔ آیت یہ ہے:''واما تخا فن من قوم خيانةً فانبذ اليهم علىٰ سوآ ء ان الله لا يحب الخآئنينo (الانفال 58) اگر تجھے کسی قوم سے خیانت کا اندیشہ ہو تو برابری کی حالت میں ان کا عہد نامہ توڑ دے۔ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا"۔ یہ سورہ الانفال کی آیت ہے اور اس سے متصل سورت توبہ کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے معاہدہ توڑنے کا اعلان صاف صاف الفاظ میں اس لئے کیا گیا ہے کہ مشرکین نے معاہدہ کی صریح خلاف ورزی کرتے ہوئے مسلمانوں کے حلیف قبیلہ کو قتل کیا تھا۔ اگر نقض عہد کا اندیشہ ہوتا تو معاہدہ توڑنا از روئے قرآن حق تھا یہاں تو بالفعل معاہدہ کی خلاف ورزی کی گئی تھی اسی لئے اللہ تعالیٰ نے رسول کے ذریعے معاہدہ توڑنے کا اعلان کیا۔

صفحہ 226 پر عمار صاحب نے ایک سوال اٹھایا ہے" اعلان برات کی اصل وجہ مشرکین کی طرف سے بالفعل نقض عہد کو قرار دیا جائے یا نقضِ عہد کے اندیشے کو دونوں صورتوں میں چند سوالات مزید پیدا ہوتے ہیں مثلاً ایک سوال یہ ہے کہ ان مشرکین

کو چار ماہ کی مہلت کس مقصد کے لئے دی گئی"؟ اس کا جواب تو ہر مفسر نے لکھا ہے مگر حیرت کی بات یہ ہے کہ عمار صاحب کو نظر نہ آیا۔ مفتی شفیع عثمانی، حافظ صلاح الدین یوسف، محمد علی کاندھلوی، شبیر احمد عثمانی تقریباً سبھی مفسرین نے لکھا ہے کہ سورہ توبہ کی ابتدائی آیات میں چار ماہ کی مہلت مشرکین کو سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنے کے لئے دی گئی کہ مکہ میں اب صرف مسلمان بن کر ہی رہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ قرآن میں کہہ دیا گیا ہے کہ مشرک ناپاک ہیں اس سال کے بعد مسجدِ حرام کے نزدیک بھی نہ آنے پائیں یا اس مہلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مکہ چھوڑ کر چلے جائیں اور اگر یہ دونوں کام نہ کریں تو پھر حالت جنگ تصور کی جائیگی۔

مزید لکھتے ہیں" اس ضمن میں سب سے اہم اور بنیادی اعتراض یہ وارد ہوتا ہے کہ اگر ان مشرکین کا قصور نقضِ عہد یا نقضِ عہد کے عزائم تھے تو انہیں دائرہ اسلام میں داخل ہو جانے کا الٹی میٹم اور اسلام قبول نہ کرنے کی صورت میں قتل کرنے کی ہدایت کیوں کی گئی؟ جب کہ اشہر حرم میں بالفعل حملہ آور ہونے والوں کے خلاف جنگ کی اجازت اس سے پہلے بقرہ کی آیت 194 میں دے چکا ہے۔ چنانچہ اگر اس حکم کا بنیادی مقصد محض دفع فساد کو قرار دیا جائے تو یہ الجھن کسی طرح رفع نہیں ہوتی کہ قرآن میں اس حکم کو مشرکین سے فتنہ و فساد کی قوت چھین لینے اور انہیں بے دست و پا کر دینے تک محدود کیوں نہیں رکھتا اور اس سے بڑھ کر صرف قبول اسلام ہی کو ان کے لئے کیوں لازم قرار دیتا ہے؟ الشریعتہ صفحہ 226۔

اگرچہ اس اقتباس کا جواب گذشتہ سطور میں دیا جا چکا مکرر عرض ہے کہ یہ قرآن کی نہایت غلط ترجمانی ہے۔ عمار صاحب کا لکھنا کہ" جس وقت قرآن نے ان مشرکین کو قتل کرنے کا حکم دیا اس وقت وہ بالفعل مسلمانوں کے خلاف بر سر جنگ نہیں تھے"۔ اول تو مشرکین بنو خزاعہ پر حملہ کر کے عملاً بر سرِ جنگ ہو چکے تھے۔ دوسرے قرآن نے مشرکین کے قتل کا حکم اور الٹی میٹم عدم قبول اسلام کی بنیاد پر دیا ہی نہیں بلکہ الٹی میٹم انہیں مکہ سے نکلنے کے لئے دیا۔ ابوالکلام آزاد، محمد علی کاندھلوی، صلاح الدین یوسف، شبیر احمد عثمانی اور مفتی شفیع رحمھما اللہ سب نے ان آیات سے ایسا ہی سمجھا ہے۔ ان آیات کو سمجھنے کے لئے سقراط یا ارسطو کا دماغ نہیں بلکہ عقلِ سلیم اور قلبِ صمیم درکار ہے۔ قرآن سورہ توبہ آیت 28 میں صاف صاف مشرکین کو مسجد حرام کے قریب آنے سے روک رہا ہے سورہ توبہ کی آیت 5 کے الفاظ ہیں:" اور جب اشھر حرم گذر جائیں تو مشرکین کو قتل کرو، اور پکڑو، اور گھیر لو......." مطلب یہ ہے کہ سب سے پہلے ان کا محاصرہ کرو پھر انہیں پکڑو اور قتل کرو اور یہ کام مہلت گزرنے کے بعد ہو گا۔ عمار صاحب اگر غور فرما سکیں تو انہیں سمجھ آ جائے گا کہ کیا مشرکین اتنے احمق تھے کہ مہلت

والے مہینے گزرنے کا انتظار کرتے رہتے کہ ایمان تو ہم لائیں گے نہیں اب بس چار ماہ گزریں تو مسلمان ہمیں قتل کرنا شروع کر دیں! جناب اگر مہلت کے ساتھ ہی پہلے دن سے مشرکین کے محاصرہ کا ذکر قرآن میں ہوتا تو پھر ان کی بات میں وزن ہوتا کہ اب مشرکین تو محاصرہ (under seige) میں ہیں مکہ سے جا نہیں سکتے لہذا اب یا تو انہیں اسلام قبول کرنا ہو گا یا قتل ہونا ہو گا۔ مگر قرآن تو مشرکین کے قتل کا حکم حرمت والے مہینے گزر جانے کے بعد دے رہا ہے اور قتل کے بعد محاصرہ کا حکم ہے جو ظاہر ہے قتل سے پہلے ہی ممکن ہے یعنی سخت سزا پہلے اور محاصرہ اور پکڑنا بعد میں ذکر کیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے تمام مفسرین نے آیت 3 سے لیکر 5 تک تین آپشنز مانے ہیں نہ کہ دو۔ چنانچہ عمار صاحب کی ساری تقریر ہی اس مصرعہ کی مصداق ہے: خشتِ اول چوں نہد معمار کج .... تا ثریا می رود دیوار کج۔

چنانچہ ہمارا کہنا یہ ہے کہ قرآن میں چونکہ ساری دنیا بالعموم اور اہل مکہ کے مشرکین کے لئے بالخصوص دین کے معاملہ میں کوئی جبر ہے ہی نہیں۔ سورہ یونس 99 مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں زمین پر موجود کل انسانوں کو دین کے بارے میں اختیار دیا گیا ہے یہی بات سورہ کہف آیت 29 میں آئی ہے کہ جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر اختیار کرے۔ اب مکی آیت ہے تو اہل مکہ تو اس کے اولین مخاطب ہیں ہی۔ اہل مکہ کو قرآن میں عطا کی گئی آزادی ایمان و کفر سے خارج قرار دینا خود تصریحات قرآن کے خلاف ہے

آگے محترم عمار صاحب نے آزادی فکر سے متعلق قرآن کی آیات پر تبصرہ کیا ہے اس کے متعلق یہی کہا جا سکتا ہے کہ

ولے تاویل شاں در حیرت اندخت..... خدا و جبرائیل او مصطفٰی را

قتال اور دین کے معاملے میں جبر واکراہ

صفحہ 232 پر قتال اور دین کے معاملے میں جبر واکراہ کی سرخی کے تحت ان آیات کا جواب دینے کی کوشش کی ہے جن سے دین میں جبر کی نفی قرآن کر رہا ہے۔ عمار صاحب نے سورہ بقرہ آیت 256، سورہ یونس آیات 100-99، سورہ ھود 119-118، سورہ غاشیہ آیات 22-21 سورہ الانعام 107، سورہ شوریٰ 48، سورہ ممتحنہ 9-8، سورہ نساء 90 اور الانفال 62-61 نقل کی ہیں

ان تمام آیات یہی ثابت ہوتا ہے کہ دین میں کوئی جبر نہیں۔ نبی کریم ﷺ کا کام صرف نصیحت کرنا ہے۔ دنیا میں عقیدہ کی بناء پر کوئی پکڑ نہیں اور جو قوم دین کے بارے میں مسلمانوں سے نہ لڑے اس قوم سے حسنِ سلوک سے قرآن منع نہیں کرتا وغیرہ... کیا ہی اچھا ہوتا کہ ہمارے فاضل دوست ان آیات میں دی گئی تعلیم کو مان بھی لیتے۔ مگر آں محترم نے ان آیات میں بیان کی گئی تعلیم کے انکار کی ایک نئی صورت نکالی ہے اور ایسی تاویل بیان کی ہے کہ یہ کم علم طالبِ علم یہ کہنے پر مجبور ہوا کہ ایسی کمزور تاویل بیان کرنے سے تو کہیں بہتر ہوتا کہ وہ ان تمام آیات کا انکار ہی کر دیتے۔ ان کی بیان کردہ تاویل اور اس پر تبصرہ آگے آتا ہے۔

صفحہ 235-234 پر لکھتے ہیں "مذکورہ استدلال میں دین کے معاملے میں جبر واکراہ کی نفی اور غیر محارب کفار کے ساتھ مصالحانہ تعلقات کا جواز بیان کرنے والے جن نصوص سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ نبی ﷺ اور آپؐ کے صحابہؓ کو مشرکین اور اہل کتاب کے خلاف قتال کا جو حکم دیا گیا اس کی اصل وجہ ان گروہوں کا ایمان نہ لانا نہیں بلکہ فتنہ وفساد اور شر انگیزی تھا۔ قرآن مجید میں ان کا صحیح محل اور سیاق و سباق اس تعبیر کو قبول کرنے سے مانع ہے"۔ محترم عمار صاحب نے سیاق و سباق کی محض دھونس ہی دی ہے ان تمام آیات کا معنٰی بیان نہیں کیا۔ اس طالب علم کی گذارش ہے کہ دین میں جبر واکراہ کی نفی قرآن نے کسی خاص پس منظر میں نہیں کی اور نہ ہی ان نصوص سے کوئی نتیجہ قتال کے احکام کے بارے میں نکالا گیا ہے بلکہ ان تمام نصوص کا سادہ معنٰی وہی ہے جو ساری امت کے مفسرین نے سمجھا ہے کہ دنیا میں ہر انسان کو امتحان کے لئے بھیجا گیا ہے سو ہر انسان سوچ سمجھ کر اپنا راستہ چن لے۔ دنیا میں اگر انسان اچھی طرح رہے، پر امن رہے اور فساد نہ مچائے تو اسے دنیا میں کوئی سزا عقیدہ کی بنا پر نہیں دی جائے گی۔ البتہ آخرت میں عقیدہ کی بنیاد پر اور اعمال کی بنیاد پر اس کی جنت یا جہنم کا فیصلہ ہو گا۔ اس میں کسی قوم یا کسی انسان کا کوئی استثناء اللہ تعالیٰ نے بیان ہی نہیں کیا۔ اب دیکھیں سورہ بقرہ آیت 256 "لا اکراہ فی الدین قدتبین الرشد من الغی فمن یکفر بالطاغوت ویومن باللہ فقداستمسک بالعروۃالوثقٰی لاانفصام لھا واللہ سمیع علیمo دین کے بارے میں کوئی جبر نہیں ہدایت ضلالت سے روشن ہو چکی ہے اس لئے جو شخص اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے معبودوں کا انکار کر کے اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اس نے مضبوط سہارا پکڑ لیا جو کبھی نہ ٹوٹے گا اور اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے"۔ یہ آیت کسی بھی تشریح سے بے نیاز ہے اور اپنے مفہوم میں بالکل صاف ہے مگر چونکہ عمار صاحب کا قانون جہاد ان آیات سے ٹوٹ جاتا ہے لہٰذا وہ ان آیات کی غلط تاویل پر مجبور ہیں۔ اس آیت کی شرح میں صاحبِ تفسیر عروۃ الوثقیٰ

مولانا عبد الکریم اثری صاحب نے لکھا ہے" دین کا تعلق اصلاً عقیدہ قلب سے ہے اور قلب پر جبر و اکراہ کی گنجائش ہی نہیں اس لئے گویا یہاں اسی حقیقت کا اعلان ہے کہ ایمان کا تعلق اپنے ارادہ و اختیار سے ہے جبر و اضطرار پر نہیں...." (تفسیر عروۃ الوثقیٰ ج 1 صفحہ 860)

تفسیر احسن البیان میں حافظ صلاح الدین صاحب یوسف لکھتے ہیں" یہ آیت حکم کے اعتبار سے عام ہے یعنی کسی پر بھی دین کے معاملہ میں جبر نہیں کیا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت اور گمراہی دونوں کو واضح کر دیا ہے۔ تاہم کفر شرک کے خاتمے اور باطل کا زور توڑنے کے لئے جہاد ایک الگ چیز ہے۔ مقصد معاشرے سے اس قوت زور اور دباؤ کو ختم کرنا ہے جو اللہ کے دین پر عمل اور اس کی تبلیغ کی راہ میں روڑہ بنی ہوئی ہو تا کہ ہر شخص اپنی آزاد مرضی سے چاہے تو کفر پر قائم رہے اور چاہے تو اسلام میں داخل ہو جائے" الشریعتہ صفحہ 111۔

اس تفسیر میں اس پس منظر کا بھی ذکر ہے جس کا حوالہ سیاق وسباق کے تناظر میں عمار صاحب نے بیان کیا ہے۔ پہلے تو محترم حافظ صلاح الدین صاحب نے لکھا ہے کہ دین کے معاملہ میں کسی بھی انسان پر جبر نہیں کیا جائے گا پھر جہاد (قتال) کا مقصد یہی بتایا ہے کہ کفر کی طاقت اس وجہ سے توڑنی ہے کہ تبلیغ کے راستہ میں روڑہ نہ اٹکائے اور یہی بات عمار صاحب کو قبول نہیں وہ تو جہاد کے ذریعے اہل مکہ کو جبراً اسلام قبول کروا رہے ہیں۔ حافظ صلاح الدین صاحب نے لکھا ہے" تا کہ ہر شخص اپنی مرضی سے چاہے کفر پر قائم رہے اور چاہے اسلام میں داخل ہو جائے مگر عمار صاحب ہر انسان کو یہ اختیار دینے کے قائل نہیں وہ یہ بھی بھول جاتے ہیں کہ جبراً کسی کے نظریات تبدیل کئے ہی نہیں جاسکتے۔

اس آیت کی شرح محمد علی کاندھلوی کی تفسیر معالم القرآن میں یوں آئی ہے:" دین کے بارے میں کوئی جبر نہیں۔ جب دلائل توحید بخوبی بیان فرمادیئے گئے جس سے اہل کفر کو کوئی عذر باقی نہ رہا تو اب زور سے کسی کو مسلمان بنانے کی کیا حاجت ہو سکتی ہے؟ عقل والوں کو خود سمجھ لینا چاہیے اور نہ ہی شریعت کا یہ حکم ہے کہ زبردستی کسی کو مسلمان بناؤ افانت تکرہ الناس حتیٰ یکون مومنین خود نص موجود ہے اور جو جزیہ کو قبول کرے اس کا جان ومال محفوظ ہو جائے گا۔ مولانا کاندھلوی نے یہ حاشیہ شمع العنبر کے ترجمہ سے نقل کیا ہے اور پھر خود اسکی تفسیر اس طرح کی ہے:" جہاں آزادی رائے کا یہ عالم ہو کہ ایک مخالف قوم کا فرد سفیر بن کر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے چہرہ اقدس پر نظر پڑتے ہی دل میں نور ایمان آجاتا ہے اور وہ خود یہ درخواست

کرتا ہے کہ میں واپس نہیں جاؤنگا۔ آپ نے فرمایا کہ میں عہد کے معاملے میں دغا نہیں کرونگا۔ تم واپس جاؤ یہاں سے جا کر بھی اگر ایمان کی روشنی تمہارے دل میں ہو تو پھر واپس آ جانا، وہاں بھلا اکراہ کا تصور کیا جا سکتا ہے؟ اس قسم کے واقعات سے بداہتہً ثابت ہے کہ اسلام شمشیر کے طاقت سے نہیں پھیلا بلکہ دلائل کی طاقت اور صاحب نبوت کی اخلاقی صداقت و وجدانی دلائل سے پھیلا ہے جو دلوں میں پہاڑوں سے زیادہ پائیدار ہوتے ہیں۔"

"قرآن حکیم نے اس اضطراب کو جو کفار کے متعلق آپ کے دل میں تھا نا گواری کے انداز میں اکراہ سے تعبیر فرمایا ہے افانت تکرہ الناس یکونوا مومنین یعنی ان کے اسلام کے بارے میں آپ کا اضطراب وشوق اس حد سے نہ بڑھنا چاہیے کہ گویا یوں معلوم ہو کہ آپ ان کو زبردستی مسلمان بنانا چاہتے ہیں۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ قرآن نے اسلام کے لیے بھی اکراہ کا حکم نہیں دیا بلکہ صاف لفظوں میں فرمایا گیا ہے لا اکراہ فی الدین۔"

"قرآن نے جنگ کا حکم دوسرے بارے میں فتنہ کے انسداد کے لئے دیا ہے اور فتنہ کو اشد من القتل اور اکبر من القتل کہا ہے۔ اس وقت فتنہ کیا تھا؟ یہ تھا کہ قریش ظلم و تشدد کے ذریعے دین واعتقاد کا فیصلہ کرنا چاہتے تھے قرآن نے اس کے خلاف جنگ کا حکم دیا۔ لہذا جس بات کے خلاف اس نے حکم دیا ہو خود اسی کا مرتکب کیسے ہو سکتا ہے؟۔

اسلام میں حق کی حمایت اور باطل کی شکست کے لئے لڑنا جائز ہے اور حضور انور کو اس جنگ سے دوچار ہونا پڑا ہے اس سے مخالفوں (یہاں عمار صاحب جیسے علماء خود اپنے آپ پر یہی الزام لگا رہے ہیں: امتیاز) نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہ لڑائی صرف اس لئے تھی کہ اسلام کو تلوار کے زور سے لوگوں میں پھیلایا جائے۔ حالانکہ قرآن میں ایک آیت بھی ایسی نہیں جس میں کسی کافر کو زبردستی مسلمان بنایا گیا ہو؛ تفسیر معالم القرآن ج3 ص102-101۔

اس تفسیر میں محمد علی کاندھلویؒ نے پیشگی طور پر حافظ عمار صاحب کے تمام اشکالات کا جواب دے دیا ہے۔ انہوں نے سورہ یونس آیت 99 کو بھی پیش کیا ہے کہ کسی کو مسلمان جبراً نہیں بنایا جا سکتا اور اسکی بھی نفی کر دی ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا سب سے اہم یہ کہ حافظ عمار صاحب نے جیسا کہ سورہ بقرہ آیت 193 میں لفظ فتنہ سے شرک مراد لیا تھا اسکی بھی نفی کر دی ہے اور فتنہ کو مذہبی جبر بتایا ہے۔ یہ لفظ فتنہ کی بالکل صحیح ترجمانی ہے کیونکہ ایک تو شرک کبھی ختم ہو ہی نہیں سکتا دوسرے

خود قرآن نے فتنہ کی تفسیر ظلم سے کی ہے۔ یہ طالب علم سورہ حج کی 140-139 آیات کی تفسیر میں یہ بات لکھ چکا ہے۔ اس آیت (بقرہ 256) کی تشریح امین احسن صاحب اصلاحیؒ کی تفسیر تدبر القرآن سے پیش کی جاتی ہے کہ جن کی وجہ سے غامدی صاحب اور پھر عمار صاحب نے جہاد سے متعلق ساری امت سے الگ راہ نکالی ہے اور اس قانون کی دریافت کو امام عبدالحمید فراہیؒ سے منسوب کیا ہے۔ کہنا یہ ہے کہ جو تاویل ان آیات کی جن میں دین کے معاملہ میں آزادی دی گئی ہے ۔ حافظ عمار صاحب جو راہ اختیار کی وہ تاویل تو ان کے شیوخ کو بھی نہ سوجھی کیونکہ ان آیات میں اس تاویل کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔ امین احسن اصلاحیؒ لکھتے ہیں:

" لا اکراہ فی الدین کا مفہوم! اوپر آیت ولو شاء الله ما قتل الذین من بعد هم من بعد ما جا تهم البینٰت الا یہ میں نبی ﷺ کی تسلی کے لئے جس سنت کا اللہ کی طرف اشارہ فرمایا تھا اسکی مزید وضاحت فرمادی کہ ہدایت وضلالت کے معاملے میں اللہ کے رسول کی اصل ذمہ داری صرف حق کو واضح طور پر پہنچا دینا ہے اور جب یہ کام ہو چکا، حق باطل سے الگ ہو کر سامنے آگیا تو رسول کی جو ذمہ داری تھی پوری ہو چکی۔ اب ذمہ داری ان لوگوں کی ہے جن پر حجت تمام ہو چکی ہے وہ چاہیں تو ایمان لائیں اور چاہیں تو کفر کی روش پر اڑے رہیں اللہ تعالیٰ نے اس معاملے میں جبر فطری کی راہ اختیار نہیں فرمائی بلکہ لوگوں کو اختیار و انتخاب کی آزادی بخشی ہے اگر وہ چاہتا تو ساری دنیا کو نیکی کی ڈگر پر ہانک دیتا لیکن اس نے ایسا نہیں کیا بلکہ ہدایت وضلالت کے معاملے میں اس نے لوگوں کو آزادی دی ہے جو لوگ ایمان لائیں گے وہ اس کا صلہ پائیں گے اور جو کفر کی راہ اختیار کریں گے وہ اسکی سزا بھگتیں گے۔ یہ مضمون قرآن میں مختلف مقامات میں مختلف اسالیب میں بیان ہوا ہے۔ مثلاً" یہ مشرکین کہتے ہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم اللہ کے سوا کسی کو نہ پوجتے نہ ہم نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم اس کے حکم کے بنا کسی کو حرام ٹھہرا سکتے ایسا ہی سوال اٹھایا ان لوگوں نے جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں تو کیا رسولوں پر واضح طور پر پہنچا دینے کے سوا کوئی ذمہ داری ہے؟ ہم نے تو ہر امت میں ایک رسول اٹھایا اس دعوت کے ساتھ کہ لوگو اللہ کی بندگی اختیار کرو اور طاغوت سے بچو تو ان میں سے کچھ ایسے ہوئے جن کو اللہ نے ہدایت بخشی اور کچھ ایسے ہوئے جو گمراہی کے سزاوار ٹھہرے تو ملک میں چلو پھرو اور دیکھو کہ رسولوں کو جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا اگر تم ان لوگوں کی ہدایت کے حریص ہو تو یاد رکھو اللہ ان لوگوں کو ہدایت دینے والا نہیں جن کو گمراہی کا سزاوار ٹھہرا چکا ہے اور ان کے لئے کوئی مددگار نہیں ہے" (نحل 37-35)

یہ جبر فطری کی نفی ہے جبر قانونی کی نہیں! قرآن مجید میں یہ بات مختلف اسالیب میں بیان ہوئی ہے ہم نے طوالت سے بچنے کے لئے صرف ایک آیت (تین آیات۔امتیاز) نقل کرنے پر اکتفاء کیا ہے۔اس سے واضح ہوتا ہے کہ لا اکراہ فی الدّین کے ٹکڑے میں جس جبر و اکراہ کی نفی کی گئی ہے اس سے مقصود جبر فطری کی نفی ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ہدایت و ضلالت کے معاملہ میں یہ طریقہ اختیار نہیں فرمایا کہ وہ اپنی قدرت و مشیت کے زور سے لوگوں کو ہدایت پر چلادے یا گمراہی کی طرف ہانک دے۔ اگر وہ ایسا کرنا چاہتا تو کوئی اس کا ہاتھ پکڑنے والا تو نہیں تھا لیکن یہ بات اس کی حکمت و عدل کے خلاف ہوتی اس کے برعکس اس نے یہ طریقہ اختیار فرمایا کہ اپنے نبیوں اور رسولوں کے ذریعے سے لوگوں کے سامنے حق اور باطل دونوں کو اچھی طرح واضح کر دیتا ہے پھر جو لوگ حق کی راہ اختیار کرنا چاہتے ہیں ان کو راہ حق اختیار کرنے کی توفیق ارزانی کرتا ہے اور جو لوگ باطل کی راہ اختیار کرنا چاہتے ہیں ان کو اس کے لئے ڈھیل دے دیتا ہے۔

مقصود اس حقیقت کے واضح کرنے سے ایک تو ان کفار و مشرکین کو جواب دینا تھا جو اس جبر کی آڑ لے کر اپنے کفر شرک کو ثواب ٹھہرانا چاہتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر ان کا عقیدہ و عمل باطل ہے تو خدا کے اختیار میں تو سب کچھ ہے وہ اپنی قدرت کاملہ سے کام لے کر ان کو ٹھیک کیوں نہیں کر دیتا۔ دوسرے جیسا کہ ہم نے اوپر اشارہ کیا پیغمبر ﷺ پر واضح کرنا تھا کہ بحیثیت نبی اور رسول کے ان کی ذمہ داری صرف دین حق کو اچھی طرح واضح کر دینا ہے یہ ذمہ داری نہیں کہ لوگ لازماً ایمان وہدایت کی راہ بھی اختیار کریں۔ تفسیر تدبر القرآن جلد 1 صفحہ 591 تا 593۔ اس اقتباس سے خود انہی اہل علم کی تردید بھی ہو رہی ہے جو قانونِ رسالت کے قائل ہیں۔

مفسرین کے حوالوں سے عمار صاحب کی اس بات کی مکمل تردید ہو جاتی ہے کہ کفار سے قتال کی علت ان کا کفر تھا۔ ہم نے جتنی بھی تفاسیر دیکھی ہیں سب میں دین کے معاملے میں کسی بھی قسم کے جبر کی نفی کی گئی ہے اور کسی مفسر نے بھی صرف کفر کی وجہ سے کفار سے جنگ کو لازم نہیں ٹھہرایا سب نے دین میں جبر نہ ہونے سے یہی سمجھا ہے کہ نبی و رسول کا کام صرف اللہ کا پیغام پہنچا دینا تھا اور ایمان نہ لانے والوں سے قتال کرنا ہدف نبوت کسی نے بھی نہیں ٹھہرایا۔ اگر قرآن کی ان تمام آیات سے مفسرین کے حوالے نقل کئے جائیں تو ایک پوری کتاب بن جائے مگر اختصار کے پیشِ نظر سورہ یونس سے آیت 99 کی جو تفسیر

مولانا ابوالکلام آزاد نے فرمائی ہے اسے پیش کر کے اس باب پر مختصراً تبصرہ کر کے آگے جو عمار صاحب نے لکھا ہے اس پر نقد کیا جائیگا۔۔ انشاءاللہ۔۔ مولانا آزاد فرماتے ہیں:

ولوشآء ربک لاٰمن من فی الارض کلہم جمیعا افانت تکرہ الناس حتّٰی یکونوا مومنینo (یونس 99) اور (اے پیغمبر) اگر تیرا پروردگار چاہتا تو جتنے آدمی روئے زمین پر ہیں سب کے سب ایمان لے آتے اور دنیا میں (اعتقاد و عمل کا اختلاف باقی ہی نہ رہتا لیکن تو دیکھ رہا ہے کہ اللہ نے ایسا نہیں چاہا اسکی مشیت یہی ہوئی کہ طرح طرح کی طبیعتیں اور طرح طرح کی استعدادیں ظہور میں آئیں پھر اگر لوگ نہیں مانتے تو) کیا تو ان پر جبر کرے گا کہ جب تک ایمان نہ لائیں میں چھوڑنے والا نہیں" آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر اہل مکہ انکار و سرکشی کر رہے ہیں تو یہ کوئی انہونی بات نہیں ہے تمہیں غور کرنا چاہئے کہ کتنے ہی رسول عرب کے قرب و جوار میں آئے لیکن قوم یونس کے سوا کوئی قوم نہ نکلی جس نے داعی حق کی بات فوراً مان لی ہو اور عذاب اس پر سے ٹل گیا ہو۔ پھر اگر اکثر حالتوں میں ایسا ہی ہوا ہے تو موجودہ حالت پر تعجب اور مایوسی کیوں ہو؟ قرآن نے جابجا یہ حقیقت واضح کی ہے کہ انسانی طبیعت و استعداد کا اختلاف فطری ہے اور خدا کی مشیت یہی ہوئی کہ اختلاف ظہور میں آئے۔ اگر وہ چاہتا تو تمام انسانوں کو ایک ہی طرح کی فکری و عملی حالت پر مجبور کر دیتا مگر اس نے ایسا نہیں چاہا۔ اس کی حکمت کا یہی فیصلہ ہوا کہ انسان میں ہر طرح کی حالت پیدا کرنے کی استعداد ہو اور ہر طرح کی راہ اس کے آگے کھول دی جائے وہ اگر اونچا ہونا چاہے تو زیادہ سے زیادہ اونچا ہو سکے، اور اگر پست ہونا چاہے تو زیادہ سے زیادہ پستی میں گر سکے۔ اسی تنوّع استعداد کا نتیجہ ہے کہ فکر و عمل کے ہر گوشہ میں مختلف حالتیں پیدا ہو گئیں۔ ایک فردِ جماعت کا ذوق ایک طرح کا ہو اور دوسرے کا دوسری طرح کا۔ ایک کی سمجھ ایک طرف گئی دوسرے کی دوسری طرف ایک نے ایک راہ پسند کی کہ حق ہے دوسرے نے اس سے انکار کیا کہ حق نہیں۔ پھر اسی اختلاف فکر و عمل نے ہدایت و سعادت اور ضلالت و شقاوت کی وہ کشمکش پیدا کر دی جسے قرآن 'آزمائشِ حیات' سے تعبیر کرتا ہے کہ "لیبلوکم ایکم احسن عملا' وہ تمہیں کشمکشِ حیات کی آزمائش میں ڈالتا ہے تاکہ کھل جائے کہ تم میں سے کون ہے جس کے اعمال سب سے بہتر ہوتے ہیں کیونکہ اس کشمکش میں کامیاب وہی ہوگا جو اپنے عمل میں احسن و انفع ہوگا۔

یہاں آیت 99 میں بھی اسی طرف اشارہ کیا ہے اور غور کرو کتنے مختصر لفظوں میں کتنی عظیم الشّان بات کہہ دی ہے فرمایا' فکر و استعداد کا اختلاف یہاں ناگزیر ہے اور ایمان کوئی ایسی چیز نہیں کہ زور زبردستی سے کسی کے اندر ٹھونس دی جائے یہ تو اس کے اندر پیدا ہوگا جس کے اندر فہم و قبول کی استعداد ہے۔ پھر اگر تم پر یہ بات شاق گذر رہی ہے کہ کیوں لوگ مان نہیں لیتے تو کیا تم لوگوں پر جبر کروگے کہ انہیں تمہیں ضرور مان ہی لینا چاہئے۔

اس آیت سے یہ حقیقت بھی واضح ہوگئی کہ قرآن کے نزدیک دین و ایمان کا معاملہ ایک ایسا معاملہ ہے جس میں جبر اکراہ کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کیونکہ جبر اکراہ کا ذکر ایک انہونی اور ناکردنی بات کی طرح کیا گیا ہے۔ سورہ بقرہ کی آیت 256 اس بارے میں قرآن کا مقررہ قانون ہے کہ لا اکراہ فی الدین... ترجمان القرآن جلد دوئم صفحہ 172-171۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے ترجمہ میں بھی اس آیت کو کھول دیا تھا۔ اس کے بعد اس پر تفصیلی حاشیہ بھی لکھا۔ اس طالب علم کو معلوم نہیں کہ قرآن کی اس قسم کی آیات کی تفسیر میں کسی مفسر نے وہ بات کہی ہو جو عمار صاحب لکھ رہے ہیں۔ قابلِ غور بات یہ ہے کہ اہل مکہ کے لئے عمار صاحب اور ان کے استاذ جبری اسلام کے قائل ہیں اور ابوالکلام آزادؒ نے اہل مکہ کے لئے اس آیت کا نزول مانا ہے کہ رسول اللہ ان پر جبر نہیں کرسکتے اور یہی بات حق بھی ہے اور قرآن سے ثابت بھی یہی ہوتا ہے۔ کیونکہ آیت مکہ میں نازل ہوئی ہے اور آیت کے الفاظ ہیں' جو بھی انسان زمین پر ہیں اللہ چاہتا تو ایمان لے آتے' تو من فی الارض جمیعا سے اہل مکہ کا استثناء بیان کرنا بہت دل گردے کا کام ہے اور آیت میں یہ جو رسول اللہ سے کہا گیا کہ کیا آپ انسانوں کو ایمان لانے پر مجبور کریں گے؟ تو رسول اللہ کے اوّلین مخاطب تو اہل مکہ ہی تھے پس اس آیت میں اہل مکہ سے جبری ایمان کی نفی کی گئی ہے اور یہ بات محترم عمار صاحب کی فکر کے خلاف ہے۔

پس قرآن میں دنیا کے ہر انسان کو ایمان و کفر کے معاملہ میں مکمل اختیار دیا گیا ہے اور محض کفر کی بنیاد پر دنیا میں کفار سے جنگ کی اجازت نہیں۔ حافظ عمار صاحب نے اس معاملہ میں انصاف سے کام نہیں لیا انہیں اگر اکراہ فی الدین کے معاملہ میں ساری امت سے الگ راہ اختیار کرنی ہی تھی تو پھر کم از کم ان آٹھ مقامات میں سے ہر ایک کی مکمل تفسیر بیان کرنی چاہئے تھی جو خود انہوں نے الشریعۃ کی اس خصوصی اشاعت کے صفحہ 232 تا 234 پر دین میں آزادی کے حوالہ سے نقل کی تھیں مگر انہوں نے

بہت سمجھداری سے ان پر ایک جامع تبصرہ کر دیا ہے جو دلیل ہے کہ انہیں معلوم ہے اس معاملہ میں ان کا استدلال غلط ہے انہوں نے لکھا ہے:

"جہاں تک دین کے معاملے میں جبر و اکراہ کی نفی کا تعلق ہے تو قرآن مجید میں یہ بات کہیں بھی اس مفہوم میں نہیں کہی گئی کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں کفر کی پاداش میں کسی کو سزا دینے کا کوئی امکان اپنے پاس نہیں رکھا....." صفحہ 235۔

ہمیں اس پر اتنی عرض کرنی ہے کہ اس طرح تو کوئی بات بھی قرآن کے منہ میں ڈالی جاسکتی ہے مثلاً کوئی کہہ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کہیں نہیں لکھا کہ انبیاء و صدیقین کو جہنم میں نہیں ڈال سکتا یا کفار و فجار کو جنت نہیں دے سکتا.. معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔ جو قرآن ہمارے پاس ہے اس میں تو اللہ تعالیٰ نے یہی فرمایا ہے کہ دین میں جبر نہیں جو چاہے ایمان لائے جو چاہے کفر اختیار کرے۔ اے نبی آپ انسانوں (اہل مکہ) کو ایمان لانے کے لئے مجبور نہیں کر سکتے وغیرہ تو اس کا یقینی مطلب یہی ہے کہ کفر و ایمان کے معاملہ میں ہر انسان مکمل با اختیار ہے اور اسے کفر کی وجہ سے دنیا میں کوئی سزا نہیں ملے گی۔ یہ طالبِ علم سورہ انفال آیات 14-13 کی تفسیر میں شیخ القرآن محمد علی کاندھلوی کی رائے نقل کر آیا ہے کہ بدر کے میدان میں مشرکین کو سزا انکی اللہ اور رسول کی مخالفت کی وجہ سے دی گئی اور وان الکٰفرین عذاب النار کی وجہ سے انہوں نے لکھا ہے کہ کفر کی سزا صرف جہنم ہے۔ قرآن میں جگہ جگہ کفر کی سزا جہنم بتائی گئی ہے کسی ایک مقام پر بھی محض کفر کی سزا دنیوی عذاب نہیں بتائی گئی کیونکہ اس طرح قرآن میں تضاد آجاتا اور قرآن تضاد سے پاک ہے۔ جن قوموں کو دنیا میں سزا دی گئی ان کا جرم کفر سے بڑھ کر مخالفت حق تھا اس کی تفصیل اس مقالہ میں لکھی جا چکی ہے کچھ مزید تفصیل آگے قوموں کے عذاب سے متعلق قانون میں آرہی ہے۔

دین میں جبر سے متعلق محترم عمار صاحب نے ایک اور خلط مبحث بھی کیا ہے کہ قوموں پر عذاب سے متعلق قانون ان تمام آیات کی نفی کے لئے (جن میں ایمان و کفر میں اختیار دیا گیا ہے) بیان کرنا شروع کر دیا جو ان آیات سے یکسر غیر متعلق ہے جن میں ایمان اور کفر کے اختیار میں دنیا کے تمام انسانوں کو آزادی عطا کی گئی ہے ان آیات کا قوموں پر عذاب کے قانون سے کسی طرح کا کوئی تعلق نہیں نہ ہی کسی مفسر نے ایسا سمجھا ہے۔ اس طرح انہوں نے یہ ثابت کر دیا کہ ان کا کہ مضمون فکری تضاد ہی کا نہیں ذہنی انتشار کا بھی شکار ہوا ہے۔ قارئین یاد کر لیں محترم عمار صاحب نے اپنے مضمون کا عنوان جہاد-ایک مطالعہ رکھا۔ مگر جہاد کی کوئی آیت سوائے ایک کے نقل نہ فرمائی اور قتال پر بحث شروع کر دی لطف تو یہ کہ آیاتِ قتال کی بھی غلط توجیح کی۔ اب

قتال سے بڑھ کر دین میں جبر پر لکھنا شروع کیا تو قوموں پر عذاب سے متعلق بحث چھیڑ دی لہذا یہ خاکسار اب اس باب میں عمار صاحب کے استدلال پر نقد کرے گا وما توفیقی الا باللہ:۔

فرماتے ہیں" اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر کوئی پابندی ایسی عائد نہیں کی کہ اس دنیا میں حق واضح ہونے کے باوجود ایمان نہ لانے والوں کو کوئی سزا نہیں دے گا۔ اس کے برعکس سزا اور جزا کا قانون اللہ نے یہ بنایا ہے کہ انسانوں کو ان کے اعمال کا پورا اور کامل بدلہ تو قیامت میں ملے گا لیکن جزا و سزا کا کچھ نہ کچھ ظہور اس دنیا میں بھی ہوتا ہے اور اس کے تحت افراد ہوں یا گروہ خدا کی پکڑ میں آجاتے ہیں۔ یہ طریقہ رسولوں کے مخاطبین کے باب میں خاص اہتمام سے اختیار کیا جاتا ہے۔ اور جب رسالت کے منصب پر فائز کسی ہستی کے مخاطب اتمام حجت کے بعد اس کے انکار پر مصر رہیں تو ان پر اسی دنیا میں قیامت صغریٰ بپا ہو جاتی ہے۔ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا یہ قانون بیان کرتا ہے کہ جب وہ کسی قوم میں اپنے رسول کو مبعوث کرتا ہے تو دلائل و براہین کی وضاحت اور ایک مخصوص عرصہ تک مہلت دیئے جانے کے بعد ایمان نہ لانے کی صورت میں وہ قوم اسی دنیا میں خدا کے عذاب کی مستحق بن جاتی ہے جو اپنے مقررہ وقت پر نازل ہو کر رہتا ہے"

معزز قارئین! اگر غور فرمایئے تو یہ اقتباس بھی محض شاعرانہ تخیّل سے زیادہ اور کچھ نہیں۔ اس اقتباس میں کہی گئی باتوں میں سے کوئی ایک بھی ایسی نہیں جس کی تائید قرآن سے ہوتی ہو سب سے پہلی بات تو یہ کہ عمار صاحب کا یہ کہنا کہ "اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر کوئی ایسی پابندی عائد نہیں کی کہ اس دنیا میں حق واضح ہونے کے باوجود ایمان نہ لانے والوں کو کوئی سزا نہ دے گا" صریحاً خلافِ قرآن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یقیناً اپنے اوپر پابندی عائد کی ہے کہ وہ ایمان نہ لانے والوں کو دنیا میں کوئی سزا نہ دے گا۔ سورہ بقرہ آیت 256 اور سورہ یونس آیت 99 کی تفسیر میں تمام مفسرین نے اس پابندی کو مانا ہے جب تمام مفسرین یہ کہہ رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان و کفر میں اختیار دیا ہے تو پھر اس کا معنٰی یہی ہو سکتا ہے کہ دنیا میں کوئی سزا نہ دی جائے گی۔ اب اگر دنیا میں کفر کی بنا پر اللہ تعالیٰ سزا دے تو پھر وہ قانون ٹوٹ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کسی قانون کو بنانے کے بعد توڑتا نہیں اور اللہ سے سچی بات کس کی؟۔ لطف یہ کہ عمار صاحب نے صفحہ 145 پر صحابہ کرام کے روم و فارس پر جنگ کو رسول اللہ کے دعوتی خطوط کو قرار دیا ہے جو رسول اللہ نے ان بادشاہوں کو لکھے۔ اس طرح عمار صاحب نے خود ہی اس قانون کو توڑ دیا کیونکہ رسول اللہ روم و فارس میں مبعوث نہ ہوئے تھے۔ یہ اگر کھلا فکری تضاد نہیں تو اور کیا ہے؟۔

قرآن کے اسالیب سے محترم عمار صاحب یقینا ہم سے بہتر واقف ہیں مگر حیرت ہے کہ انہوں نے دین میں اختیار دینے والی آیات سے بہت سی قوموں کا بالعموم اور اہل مکہ کا بالخصوص استثناء بیان کیا ہے جب کہ یہ بات تو قرآن کا ادنیٰ طالب علم بھی جانتا ہے کہ قرآن جب بھی کوئی قانون بیان کرتا ہے تو اگر اس قانون میں کوئی استثناء ہو تو اسے وہیں بیان کر دیا جاتا ہے جب کہ ان تمام آیات، جن میں دین میں جبر کی نفی کی گئی ہے اور کفر اختیار کرنے کی آزادی دی گئی ہے، کہیں کوئی استثناء بیان نہیں کیا گیا۔ اس لئے اس باب میں یہ قطعی دلیل ہے کہ عمار صاحب نے سخت لغزش کھائی ہے۔ چند آیات کا حوالہ پیش کیا جاتا ہے جن میں استثناء کا اسلوب بیان ہوا ہے:۔

''فلولا کانت قریۃامنت فنفعھا ایمانھا الا قوم یونس لما اٰمنو ا کشفنا عنھم عذاب الخزی فی الحیٰوۃالدنیا ومتعنٰھم الیٰ حینo(یونس آیت98)تو کوئی بستی ایسی کیوں نہ ہوئی کہ ایمان لاتی تو اس کا ایمان اسے نفع دیتاہاں یونس کی قوم جب ایمان لائی تو ہم نے دنیا کی زندگی میں ان سے ذلت کا عذاب دور کر دیا اور ایک مدت تک انہیں فوائدِ دنیاوی سے بہرہ مند رکھا''۔ اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ کوئی قوم جب مستحق عذاب ہوئی تو ایمان نہ لائی پھر ان تمام اقوام میں سے صرف ایک قومِ یونس کا استثناء بیان کر دیا گیا کہ البتہ قوم یونس ایمان لے آئی تھی۔ دیکھ لیجئے یہ استثناء اسی آیت میں بیان کر دیا گیا۔ اسی طرح اگر اکراہ فی الدین کے معاملہ میں استثناء ہوتا تو وہیں بیان کر دیا جاتا۔

''فما امن لموسیٰ الا ذریۃ من قومہ علی خوف من فرعون وملائھم ان یفتنھم وان فرعون لعال فی الارض وانہ لمن المسرفین o(یونس83)تو موسیٰ پر کوئی ایمان نہ لایا مگر اس کی قوم کے چند لڑکے (اور وہ بھی) فرعون اور اس کے درباروالوں سے ڈرتے ڈرتے کہ کہیں وہ انہیں آفت میں نہ پھنسادے اور فرعون ملک میں تکبر میں حد سے بڑھا ہوا تھا''۔ اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ فرعون کی قوم میں سے موسیٰؑ پر کوئی ایمان نہ لایا لیکن ساتھ ہی الا کے لفظ سے چند نوجوانوں کا استثناء بیان کر دیا۔

''الطلاق مرتٰن فامساک بمعروف او تسریح باحسان ولا یحل لکم ان تاخذوا ممآ اتیتموھن شیئاً الآ ان یخافآ الا یقیما حدوداللہ فان خفتم الا یقیما حدود اللہ فلا جناح علیھما فیما افتدت بہ تلک حدود اللہ فلا تعتدوھا ومن یتعد حدوداللہ فاولٰئک ھم الظٰلمونo (البقرہ آیت229)طلاق صرف دوبار ہے پھر یا تو بھلائی کے ساتھ (نکاح میں) رکھ لینا ہے یا احسان کر کے چھوڑ دینا ہے اور یہ جائز نہیں کہ جو کچھ تم ان کو

دے چکے ہو اس میں سے کچھ واپس لو مگر اس صورت میں کہ دونوں کو اندیشہ ہو کہ وہ اللہ کی حدوں کو قائم نہ رکھ سکیں گے ہاں اگر زن و شوہر کو خوف ہو کہ وہ اللہ کی حدوں کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو اگر عورت رہائی پانے کے لئے مدلہ میں کچھ دے دے تو کوئی گناہ نہیں۔ یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں ان سے باہر نہ نکلنا اور جو لوگ اللہ کی حدوں سے باہر نکل جائیں وہی گناہگار ہیں"۔

اس آیت میں بھی جب طلاق کا قانون بیان کیا گیا تو عورتوں سے اپنے دیئے ہوئے مال سے کچھ بھی لینے سے منع کر دیا گیا۔ اس قانون میں بھی استثناء یہیں بیان کر دیا گیا کہ خلع کی صورت میں عورت مال دے کر شوہر سے رہائی پا سکتی ہے۔ قرآن میں یہ اسلوب بہت کثرت سے بیان ہوا ہے۔ اس طالب علم کو حیرت ہے کہ محترم عمار صاحب کا ذہن کیوں اس طرف نہ گیا۔ قرآن میں دین میں جبر نہ ہونے سے متعلق بہت زیادہ آیات ہیں مگر کسی ایک جگہ بھی اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ یا دورِ نبوّت کے بارے میں کسی قوم کا کوئی استثناء بیان نہیں کیا۔ اس کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ کوئی استثناء ہے ہی نہیں اگر کوئی استثناء ہوتا تو ہمارا ایمان ہے اللہ تعالیٰ اسے ضرور بیان فرما دیتے۔

محترم عمار صاحب نے صفحہ 235 سے دین میں جبر کی نفی والی آیات کو قوموں پر عذاب کے قانون کی طرف موڑ دیا اور قرآن کی بہت سی آیات پیش کی ہیں۔ یہ طالب علم پہلے حافظ صاحب کی پیش کی گئی آیات پر تبصرہ کرے گا اس کے بعد قرآن سے قوموں پر عذاب کا قانون بیان کرے گا۔ یہ بات واضح رہے قوموں پر عذاب کا جہاد سے کوئی تعلق ہے ہی نہیں۔ عذاب سے متعلق تمام آیات میں ایک جگہ بھی جہاد کا لفظ تک نہیں آیا یہ دلیل ہے کہ محترم عمار صاحب نے یہاں بھی اگرچہ اپنی تائید میں آیات تو قرآن سے پیش کی ہیں... مگر غیر متعلق؛ کیا قارئین کو یہ باور کروانے کے لئے کہ ان کا استدلال قرآنی ہے؟ ذرا ملاحظہ فرمایئے:

(1) پہلی آیت سورہ ھود کی آیت 28 ہے کہ "سیدنا نوحؑ نے اپنی قوم سے فرمایا": ''قال یقوم ارئیتم ان کنت علیٰ بینۃ من ربی واٰتٰنی رحمۃ من عندہ فعمیت علیک انلزمکموھا وانتم لھا کٰرھونo اے میری قوم دیکھو اگر میں اپنے رب کی طرف سے ایک واضح دلیل پر قائم ہوں اور اس نے مجھے اپنے پاس سے رحمت عطا کی ہے لیکن تمہاری نگاہیں اس کا ادراک کرنے سے عاجز ہیں تو کیا ہم زبردستی اسے

تمہارے سر تھوپ دیں گے جب کہ تم اسے پسند نہیں کرتے"۔

دوسری آیات سورہ یونس 99 تا102 پیش کی ہیں اور ان کے تحت لکھا ہے: "یہ درحقیقت زجر و توبیخ کا ایک اسلوب ہے جس کا مقصد استحقاق ہدایت کی اہلیت کا معیار بیان کرنا ہے نہ کہ اس دنیا میں سزا کی نفی...... چنانچہ سورہ یونس کی جو آیات ہم نے اوپر نقل کی ہیں ان میں قرآن مجید نے ولوشآء ربک لاٰمن من فی الارض کلھم جمیعا سے تکوینی جبر و اکراہ کی نفی کو بیان کیا ہے لیکن اس کے بعد فھل ینتظرون الا مثل ایام الذین خلوا من قبلھم سے منکرین حق کے مواخذہ کے قانون کا بھی ذکر کیا ہے اور اس طرح یہ واضح کر دیا کہ جبر و اکراہ کی نفی سے درحقیقت کیا مراد ہے"الشریعۃ صفحہ 236۔

محترم عمار صاحب نے یہاں بھی خلط مبحث کیا ہے وہ ان آیات کو ماننا نہیں چاہ رہے اور انکار بھی بن نہیں پڑ رہا اس کے لئے انہیں دوراز کار تاویلیں کرنی پڑ رہی ہیں تو کبھی خلط مبحث۔ ان آیات میں جبری ایمان کی مکمل نفی ہی کی گئی ہے اور عذاب کا قانون بھی بیان کیا گیا ہے مگر سوال یہ ہے کہ عذاب کیا ایمان نہ لانے کی وجہ سے آئے؟ جواب یہ ہے کہ ان آیات کا سیاق و سباق ہی اس بات کی نفی کر رہا ہے۔ سورہ یونس میں تو آیات 102-99 سے پہلے آیت 95 میں اللہ کی آیات کی تکذیب کرنے والوں کا ذکر ہے اس سے پہلے موسیٰ و فرعون کا ذکر ہے۔ مشرکین مکہ کی قرآن سے دشمنی کا ذکر ہے دیکھیں آیت 15، مزید یہ کہ آیت 13 میں مجرموں کو سزا دینے کا ذکر ہے اور سورہ ھود میں جو مقام آپ نے نوحؑ کے حوالے سے پیش کیا ہے اس سے آگے آیات 40 تک پڑھیے تو نوح کی تکذیب و استھزاء کا ذکر ہے اور عذاب کی یہی وجہ قرآن نے بتائی ہے کہ جب کفر رسول و نبی کا مخالف بن کر آتا ہے تو سزا دی جاتی ہے۔ فرعون کی مثال اس معاملہ میں واضح ہے جب تک وہ موسیٰ کے قتل کے درپے نہ ہوا، جادوگروں سے مقابلہ کرایا، موسیٰ سے دعائیں کرواتا رہا عذاب نہ آیا۔ مگر جب وہ موسیٰ علیہ السلام کے قتل کے درپے ہوا تو اسے غرقاب کر دیا گیا۔ سو جو آیات محترم عمار صاحب نے پیش کی ہیں ان میں تکوینی ایمان و فطری ایمان کی بحث کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ یونس کی آیت 97 میں جبری ایمان کی نفی کر دی تو پھر اختیاری ایمان ہی اللہ کو مطلوب ہے اور سارے مفسرین نے ایسا ہی سمجھا ہے۔ قوموں پر عذاب کیوں آتا ہے؟ یہ خاکسار اس پر قرآن کی آیات پیش کرے گا۔ قارئین تھوڑا سا انتظار کر لیں۔ عمار صاحب نے لا اکراہ فی الدین سے فرار کے لئے شانِ نزول کا بھی سہارا لیا ہے اور تفسیر طبری سے ایک

روایت پیش کی ہے۔ یہ دلیل ہے کہ عمار صاحب جانتے ہیں کہ ان کا موقف غلط ہے۔ طبری کا مقام کیا ہے تفسیری روایات کی حیثیت کیا ہے اور کوئی روایت بھلے صحیح بھی ہو کیا قرآن کے عام حکم کو خاص کر سکتی ہے؟۔ اس بات کو عمار صاحب ہم سے بہتر جانتے ہیں۔

صفحہ 238 پر تین آیات نقل فرمائی ہیں اور ان سے جو نتیجہ نکالا وہ اس طرح ہے:

(1) ''ربکم اعلم بکم ان یشا یرحمکم او ان یشا یعذبکم وماۤ ارسلنٰک علیھم وکیلاo (بنی اسرائیل آیت 54) تمہارا رب تمہارے بارے میں بہتر جانتا ہے۔ اگر وہ چاہے گا تم پر رحم کرے گا اور چاہے گا تو تمہیں سزا دے گا۔ اور (اے پیغمبر) ہم نے تمہیں ان پر مسلط کر کے نہیں بھیجا''۔

(2) ''وان ما نرینک بعض الذی نعدھم او نتوفینک فانما علیک البلٰغ وعلینا الحسابo (الرعد آیت 40) اور چاہے ہم تمہیں عذاب کی ایک جھلک دکھادیں جس کی ہم انہیں دھمکی دیتے ہیں یا تمہیں وفات دے دیں تمہارے ذمہ بس پہنچادینا ہے اور ہمارے ذمہ محاسبہ کرنا ہے''۔

(3) ''افانت تسمع الصم او تھدی العمی ومن کان فی ضلٰل مبین فاما نذھبن بک فانا منھم منتقمون اونرینک الذی وعدنٰھم فانا علیھم مقتدرونo (الزخرف 40-43:42) کیا تم بہروں کو سنا سکتے ہو یا اندھوں کو اور ان لوگوں کو راہ دکھا سکتے ہو جو کھلی گمراہی میں پڑے ہیں پھر اگر ہم تمہیں لے جائیں تو ہم یقیناً ان سے انتقام لیں گے۔ یا اگر تمہیں وہ عذاب دکھانا چاہیں گے جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے تو بیشک ہمیں ان پر پوری پوری قدرت حاصل ہے''۔

پھر ان آیات کا معنٰی یہ بیان کرتے ہیں'' ان آیات سے صاف واضح ہے کہ اللہ تعالٰی نے کسی انسان کو تو یہ حق نہیں دیا کہ وہ کسی دوسرے انسان کو اس کے اختیار کردہ مذہب سے بزور قوت برگشتہ کرنے کی کوشش کرے یا اس پر اسے سزا دے لیکن اللہ تعالٰی یہ اختیار رکھتے ہیں کہ وہ اتمام حجت کے بعد بھی دین حق کو قبول نہ کرنے والوں کو سزا دیں''۔

ان میں سے پہلی آیت بنی اسرائیل 54 ہے۔ اس آیت میں مشرکین مکہ سے متعلق رسول اللہ سے کہلوایا گیا ہے کہ تمہارا رب تمہارے اعمال سے خوب واقف ہے چاہے تو تم پر رحم کرے اور چاہے تو عذاب دے اور اے نبی آپ کو ان کا ذمہ دار نہیں ٹھہرایا گیا۔ اس آیت میں جزاء وسزا کی بات کی گئی ہے پورے قرآن میں یہ بات جگہ جگہ موجود ہے کہ رحم کن پر کیا جائے گا اور عذاب کن کو ہو گا۔ یہ بات تو کہیں نہیں آئی کہ جو ایمان نہ لائے اسے ہم دنیا میں عذاب دیں گے اور جو اچھے اعمال کریں گے ان پر رحم ہو گا مثلاً سورہ مومن کی آیت 9 میں ہے: وقھم السیات ومن تق السیات یومئذ فقد رحمتہ وذالک ھو الفوز العظیم o انہیں برائیوں سے بھی محفوظ رکھ حق یہ ہے کہ جسے برائیوں سے بچا لیا تو اس دن تو نے ان پر رحمت کر دی اور یہی بڑی کامیابی ہے"۔

اور اس سے اگلی آیت مومن 10 میں ہے:

'ان الذین کفروا ینادون لمقت اللہ اکبر من مقتکم انفسکم اذتدعون الی الایمان فتکفرون o بیشک جن لوگوں نے کفر کیا انہیں آواز دی جائے گی کہ یقینا اللہ کا تم پر غصّہ ہونا اس سے بہت زیادہ ہے جو تم غصّہ ہوتے تھے اپنے جی سے۔ جب تم ایمان کی طرف بلائے جاتے تھے پھر کفر کرنے لگتے تھے"۔

ان دونوں آیات میں بتا دیا گیا ہے کہ کن پر اللہ رحم کرتے ہیں یہ لوگ وہ ہیں جو برائیوں سے بچتے رہے اور کن پر اللہ غصّے ہوتا ہے یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا۔ لیکن یہ قیامت کے دن کی بات ہے کفر کی سزا یقینا ملے گی . . . دنیا میں نہیں آخرت میں۔ اسی طرح سورہ بقرہ میں ہے ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ بتا رہے ہیں:

"واذقال ابرٰھم رب اجعل ھذا بلدا اٰمناوارزق اھلہ من الثمرٰت من امن منھم باللہ و الیوم الاٰخر قال ومن کفر فا متعہ قلیلا ثم اضطرہ الیٰ عذاب النار وبئس المصیر o آیت 126 اور جب ابراھیم نے کہا اے پرورد گار تو اس جگہ کو امن والا شہر بنا اور یہاں کے باشندوں کو جو اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والے ہوں پھلوں کی روزیاں دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں کافروں کو بھی تھوڑا فائدہ دوں گا۔ پھر انہیں آگ کے عذاب کے طرف بے بس کر دوں گا یہ برا ٹھکانہ ہے۔

دوسری آیت سورہ رعد کی آیت 40 ہے اس میں نبی کی ذمہ داری صرف تبلیغ دین بتائی گئی ہے اور حساب اللہ تعالیٰ نے اپنی ذمہ داری بتائی ہے اس میں کسی مسلمان کو شک ہے نہ اختلاف۔ مگر قابل غور یہ ہے کہ نبی کریم کی جو ذمہ داری قرآن بتارہا ہے اسے ماناہی نہیں جاتا۔ خود عمار صاحب نے دین کو غالب کرنا ہدفِ نبوت جگہ جگہ لکھا ہے تو عمار صاحب کی پیش کردہ یہ آیت خود انہی کی فکر کے خلاف دلیل ہے۔

تیسرے نمبر پر سورہ زخرف کی آیات 40 تا 42 ہیں۔ ان میں مشرکین مکہ کے لئے سزا کا ذکر ہے ان آیات سے صرف ایک آیت پہلے ان کو ظالم کہا گیا ہے اور قرآن سے جزا و سزا کا یہی قانون سمجھ میں آتا ہے کہ کفر کے ساتھ ظلم و عدوان اور گناہ کے عناصر بھی شامل ہوں تو پھر دنیا میں بھی سزا دی جاتی ہے اور آخرت میں بھی۔ انشاء اللہ قانونِ عذاب کے تحت وہ آیات بھی پیش کی جائیں گی۔

مذکورہ آیات پیش کرنے کے بعد عمار صاحب لکھتے ہیں "چونکہ انسان کو اس دنیا میں بھیجنے کا مقصد آزمائش و امتحان ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے تکوینی طور پر انسانوں کو اس بات پر مجبور نہیں کیا کہ وہ اس پر ایمان لائیں بلکہ انہیں اپنے ارادے سے ایمان و کفر میں سے کوئی بھی راستہ اختیار کرنے کی آزادی دی ہے۔ (مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری.. امتیاز) اس امتحان اور آزمائش کے بامعنی اور منصفانہ ہونے کے لئے ضروری ہے کہ دارالامتحان میں انسانوں کو کوئی بھی عقیدہ و عمل اختیار کرنے کے لئے مجبور نہ کیا جائے (بالکل صحیح)۔ تاہم (یہ تاہم کہہ کر اب ایک بار پھر عمار صاحب اپنے ہی لکھے کی تردید کر رہے ہیں.. امتیاز) اس سے کسی طرح یہ لازم نہیں آتا کہ اس دنیا میں انسانوں کے محاسبہ و مواخذہ کا امکان ہی ختم ہو جائے اس لئے کہ عدم اکراہ کا اصول جزا و سزا کے قانون کی نفی کے لئے نہیں بلکہ اس جزا و سزا کو معقول و اخلاقی بنانے کے لئے درکار ارادہ و اختیار کی آزادی کی شرط کو یقینی بنانے کے لئے ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی سرکشی اور عناد کی صورت میں اس سے بازپرس کا اختیار ہی اپنے پاس نہیں رکھا الشریعۃ صفحہ 238۔

درجِ بالا اقتباس بھی محترم عمار صاحب کی تضاد فکری کی دلیل ہے۔ اصل میں جب بھی قرآن سے کوئی غلط قانون یا اصول اخذ کیا جائے گا تو قرآن اسے ہرگز قبول نہیں کرے گا۔

''لایاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ تنزیل من حکیم حمیدo اس میں باطل کا دخل نہ آگے سے ہو سکتا ہے اور نہ پیچھے سے (یہ قرآن) دانا اور خوبیوں والے کا نازل کردہ ہے (حٰم السجدہ 42)۔ پہلے تو عمار صاحب نے انسانوں کو بھیجنے کا مقصد امتحان اور پھر امتحان کا منصفانہ ہونا بتایا جو تصریحات قرآن کے عین مطابق ہے اور کسی بھی طرح کے جبر کی نفی کی ہے کہ ایمان و کفر میں کوئی جبر نہیں کیا جا سکتا۔ یہی تو ہم بھی کہہ رہے ہیں اور تمام مفسرین نے بھی ان آیات کا یہی معنی بیان کیا ہے۔ حُسن تو یہ ہے کہ اگلے ہی جملے میں اپنی بات کی نفی کر دیتے ہیں... مگر ذرا گھما کر... ''کہ اس سب کے باوجود اللہ تعالیٰ نے سرکش انسانوں کو سزا دینے کا اختیار اپنے پاس رکھا ہے''۔ سوال یہ ہے کہ آپ یہ بات تو ماننے کے لئے تیار ہی نہیں آپ تو ان لوگوں پر تنقید کر رہے ہیں اور یہی جناب کی فکر کا تضاد ہے۔ اس طالب علم کا گمان ہے کہ ایسا محض جناب جاوید احمد غامدی صاحب سے متاثر ہونے کی وجہ سے ہے۔ اصل سوال تو یہ ہے کہ جو انسان سرکش نہ ہوں بلکہ پر امن ہوں (مثلاً یوسف علیہ السلام سے مصری قوم کا حسن سلوک) اور نبی اور رسول پر ایمان بھی نہ لائیں تو کیا صرف علت کفر کی وجہ سے وہ قوم مستحق عذاب ہو سکتی ہے؟۔ جہاں تک اس طالبِعلم کی فہم کا تعلق ہے قرآن سے اس کا جواب نہیں میں ہے اور آپ نے درجِ بالا اقتباس میں سرکش انسانوں کے عناد کو وجہ عذاب تسلیم کر کے غیر شعوری طور پر ہی سہی مگر اس طالب علم کی تائید کر دی۔

لطیفہ! اس طالبعلم نے غالباً 2009ء میں محترم جاوید احمد صاحب غامدی سے اسلام آباد میں دوران گفتگو یہی بات عرض کی کہ پر امن کافر قوم پر عذاب نہیں آتا تو آنجناب نے مسکراتے ہوئے فرمایا تھا 'کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی قوم کافر بھی ہو اور پر امن بھی ہو' تو اس طالب علم نے مصری قوم کا حوالہ دیا کہ دیکھیں یوسف علیہ السلام پر وہ قوم ایمان تو نہ لائی مگر بادشاہ مصر نے ان کا اکرام کیا انہیں وزیر بنایا تو نہ صرف یہ کہ عذاب نہیں آیا بلکہ آیا ہوا عذاب بھی ٹل گیا... تو ہمارے نہایت قابل قدر دانشور جناب جاوید احمد غامدی صاحب نے یوسفؑ کے رسول ہونے کا ہی انکار کر دیا۔ انہیں بتایا بھی گیا کہ قرآن میں یوسف علیہ السلام کو رسول کہا گیا ہے مگر شائد ہمارے علماء کو اپنی فکر پر قرآن سے بھی زیادہ یقین و اعتماد ہوتا ہے۔ اسی طرح اس قانونِ رسالت کی وجہ سے انہوں نے اپنی کتاب برھان میں الیاس علیہ السلام کے منصبِ رسالت پر فائز ہونے کا انکار کر کے بھی کیا ہے.. شائد کسی نے ان کی توجہ ان باتوں کی طرف نہیں دلائی۔

بہر کیف یہ دو الگ الگ باتیں ہیں پہلی یہ کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو کفر و ایمان کے بارے میں اختیار و آزادی دی اور یہ قانون بنا دیا تو اب اس کے خلاف کوئی حکم دے کر یا سزا دے کر اپنے ہی قانون کی خلاف ورزی اللہ تعالیٰ کبھی نہیں کرے گا بدیہی اور سادہ سی بات ہے مگر عمار صاحب کو نجانے کیوں سمجھ نہیں آ رہی یا پھر اپنے محترم استاذ کی تکریم میں سمجھنا ہی نہیں چاہتے۔ وہ بار بار ایک قانون ماننے کے بعد اللہ تعالیٰ کے اختیار کی بات شروع کر دیتے ہیں۔ دیکھیں قرآن میں یہ قانون ہے کہ ''ابرار جنت میں اور فجار جہنم میں جائیں گے'' تو اب اس میں کسی قوم کا کوئی استثناء ہو سکتا ہے اور نہ ہی یہ بحث کہ اللہ تعالیٰ نے کہاں کہا ہے کہ میں فجار کو جنت نہیں دے سکتا یا قرآن میں آتا ہے ' جو کوئی بھی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں جائے گا'' لہذا اب اس قانون کو کسی صورت بدلا جا سکتا ہے اور نہ کوئی استثناء ہی تلاش کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح جب قرآن میں بہت سی آیات میں انسانوں کو عقیدہ کے اختیار میں آزادی عطا کی گئی ہے تو اس اختیار کی بنا پر دنیا میں سزا دینا اللہ تعالیٰ کی اپنے قانون کی خلاف ورزی ہو گی۔

قوموں پر عذاب اور قرآن

عمار صاحب نے الشریعۃ صفحہ 239 سے قوموں پر عذاب سے متعلق آیات پیش کی گئی ہیں۔ ہم بارہا کہہ چکے ہیں کہ قوموں پر عذاب کا تعلق جہاد و قتال سے نہیں بلکہ یہ ایک بالکل الگ چیز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی جہاد والی آیت میں عذاب کا ذکر نہیں یعنی کسی آیت میں بھی لفظ جہاد اور عذاب ایک جگہ نہیں آئے۔ اب قوموں پر عذاب سے متعلق قانون بیان کیا جاتا ہے۔

قوموں پر عذاب؟ محترم عمار صاحب فرماتے ہیں'' قرآن کی رو سے کسی قوم میں پیغمبر کی بعثت محض ایک داعی حق کی بعثت نہیں ہوتی بلکہ اس قوم کے لئے فیصلہ کی گھڑی ہوتی ہے اور پیغمبر کی بعثت کے بعد قوم کے سامنے دو ہی راستے ہوتے ہیں یا تو وہ پیغمبر کے دعویٰ کی تصدیق کرتے ہوئے اس پر ایمان لا کر نجات پائے اور یا اس کے دعویٰ کو تسلیم نہ کرے اور خدا کے عذاب کا نشانہ بن جائے''۔

''ولکل امۃ رسول فاذا جآء رسولھم قضی بینھم بالقسط و ھم لایظلمونo(یونس 47)ہر گروہ میں ایک رسول بھیجا گیا پھر جب ان کا رسول آ گیا تو ان کے مابین بالکل انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا گیا اور ان پر زیادتی نہ کی گئی''۔

عمار صاحب کا استدلال اس آیت سے بھی صحیح نہیں۔ اس آیت سے یہ نتیجہ نکالنا کہ رسول پر ایمان لانا ہی دنیوی عذاب سے بچنے کی ضمانت ہے تو پھر قرآن میں تضاد ہمیں اگرچہ نہ بھی نظر آئے مگر مخالفینِ قرآن کو تو یقینا نظر آئے گا ہی۔ کہ کہیں تو کفر و ایمان کے اختیار میں آزادی اور کہیں کفر کہ وجہ سے لازمی دنیوی عذاب۔ دوسری بات یہ کہ اس آیت میں بیان کردہ قانون کی وضاحت قرآن میں جگہ جگہ آئی ہے۔ قرآن میں بتایا گیا ہے کہ قوموں پر عذاب کفر کی وجہ سے نہیں بلکہ ظلم کی وجہ سے آئے۔ یہاں چند آیات قوموں پر عذاب سے متعلق پیش کی جاتی ہیں:

''وماکان ربک مہلک القرٰی حتّٰی یبعث فی امہا رسولا یتلوا علیہم اٰیٰتنا وما کنا مہلکی القرٰی الا واھلھا ظلمونo سورہ قصص آیت 59 اور تمہارا رب بستیوں کو ہلاک نہیں کرتا جب تک کہ ان کے بڑے شہر میں رسول نہ بھیج دے جو ان کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنائے اور ہم بستیوں کو ہلاک نہیں کیا کرتے مگر اس حالت میں کہ وہاں کے باشندے ظالم ہوں''۔ اس آیت میں صراحت ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف ان بستیوں کو ہلاک کرتا ہے جو ظالم ہوں۔ مگر انہیں بھی عذاب دینے سے پہلے رسولوں کے ذریعے اپنی کتاب بھیج کر انہیں کتاب سے دعوت دی جاتی ہے۔ یعنی کوئی قوم جب اللہ کی آیات سننے کے بعد بھی اپنے بُرے کرتوتوں سے باز نہیں آتی تو پھر مستحق عذاب ہو جاتی ہے تو عذاب کی علت کفر نہیں بلکہ ظلم بتائی گئی ہے اور رسول کے ساتھ آیات کی بھی تکذیب قوم کا جرم ہوتی ہے۔ مطالعہ قرآن سے واضح ہوتا ہے کہ قوم نبی یا رسول کی نہیں بلکہ اس پر نازل شدہ کتاب کی دشمن ہوتی ہے۔

سورہ عنکبوت میں اس قانون کی وضاحت یوں ہے:۔

''فکلااخذنا بذنبہ فمنھم من ارسلنا علیہ حا صبا ومنھم من اخذتہ الصیحۃ ومنھم من خسفنا بہ الارض ومنھم من اغرقنا وما کان اللہ لیظمھم ولکن کانوٓا انفسھم یظلمونo(العنکبوت40) تو ہم نے ان سب کو ان کے گناہوں کے سبب پکڑ لیا۔ سو ان میں کچھ تو ایسے تھے جن پر ہم نے پتھروں کا مینہ برسایا اور کچھ ایسے تھے جن کو چنگھاڑ نے آپکڑا اور کچھ ایسے تھے جن کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور کچھ ایسے تھے جن کو ہم نے غرق کر دیا۔ اور اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا لیکن وہی اپنے آپ پر ظلم کرتے رہے''۔ اس آیت میں بھی قوموں پر وجہ عذاب گناہ بتائی گئی ہے نہ کہ کفر اس آیت میں جن قوموں کا ذکر ہے وہ قارون، عاد، ثمود اور قوم نوح ہیں اور ان سب کے جرائم قرآن میں بڑی

وضاحت سے بیان کر دئے گئے ہیں۔ یہ سب کی سب نہایت ظالم اور سرکش قومیں تھیں۔ اسی لئے انہیں سزا دی گئی۔ محترم عمار صاحب سے درخواست ہے ان آیات کو دھیان سے پڑھیں ان تمام آیات میں وجہ عذاب ظلم بتائی گئی ہے۔ ہماری موئد اور بھی بہت سی آیات ہیں اور اس فکر سے قرآن میں کوئی تضاد بھی واقع نہیں ہوتا۔ جب کہ فکر عمار کی موئد قرآن میں کوئی ایک آیت بھی نہیں۔ مزید بر آں ان کی توجیح سے قرآن میں صریح تضاد بھی واقع ہوتا ہے۔

سورہ ھود میں ہے ''وکذلک اخذ ربک اذااخذ القرٰی وھی ظٰلمۃان اخذہ الیم شدیدo (ھود102)اور تمہارا پروردگار بستیوں (کے لوگوں) کو اسی وقت پکڑتا ہے جب وہ ظالم ہو جائیں۔ بیشک اس کی پکڑ دکھ دینے والی اور شدید ہوتی ہے''۔

سورہ ھود میں ھود، صالح، نوح اور ابراہیم و موسیٰ علیھم السلام وغیرہ کا تفصیلی بیان ہے کہ انکی قوموں نے کیا کیا مخالفت ان نبیوں کی کی۔ اس کے بعد یہاں اس آیت میں بتایا کہ عذاب کے بارے میں ہمارا طریقہ یہی ہے کہ کسی بستی کو اسی وقت ہلاک کیا جاتا ہے جب وہ ظالم ہو۔ اور ان تمام اقوام کا ظلم یہی تھا کہ اللہ کی تعلیم کا نا صرف کفر کیا بلکہ تکذیب بھی کی۔ انبیاء و رسل کا مذاق اڑایا حتیٰ کہ ان کے قتل کے درپے ہو گئیں مثال کے طور پر نوحؑ کی قوم نوح علیہ السلام کے قتل کے درپے تھی۔ سورہ شعراء 116۔ اور جب فرعون سیدنا موسیٰ کو قتل کرنے کے لئے فوج لے کر نکلا تو اسے عذاب نے آن گھیرا اور اسے اس کی آل سمیت غرق کر دیا گیا جسے قرآن میں سوٓالعذاب کہا گیا ہے۔

قرآن میں سورہ ھود کے آخر میں یہی قانون یوں بیان ہوا ہے:

وما کان ربک لیھلک القرٰی بظلم واھلھا مصلحونo(سورہ ھود117)اور تیرا رب ایسا نہیں کہ بستیوں کو جب کہ وہاں کے رہنے والے نیک ہوں ہلاک کر دے۔ مطلب یہ ہے کہ جب تک بستی والے نیک ہوں عذاب نہیں آتا۔ جب بد اعمال ہو جائیں اور گناہوں میں ڈوب جائیں تو پھر ان بستی والوں پر عذاب استیصال آتا ہے۔ لوط علیہ السلام کی قوم کی مثال بھی ہر طالب علم قرآن جانتا ہے۔ ان کی قوم ہم جنس پرستی میں مبتلا ہوئی تو انہیں تباہ و برباد کر دیا گیا۔

سورہ مومن میں تمام رسولوں کے بارے میں قانون اس طرح بیان کیا گیا ہے:

''وکذبت قبلھم قوم نوح والاحزاب من بعدھم وھمت کل

امۃ برسولھم لیخذوہ وجٰدلوا بالباطل لیدحضوا بہ الحق فاخزتھم فکیف کان عقابoمومن آیت 5 ان سے پہلے نوح کی قوم اور ان کے بعد اور امتوں نے بھی رسولوں کی تکذیب کی اور ہر امت نے اپنے رسول کے بارے میں یہی قصد کیا کہ اس کو پکڑ لیں اور ناحق اس سے جھگڑتے رہے کہ اسے حق سے ہٹا دیں تو میں نے انہیں (عذاب میں) پکڑ لیا... پھر عذاب کیسا تھا''۔

اس مقام پر تمام رسولوں کے بارے میں قانون بیان کر دیا گیا ہے کہ ہر امت نے اپنے رسول سے جھگڑا کیا اور زور زبر دستی سے انہیں حق سے ہٹانے کی کوشش کی تو انہیں عذاب دیا گیا۔

یہ بات غور کے قابل ہے کہ جس فکر کی نمائندگی محترم عمار صاحب کر رہے ہیں وہ نوح علیہ السلام کی قوم پر عذاب کی علت محض کفر مانتے ہیں۔ اس طلب علم سے جناب غامدی صاحب اور ان کے شاگرد محترم خوشید احمد صاحب ندیم نے نوح علیہ السلام کے بارے میں پوچھا تھا کہ بتایئے نوح علیہ السلام کی قوم پر عذاب کیوں آیا؟ تو اس طالب علم نے جواباً یہی آیات پیش کی تھیں۔ قرآن میں بہت تفصیل سے ذکر ہوا ہے کہ قوم نوح ان کا مذاق اڑاتی، ان کے قتل کے درپے اور بدترین مخالفت پر کمر بستہ تھی اس لئے انہیں ہلاک کر دیا گیا۔ سورہ مومن آیت 5، سورہ شعرا کے حوالے تو یہ طالب علم پیش کر چکا سورہ انبیاء آیات 77-76 بھی انتہائی قابل غور ہیں یہاں قوم نوح پر عذاب سے متعلق سورہ انبیاء کی محولہ بالا آیات پیش ہیں:

''ونوحا اذ نادٰی من قبل فاستجبنا لہ فنجینٰہ واھلہ من الکرب العظیمo ونصرنٰہ من القوم الذین کذبوا بأیٰتنا انھم کانوا قوم سوء فاغرقنٰھم اجمعینoاور نوح کے اس وقت کو یاد کیجئے جب اس نے اس سے پہلے دعا کی ہم نے اس کی دعا قبول فرمائی اور اسے اور اس کے گھر والوں کو بڑے کرب سے نجات دی۔ اور جو لوگ ہماری آیتوں کو جھٹلا رہے تھے ان کے مقابلے میں ہم نے اس کی مدد کی یقیناوہ برے لوگ تھے پس ہم نے ان سب کو ڈبو دیا''۔

یہ تمام آیات صریح بھی ہیں اور نہایت آسان مفہوم میں اس قانون کو بیان کر رہی ہیں جس کی رو سے قوموں پر عذاب آئے۔ نوح علیہ السلام کے بارے میں بھی یہ طالب علم قرآن سے نشاندہی کر چکا کہ ان کی قوم کا جرم محض کفر نہیں تھا بلکہ ظلم بھی تھا۔ اب یہ ہمارے ان اہل علم دوستوں کی مرضی کہ وہ یہ قانون مان لیں یا ''زبان و بیان کے اسالیب'' کو بنیاد بنا کر انکار کر دیں!۔

قرآن میں معذّب قوموں کے حوالے سے اور بہت سی آیات ہیں جن سب میں قوموں پر عذاب کی وجہ ظلم وعدوان اور سرکشی ہی بتائی گئی ہے۔ ماننے والوں کے لئے اتنی آیات بھی کفایت کرتی ہیں جو پیش کی جاچکی ہیں۔

آگے صفحہ 239 تا 244 قرآن کے 16 مقامات سے محترم عمار صاحب نے یوں استدلال کیا ہے "منکرین حق کے مواخذہ کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ قانون کی مذکورہ تفصیلات پیشِ نظر رہیں تو وہ الجھن بالکل رفع ہو جاتی ہے جس کا سامنا زیر بحث زاویہ نگاہ کو ہے یعنی یہ کہ جب دین کے معاملہ میں جبر واکراہ درست نہیں تو پھر کفار کے خلاف قتال کا باعث ان کے ایمان نہ لانے کو کیونکر قرار دیا جاسکتا ہے؟ کسی قوم یا فرد پر حجت تمام ہو جانے اور پھر اس کے بعد اس کو عذاب کا مستحق قرار دینے کا معاملہ سر تا سر خدا کے علم اور اس کے ارادے پر منحصر ہے۔ الشریعتہ صفحہ 244۔

یہ طالب علم اس تنقیدی مضمون میں حافظ عمار صاحب کی طرف سے لکھی گئی اس بات کو قرآن سے غلط ثابت کر آیا ہے کہ رسول اللہ نے مشرکین کے خلاف قتال نہیں کیا بلکہ قتال تو مشرکین نے رسول اللہ پر مسلط کیا قرآن اس معاملہ میں واضح ہے کہ جب مشرکین نے مسلمانوں کو عقیدہ توحید کی بنا پر مکہ سے جبری نکالا تو مسلمانوں کو لڑنے کی اجازت دی گئی۔ سورہ حج 39-40 اور بقرہ 190 تا 193 کی تفسیر کسی بھی مفسر کی کتاب سے پڑھ لیں۔ محترم عمار صاحب کو علم ہونا چاہیئے کہ کسی کو عذاب کا مستحق قرار دینے کا معاملہ بے شک خدا کے علم وارادہ پر منحصر ہے مگر قرآن میں اللہ نے اپنے ارادہ کا اظہار بھی کر دیا ہے یہ نہیں کہ مخلوق کو جزاو سزا اور عذاب و نعمت کے قانون سے بے خبر رکھا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے جنت کا مستحق صادقین اور متقین کو اور اپنے عذاب کا مستحق ظالموں اور فاسقوں کو بتایا ہے پورے قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا ہی تو بتائی ہے جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا ہے انہیں کرنے سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے اور جن سے منع کیا ہے ان سے رک جانے سے بھی خوش ہوتا ہے اور ان احکامات کی خلاف ورزی کرنے سے ناراض ہوتا ہے معلوم نہیں عمار صاحب نے اتنی خلافِ واقعہ بات کیسے لکھ دی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ قوموں پر عذاب سے متعلق مکمل قانون قرآن میں بیان کر دیا ہے اللہ تعالیٰ ظالم و سرکش قوموں پر عذاب بھیجتا ہے اور جنگ بھی انہی لوگوں سے کرنے کی اجازت دیتا ہے جو فتنہ وفساد اور ظلم وجبر کی مرتکب ہوں اس کی تفصیل بیان کی جاچکی ہے چنانچہ قرآن میں قتال کے جو احکام آئے ہیں ان میں فتنہ سے مراد مذہبی جبر ہے۔ سورہ بقرہ آیت 193 میں فتنہ مذہبی جبر ہی کو کہا گیا ہے۔ شیخ القرآن محمد علی کاندھلوی نے اور وحید الدین خان صاحب نے بھی فتنہ سے مراد مذہبی جبر ہی لیا ہے۔ چنانچہ

عمار صاحب کی یہ تقریر غلط ہے کہ مشرکین مکہ سے رسول اللہ نے قتال ان کے شرک کی وجہ سے کیا بلکہ قرآن کی گواہی ہے کہ توحید کی وجہ سے رسول اللہ سے مشرکین نے قتال کیا۔ سورہ حج آیات 40-39 سے یہ بات عیاں ہے۔ دنیوی عذاب سے متعلق عمار صاحب نے قرآن کے جو 16 مقامات پیش کئے ہیں ان میں کوئی ایک مقام بھی ایسا نہیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ محض کفر کی وجہ سے رسول اللہ نے مشرکین یا اہل کتاب کے خلاف اعلانِ جنگ کیا ہو۔ ہر آیت کا ترجمہ جو عمار صاحب نے پیش کی اس کا ترجمہ لکھ کر اس پر تبصرہ کیا جاتا ہے۔ وما توفیقی الا باللہ۔

(1) ''کہہ دو کہ بتاؤ اگر اللہ کا عذاب تم پر رات کو سوتے میں یا دن کو آ گیا تو وہ کیا چیز ہے جس کی جلدی ان مجرموں کو ہے کیا پھر جب وہ عذاب آن پڑے گا تو تب تم ایمان لاؤ گے۔ کیا اب (ایمان لاتے ہو) جب کہ تم تو اس عذاب کے جلد آنے کا مطالبہ کر رہے تھے'' (یونس 51-50)۔

ان آیات میں کہیں یہ ذکر نہیں اور نہ ہی سیاق و سباق یہ بتاتا ہے کہ مشرکین مکہ پر کفر کی وجہ سے عذاب آیا بلکہ مشرکین تو رسول اللہ کی تکذیب کر رہے تھے اور مذاق اڑا رہے تھے اور عذاب کے جلد آنے کا مطالبہ کر رہے تھے اس وجہ سے انہیں عذاب کی وعید سنائی گئی۔ خود اس آیت میں انہیں مجرمین کہا گیا ہے۔ اور قرآن سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ ایسے کافر جو نبیوں، رسولوں اور صالحین کا مذاق اڑائیں، آسمانی تعلیم کو جھٹلائیں اور زور زبردستی سے کام لیں انہیں عذاب دیا جاتا ہے نا کہ صرف کفر کی وجہ سے۔

(2) ''اور ہم رسولوں کو اسی لئے بھیجتے ہیں کہ وہ بشارت دیں اور انذار کریں۔ پھر جو لوگ ایمان لے آئے اور (اپنے اعمال کو) درست کر لیا ان پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمزدہ ہوں گے۔ لیکن جو ہماری آیات کو جھٹلائیں ان کو ان کے گناہوں کی وجہ سے عذاب آلیتا ہے'' (الانعام 49-48)۔

اس آیت میں بھی رسولوں کا مقصدِ بعثت بشارت و انذار بتایا ہے اور عذاب کی وعید انہیں سنائی ہے جو اللہ کی آیات کو جھٹلائیں تو ان گناہوں کی وجہ سے (نہ کہ شرک کی وجہ سے) عذاب آلیتا ہے۔ ان آیات میں قتال کا ذکر کہاں ہے یا جہاد کا حکم کہاں ہے؟۔ اس مقام سے بھی اس ناچیز طالب علم کی تائید ہو رہی ہے کہ رسولوں کا مقصد بعثت محض تبلیغ ہے۔

(3) ”ہم نے تمہیں حق کے ساتھ بھیجا بشارت دینے والا خبر دار کرنے والا۔ اور کوئی گروہ ایسا نہیں جس میں کوئی آگاہ کر دینے والا نہ گزرا ہو۔ اور اگر یہ لوگ تمہیں جھٹلاتے ہیں تو ان سے پہلے بھی لوگوں نے (پیغمبروں کو) جھٹلایا ان کے پاس بھی ان کے رسول واضح دلائل اور صحائف اور ایک روشن کتاب لے کر آئے تھے۔ پھر میں نے کفر کرنے والوں کو پکڑا تو کیسی تھی میری سزا“(فاطر 24 تا 26)۔

ان آیات میں بھی رسولوں کی تکذیب وجہ عذاب بتائی گئی ہے اور رسول اللہ کو بشیر و نذیر کہا گیا ہے۔ بس یہی آپؐ کی ذمہ داری تھی کہ نیک لوگوں کو جنت کی بشارت سنائیں اور بدکاروں کو دوزخ کی وعید سنا دیں۔ دین کو غالب کرنا یا کفر و شرک کا خاتمہ رسول اللہ کی ذمہ داری تھی ہی نہیں۔

(4) ”اور یہ عاد کے لوگ تھے جنہوں نے اپنے رب کی نشانیوں کا انکار کیا اور رسولوں کی نافرمانی کی اور ہر ہٹ دھرم جبار کی پیروی کی۔ ان پر اس دنیا میں بھی لعنت کی گئی اور آخرت میں بھی۔ سنو عاد نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا سنو ھود کی قوم عاد کے لئے بربادی مقدر ہوئی“(ھود 58 تا 60)۔

ان آیات میں قوم عاد کا جرم سرکشی بتایا گیا ہے اور رسولوں کی بجائے جابروں کی پیروی ان کا جرم تھا قوم عاد نے بھی ھود علیہ السلام کی تکذیب کی ان پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے عذاب نہیں آیا بلکہ اللہ کی آیات سے مجادلہ ان کا جرم تھا۔ اس آیت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں” قرآن نے قوموں کی بربادی کی وجہ ان کا ایمان نہ لانا ہی بیان کی ہے“۔

یہ عمار صاحب کی حد درجہ سادگی ہے کہ آیت میں بیان کئے گئے جرائم سے صرفِ نظر کرتے ہوئے محض کفر کو علت عذاب بیان فرمارہے ہیں ورنہ آیت میں واضح طور پر رسولوں کی نافرمانی اور ہٹ دھرم جباروں کی پیروی قوم عاد کا جرم بیان کیا گیا ہے۔

(5) ”اور یقیناً ہم نے تم سے پہلی قوموں کو بھی ہلاک کیا جب انہوں نے ظلم کیا ان کے پاس ان کے رسول واضح دلائل لیکر آئے لیکن وہ ایمان لانے پر آمادہ نہ ہوئے اسی طرح ہم مجرم قوموں کو عذاب دیا کرتے ہیں“(یونس 13)۔

یہ آیت تو خود عمار صاحب کے خلاف دلیل ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ جن قوموں نے ظلم کیا انہیں ہلاک کیا گیا اور سزا بھی اللہ تعالیٰ مجرموں کو ہی دیتے ہیں۔ اگر علتِ عذاب کفر ہوتی تو اللہ تعالیٰ کو کیا مانع تھا کہ علتِ عذاب، کفر بیان نہ کرتے۔ اس طرح اب تک پیش کی گئی تمام آیات خود عمار صاحب کے خلاف حجت ہیں۔

(6) ''بیشک وہ لوگ جن پر تیرے رب کا فیصلہ لازم ہو جائے، چاہے ان کے پاس ہر نشانی آجائے وہ اس وقت تک ایمان لانے کے لئے تیار نہیں ہوتے جب تک دردناک عذاب کو سامنے نہ دیکھ لیں'' (یونس 97-96)۔

ان آیات سے ایک آیت پہلے آیت 95 میں ہے ''اور ان لوگوں میں سے نہ ہونا جو اللہ کی آیتوں کی تکذیب کرتے ہیں ورنہ نقصان اٹھاؤ گے''۔ ان آیات میں پیچھے سے مسلسل قومِ نوح، قومِ شعیب اور فرعون کا ذکر ہے ان تمام قوموں نے اپنے انبیاء و رسل کی صرف تکذیب ہی نہیں کی بلکہ ان کا مذاق بھی اڑایا انہیں ڈرایا حتیٰ کہ انہیں قتل کرنے کے درپے بھی ہوئے، تب انہیں بدترین عذاب نے آگھیرا۔ تو جو آیات محترم عمار صاحب نے پیش کی ہیں ان میں گذری اقوام کے بارے میں یہ قانون بیان کیا ہے کہ جب تک عذاب نہ دیکھ لیں ایمان نہیں لاتیں۔ مثلاً فرعون جب موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے قتل کے درپے ہوا تو اسے ڈبو دیا گیا اور جب اس نے دیکھ لیا کہ اب موت سامنے ہے تو ایمان لے آیا۔ اس آیت میں اسی عذاب کا ذکر ہے اور وجہ یہاں بھی کفر نہیں بلکہ فتنہ و فساد اور ظلم ہی ہے۔ اس طرح یہ تمام آیات عمار صاحب کے خلاف دلیل ہیں۔

(7) ''اے ہمارے رب ان کے اموال کو تباہ و برباد کر دے اور ان کے دلوں پر مہر لگا دے، یہ جب تک دردناک عذاب کو نہ دیکھ لیں ایمان نہ لائیں گے'' (یونس 88)۔

اس آیت میں موسیٰ علیہ السلام کی دعا فرعون کے بارے میں بیان ہوئی ہے اور 5 آیات پیچھے فرعون کا جرم بیان ہوا ہے کہ فرعون ملک میں متکبر و متغلب اور حد سے بڑھا ہوا تھا۔ قرآن میں جگہ جگہ فرعون کا جرم بتایا گیا ہے وہ بنی اسرائیل پر بدترین ظلم کرتا تھا۔ اس لئے فرعون کے لئے نبی نے بدّعا کی۔ سو اس مقام پر بھی عمار صاحب کے لئے کوئی دلیل نہیں۔

(8) ''اے میرے رب انہوں نے میری نافرمانی کی اور ان لوگوں کی پیروی اختیار کی جن کے مال و اولاد نے ان کے گھاٹے میں اضافہ ہی کیا...... انہوں نے بہت لوگوں کو گمراہ کیا ہے اور تو ان ظالموں کی گمراہی میں اضافہ ہی فرمانا'' (نوح 21 تا 24)۔

ان آیات سے ایک آیت آگے ہے "وہ اپنے گناہوں کے سبب ڈبو دیئے گئے پھر آگ میں ڈال دیئے گئے تو انہوں نے اللہ کے سوا اپنا کوئی مددگار نہ پایا" (نوح آیت 25) اس آیت میں تو اللہ تعالیٰ نے سببِ عذاب بھی خود ہی بیان کر دیا ہے اور وہ سبب کفر نہیں گناہ ہے۔ نوح علیہ السلام کے بارے میں سورہ انبیاء، مومن اور شعراء کے حوالوں سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ قومِ نوح، نوح علیہ السلام پر ایمان نہ لائی تو اسے ڈبو دیا گیا۔ وہ کفر کی وجہ سے نہیں بلکہ جو قانون قرآن میں بیان ہوا ہے، ظلم کی وجہ سے ہلاک ہوئی قرآن سے قطعیت سے ثابت ہے کہ کفر کی وجہ سے (یعنی کوئی شخص اللہ کو کتابوں کو رسولوں کو نہ مانے مگر اچھے اخلاق و اعمال کے ساتھ دنیا میں رہے) کوئی عذاب دنیوی نہیں آتا۔ سورہ قصص 59، سورہ ھود 102 اس پر ہماری دلیل تو ہیں ہی خود یہ آیات جو عمار صاحب نے پیش کی ہیں ان میں سے سورہ نوح کی آیت 24 میں نوح علیہ السلام نے انہیں ظالم ہی کہا ہے۔ اس طرح یہ آیات بھی عمار صاحب کی فکر کے خلاف ہیں۔

(9) " اللہ نے فرمایا اے نوح وہ تمہارے اہل میں سے نہیں اس کے اعمال نیک نہیں تھے۔ سو تو اس چیز کا سوال نہ کر جس کا تجھے علم نہیں میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ جاہلوں میں سے نہ ہو جا" (ھود-46)۔

نوح علیہ السلام کی قوم پر عذاب کیوں آیا؟ جواب قرآن نے دے دیا ہے... وہ گناہوں میں غرق تھی (سورہ نوح25) وہ نوح کے قتل کے درپے تھی (شعراء116) وہ نوح کو بہت تکلیف پہنچا رہی تھے اور بہت بری قوم تھی (انبیاء77-76) تو نوح علیہ السلام کا بیٹا بھی اس بری قوم کا فرد تھا اور اللہ نے اس آیت میں اس کے غیر صالح اعمال کا حوالہ بھی دیا ہے تو اسے کفر محض کی وجہ سے ہلاک نہیں کیا گیا بلکہ گناہوں کی وجہ سے عذاب دیا گیا۔ قارئین! ایک بار پھر سورہ عنکبوت آیت 40 پڑھ لیں کہ اللہ تعالیٰ قوموں کو کیوں عذاب دیتا ہے۔ یوں یہ مقام بھی عمار صاحب ناصر کے لئے دلیل بننے سے قاصر ہے۔

دسواں مقام نقل کرنے سے پیشتر مناسب معلوم ہوتا ہے جو تمہید اس بارے میں عمار صاحب ناصر نے باندھی ہے وہ بھی قارئین کے سامنے پیش کر دی جائے۔ اس سے معلوم ہوگا کہ ہمارے یہ فاضل دوست یا تو بہت سادہ ہیں یا پھر تجاہل عارفانہ سے کام لے رہے ہیں۔ فرماتے ہیں: " سیدنا لوطؑ کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنی قوم پر خدا کا عذاب آنے سے پہلے اپنے اہل خانہ کو لے کر رات کے اندھیرے میں اپنی بستی سے نکل جائیں تو ساتھ ہی یہ ہدایت بھی کی گئی کہ اپنی بیوی کو ساتھ لے کر نہ جائیں کیونکہ ایمان نہ

لانے کی وجہ سے وہ بھی خدا کے عذاب کی مستحق ہے اور اسی انجام کا شکار ہو گی جو ان کی قوم کے لئے مقرر کیا جا چکا ہے"(الشریعتہ صفحہ 242)۔اور سورہ ھود سے یہ آیت پیش کی ہے:

(10) "فاسر باھلک بقطع من الیل ولا یلتفت منکم احد الا امراتک انہ مصیبھا مآاصابھم ان موعدھم الصبح الیس الصبح بقریبo(سورہ ھود آیت 81)اپنے گھر والوں کو لے کر رات کے کسی پہر روانہ ہو جاؤ اور تم میں سے کوئی پلٹ کر نہ دیکھے۔ہاں اپنی بیوی کو ساتھ نہ لے جانا بیشک اس پر بھی وہی عذاب آئے گا جو پوری قوم پر آنے والا ہے.........."

ہم نے عمار صاحب کو سادہ اس لئے کہا ہے کہ سورہ ھود میں سیدنا لوط علیہ السلام کا تذکرہ آیت 77 سے لے کر آیت 8 3 تک آیا ہے اور عمار صاحب نے اپنی دلیل آیت 81 سے لی ہے مگر ان سات آیات میں کہیں بھی کفر کا لفظ تک نہیں آیا بلکہ عذاب کی وجہ بتائی کہ قوم لوط ہم جنس پرستی میں مبتلا تھی اور لوط علیہ السلام کے گھر کو گھیر بھی لیا تھا چنانچہ اس مقام سے تو حافظ عمار صاحب کے خلاف مسئلہ ثابت ہو رہا ہے کہ قوم لوط کو ایمان نہ لانے کی وجہ سے نہیں بلکہ بد ترین گناہ کی وجہ سے ہلاک کیا گیا حتیٰ کہ لوط علیہ السلام بہت پریشان بھی ہوئے کہ مہمانوں کو کس طرح ان آوارہ و بد چلن لوگوں سے محفوظ رکھیں تب فرشتوں نے ان کا کام تمام کر دیا۔اس طرح یہ مقام بھی حافظ عمار صاحب کی فکر سے غیر متعلق بھی ہے اور ان کے دعویٰ کی تردید بھی کر رہا ہے۔

(11) "اور یقیناً ہم نے ہر قوم میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچو سو ان میں سے کچھ تو ایسے تھے جنہیں اللہ نے ہدایت دی اور کچھ وہ تھے جن پر گمراہی مسلط ہو گئی۔تو تم زمین میں چلو پھرو اور دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا(النحل 36)۔

اس آیت میں بھی کہیں یہ بیان نہیں کیا گیا کہ قوموں پر عذاب کی وجہ کفر تھی۔آیت کے آخر میں بتا دیا گیا ہے کہ عذاب تکذیب کرنے والوں پر آیا(نہ کہ کفر کرنے والوں پر)اور حقیقت بھی یہی ہے کہ عذاب، تکذیبِ آیات، انبیاء و رسل کی وجہ

سے آئے نہ کہ کفر کی وجہ سے اور یہی بات حافظ عمار صاحب کو قبول نہیں۔ اس آیت 33 میں کفار پر وجہ عذاب ظلم بتائی گئی ہے۔ اور آیت 34 میں ان قوموں کا دوسرا جرم استھزاء بیان کیا گیا ہے اور آیت 35 میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ ان کے شرک کی ذمہ داری آپ پر نہیں بلکہ رسولوں کی ذمہ داری تو صرف اللہ کے پیغام کو من وعن پہنچا دینا ہوتی ہے۔ اب یہ بات بھی محترم عمار صاحب کی فکر کے خلاف ہے کیونکہ وہ تو مقصد وہدفِ نبوت کفر وشرک کا خاتمہ اور غلبہ دین بتاتے آئے ہیں مگر یہاں بھی اور جگہ جگہ رسول اللہ کی ذمہ داری صرف تبلیغ وتعلیم دین ہی بتائی گئی ہے۔

(12) ”ان سے پہلے قوم نوح اور قوم عاد اور میخوں والے فرعون اور قوم ثمود اور قوم لوط اور جنگل والوں نے بھی (پیغمبروں کو) جھٹلایا۔ یہی ہیں (منکرین) کے گروہ ان میں سے ہر ایک نے رسولوں کو جھٹلایا جس پر میرا عذاب ان پر مسلط کر دیا گیا“ (سورہ ص آیات 12 تا 14)۔

ان آیات کو نقل کرتے وقت بھی محترم عمار صاحب نے ذرّہ برابر بھی دھیان نہ دیا کہ ان تمام اقوام کے حالات قرآن میں تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں۔ ان تمام اقوام کو عذاب کفر کی وجہ سے نہیں بلکہ ان کے اعمال بد اور ظلم کی وجہ سے دیا گیا۔ خود ان کی پیش کردہ آیات میں بھی ان اقوام کے ذکر میں قوموں کے کفر کا حوالہ نہیں دیا گیا۔ بلکہ تکذیب کا حوالہ عمار صاحب کی فکری تردید کر رہا ہے۔ اس مقالہ کے قارئین پر واضح ہو چکا ہو گا کہ قوم نوح وعاد وفرعون وقوم لوط پر عذاب کی وجہ قرآن سے ان کے اعمال بد بتائے گئے، ان کے گناہ بتائے گئے اور نبیوں ورسولوں کے قتل کے درپے ہونا بتایا گیا ہے۔ یہ آیت بھی عمار صاحب کی فکر کو غلط ہی بتا رہی ہے۔ اے کاش وہ سمجھیں۔

(13) سیدنا نوح نے اپنی قوم کے بارے میں فرمایا ”اے میرے رب بیشک میرے قوم نے مجھے جھٹلا دیا ہے سو تو میرے اور ان کے درمیان واضح فیصلہ فرما دے (الشعراء 118-177) (اس میں حوالہ غالباً کاتب کی غلطی کی وجہ سے درست نہیں آیت کا نمبر 177 کی بجائے 117 ہے.. امتیاز)۔

قارئینِ محترم! عمار صاحب بنا سوچے سمجھے آیات نقل کر رہے ہیں... قرآن کا یہ مقام تو خود ان لوگوں کی فکر کے خلاف حجت ہے جو محض کفر کی بنا پر قانونِ رسالت کے تحت جزاء وسزا کے قائل ہیں۔ ان دو آیات سے پہلے آیت 116 میں ہے کہ نوح کی قوم نے کہا.. اگر تو باز نہ آیا تو ہم تجھے سنگسار کر دیں گے۔ اس کے بعد نوح علیہ السلام نے دعا مانگی اور فرمایا میری قوم نے مجھے جھٹلایا اور پھر ان کو سیلاب میں غرق کر کیا گیا۔ اس مقام سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قوموں نے اپنے نبیوں کی جو تکذیب کی وہ کس قسم کی تھی یعنی ان کی بدترین مخالفت کی جسے قرآن میں ''شاق'' کہا گیا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ قوموں پر عذاب کفر کی وجہ سے نہیں آیا رسولوں کی بعثت سے لے کر قیامت تک دنیا میں کفر شرک رہے گا مگر کفر کی وجہ سے کسی قوم کو دنیا میں سزا نہیں دی گئی یا دی جائے گی البتہ کفر کے ساتھ جب تکذیب انبیاء ورسل و مصلحین و آیات الٰہی اور گناہوں کی زیادتی ہو جاتی ہے تو پھر اللہ کا عذاب آتا ہے اور قیامت تک یہ عذاب آتے رہیں گے۔ عمار صاحب کے استاذ جاوید احمد غامدی اس قانون رسالت کی وجہ سے رسولوں کی بعثت ختم ہونے کی بنا پر اب عذاب آنے کے قائل نہیں ناچیز نے جب انہیں سورہ بنی اسرائیل کی آیت 58 بتائی تو اس وقت تو یہ بات غام، دی صاحب نہ مانے مگر بعد میں لاہور جا کر ہمارے دوست افتخار تبسم صاحب سے کہلوا دیا کہ واقعی اس مقام سے قیامت تک عذاب کا آنا ثابت ہوتا ہے۔ اس کا اثر تو یہ ہونا چاہیئے تھا کہ غامدی صاحب یہ بھی مان لیتے کہ قانون رسالت بیان کرنے میں انہیں سہو ہوا ہے مگر حیرت ہے کہ آج بھی یہ حضرات اسی فکر کو صحیح ثابت کرنے پر مصر ہیں۔ اس پر دعا ہی کی جاسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اور انہیں حق بات ماننے کی توفیق عطا فرمائے۔ مزید یہ کہ قرآن کے کسی مقام سے اس قانون کی تائید نہیں ہوتی البتہ درجنوں آیات سے اس قانون کی تردید ہوتی ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سورہ بنی اسرائیل کی آیت یہاں نقل کر دی جائے۔

''وان من قریۃ الا نحن مھلکوھا قبل یوم القیٰمۃ او معذبوھا عذابا شدیدا کان ذلک فی الکتٰب مسطورا o اور تکذیب کرنے والوں کی کوئی بستی نہیں مگر قیامت سے پہلے ہم اسے ہلاک کر دیں گے یا سخت عذاب دیں گے یہ ہمارا قانون ہے''۔

اس آیت سے بھی ہمارے ان دوستوں کا مفروضہ قانونِ رسالت ٹوٹ جاتا ہے۔

(14) فرعون اور آلِ فرعون کے بارے میں ارشاد ہوا ہے!

”پھر جب ان کے پاس ہماری روشن نشانیاں آئیں تو انہوں نے کہا کہ یہ تو کھلا جادو ہے انہوں نے ظلم اور سرکشی سے کام لیتے ہوئے ان نشانیوں کو جھٹلا دیا جب کہ ان کے دل ان کا یقین کر چکے تھے سو دیکھو مفسدین کا انجام کیسا ہواo (النحل 14-13) “۔اور اس قانون کی تائید میں سورہ شعراء 189-139 بھی پیش کی ہیں۔الشریعۃ صفحہ 243۔

ایک بار پھر یہاں بھی ان تمام آیات سے محترم عمار خاں صاحب کی تردید ہی ہوتی ہے۔فرعون پر عذاب کیوں آیا یہ بات ساری دنیا جانتی ہے اور یہ خاکسار قرآن سے بھی اس کی نشاندہی کر آیا ہے خود ان آیات میں بھی عمار صاحب کی تردید موجود ہے۔ اپنے ہی ترجمہ میں انہوں نے خود لکھا ہے ”انہوں نے ظلم و سرکشی سے کام لیتے ہوئے ان نشانیوں کو جھٹلایا۔۔۔۔۔سو دیکھو مفسدین کا انجام کیا ہوا“۔ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام پر عمار صاحب کو یاد دلا دیا جائے کہ بنیادی طور پر ان کا تو مقدمہ ہی یہی ہے کہ رسول اللہ نے دنیا میں قتال کفر و شرک کے خاتمہ اور دین کی سربلندی کے لیے کیا۔ان آیات سے بھی وہ یہی بات ثابت کرنا چاہ رہے ہیں کہ قوموں کو سزا ان کے کفر کی وجہ سے دنیا میں بھی دی گئی اور اب تک ایک آیت بھی اپنی تائید میں پیش نہ کر سکے ہیں۔

(15) ”اور یقیناً ہم نے تم سے پہلے بہت سی امتوں کی طرف رسول بھیجے تو انہیں جسمانی اور مالی تکلیفوں میں مبتلا کیا تاکہ وہ عاجزی اختیار کریں تو کیوں نہ ایسا ہوا کہ جب ان پر ہمارا عذاب آیا تو وہ عاجزی اختیار کرتے مگر ان کے دل سخت ہو گئے اور شیطان نے ان کے اعمال کو ان کے سامنے خوبصورت بنا دیا پھر جب انہوں نے یاددہانی کی ان باتوں کو فراموش کر دیا جو انہیں کی گئیں تھیں تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے یہاں تک کہ جب وہ ان چیزوں پر جو انہیں دی گئی تھیں خوش ہو گئے تو ہم نے ان کو اچانک آ پکڑا اور پھر وہ ناگہاں مایوس ہو کر رہ گئے۔پھر ان لوگوں کی جنہوں نے ظلم کیا جڑ کاٹ دی اور تعریف کا سزاوار اللہ جہانوں کا پروردگار ہی ہے“(الانعام 42 تا 45)ان آیات میں بھی عذاب کی علت ظلم بتائی گئی ہے نہ کہ کفر۔

ان آیات سے عمار صاحب یہ نتیجہ نکالتے ہیں ”قرآن کی رو سے عذاب الٰہی کے یہ واقعات عبرت کی غرض سے رونما کئے جاتے ہیں تاکہ دنیا کے باقی لوگ عبرت پکڑیں اور ہدایت الٰہی کے انکار اور اس کے جھٹلانے سے باز رہیں چنانچہ ان قوموں پر دنیا میں آنے والے عذاب کو وہ آخرت کے عذاب کی ایک نشانی اور یاددہانی قرار دیتا ہے کہ دنیا کے عذاب کا باعث اور علت بھی وہی ہے جسکی بنیاد پر آخرت میں اہل کفر عذاب الٰہی کے سزاوار قرار پائیں گے“ (الشریعۃ صفحہ 244-243)۔

ہمیں افسوس ہے کہ عمار صاحب نے قرآن پر غور نہیں کیا اور زبان و بیان کے اسالیب میں پھنس کر رہ گئے۔ اتنی بات تو درست ہے کہ دنیا میں عذاب الٰہی سے دوسرے انسانوں کو سبق دینا بھی مراد تھا تاکہ لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈریں مگر یہ بات بالکل خلاف قرآن ہے کہ دنیا میں بھی عذاب کی علت وہی ہے جو آخرت میں علتِ عذاب ہوگی۔ اس معاملہ میں قرآن بہت واضح ہے کہ دنیا میں مخالفت رسل وانبیاء اور تکذیب واستہزا کی بنا پر عذاب ہوتا ہے۔ تفسیر معالم القرآن سے یہ خاکسار محمد علی کاندھلویؒ کی رائے سورہ انفال کی آیات 14-13 سے نقل کر آیا ہے ان آیات کو دوبارہ نقل کیا جاتا ہے کہ غزوہ بدر میں مشرکین کو کیوں قتل کروایا گیا؟"ذلک بانھم شآقوا اللہ ورسولہ ومن یشاقق اللہ ورسولہ فان اللہ شدید العقابo ذلکم فذوقوہ وان للکٰفرین عذاب النارo یہ سزا اس لئے دی گئی کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے تو اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔ یہ (مزہ تو یہاں) چکھو اور یہ جانے رہو کہ کافروں کے لئے (آخرت میں) دوزخ کا عذاب ہے"۔ ان آیات میں بہت آسان لفظوں میں دنیا میں مشرکین پر عذاب کی علت مخالفتِ اللہ ورسول اور آخرت میں عذاب کی علت کفر بتائی گئی ہے۔

محمد علی کاندھلویؒ نے بھی ان آیات کی تفسیر میں یہی لکھا ہے۔ اس کے علاوہ خود عمار صاحب نے اب تک جو 15 مقامات سے چونتیس آیات نقل کی ہیں ان سب میں بھی علت عذاب تکذیب واستہزاء اور مخالفت رسول ہی بتائی گئی ہے نہ کہ علت عذاب کسی بھی جگہ کفر بتائی گئی ہو۔

(16) "اور تیرے رب کی گرفت ایسی ہی ہوتی ہے جب وہ بستیوں کو اس وقت پکڑتا ہے جب وہ ظلم کرتی ہیں بیشک اس کی گرفت بہت دردناک اور سخت ہے اس میں نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو آخرت کے عذاب سے ڈرتے ہیں یہ وہ دن ہے جس میں سب لوگوں کو جمع کیا جائے گا اور یہ وہ دن ہے جس میں سب لوگ حاضر کئے جائیں گے"(ھود 103-102)

اللہ جانے عمار صاحب نے یہ مقام بقائم ہوش وحواس ہی پیش کیا ہے۔ ان آیات میں تو اس فکر کی واضح تردید ہو رہی ہے جو عمار صاحب منوانے پر مُصر ہیں۔ اس مقام پر تو اللہ تعالیٰ نے جزاو سزا سے متعلق صراحت کر دی ہے کہ قوموں کو اللہ تعالیٰ ظلم کی وجہ سے ہی پکڑتے ہیں اور عمار صاحب اسے ہی بطور دلیل پیش کر رہے ہیں کہ قوموں پر عذاب کفر کی وجہ سے آیا۔ لطف یہ کہ ان آیات میں (جو قرآن کریم کی 38 آیات حافظ عمار صاحب نے اس لئے پیش کی ہیں کہ قوموں پر ان کے کفر کی وجہ سے

عذاب آیا) کسی ایک جگہ بھی یہ بات نہیں آئی کہ قوموں پر عذاب ان کے کفر کی وجہ سے آیاہو بلکہ صرف ایک آیت ہی ایسی ہے جس میں لفظ کفر آیاہے باقی آیات میں توکفر کا لفظ تک نہیں آیااس طرح یہ تمام آیات فکر عمار کی موید نہیں بلکہ غیر متعلق ہیں الٹاان کی تردید بھی کرتی ہیں۔

صفحہ 245-244 پر لکھتے ہیں "چنانچہ قرآن مجید نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے "لیس لک من الامر شیء اویتوب علیھم اویعذبھم فانھم ظلمونo (آل عمران 128)اور"..... فانما علیک البلٰغ وعلینا الحسابo (الرعد 40) کے الفاظ میں اصولی طور پر بھی اس بات کو واضح فرمایاہے اور منکرین حق کے خلاف قتال کے احکام کے ضمن میں بھی جگہ جگہ اس کی وضاحت کی ہے کہ یہ جنگ دراصل خدا کا عذاب ہے جسے ان پر نازل کرنے کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے سپرد کی ہے" الشریعۃ 245-244۔

سب سے پہلی بات تو یہ کہ سورہ آل عمران کی آیت 128 کے فہم میں بیشتر مفسرین نے ٹھوکر کھائی ہے اور صاحب تدبر القرآن امین احسن اصلاحیؒ نے بھی غلطی کی اور عمار صاحب نے بھی۔ اس آیت میں اہل ایمان کی کوئی ذمہ داری بیان ہی نہیں کی گئی بلکہ جو منافقین جنگ کی ذمہ داری رسول اللہ پر ڈال رہے تھے انہیں جواب دیا جارہاہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مولانا جلیل احسن ندوی نے ان آیات کی جو تفسیر بیان کی ہے مختصراً لکھ دی جائے۔

" لیقطع طرفا من الذین کفروا او یکبتھم فینقلبوا خآئبینo لیس لک من الامر شیء اویتوب علیھم اویعذبھم فانھم ظلمونo (آل عمران 128-127) ان آیات کی تفسیر میں مولانا جلیل احسن ندویؒ فرماتے ہیں "یقطع کاٹ دینے ہی کے معنوں میں نہیں آتا بلکہ کاٹ لینے کے معنوں میں بھی آتاہے اور یہاں کاٹ لینے ہی کے معنوں میں آیاہے یعنی اللہ چاہتاہے کہ کافروں کا ایک حصہ کاٹ کر مسلمانوں کی طرف کر دے وہ ایمان لے آئیں یہ بھی مدد الٰہی کی ایک شکل ہے۔ مشرکین نے جب احد میں دیکھا کہ ایک بھاگی ہوئی فوج اپنے سردار کے گرد جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے جمع ہو گئی تو مشرکین میں سے بہت سوں کی آنکھیں کھل گئیں اسی کا عطف یکبتھم پر ہوا ہے جس کے معنی ذلیل ہونے کے ہیں اور یہ شکست کی تعبیر ہے۔ لیس لک من الامر شیء درمیان میں جملہ معترضہ ہے جو اس الزام کو رفع کرنے کے لئے آیاہے جو منافقین نے نبی ﷺ پر لگایا تھا کہ نبی کی خود نمائی اور خود سری کی وجہ سے تم لوگوں کو میدانِ جنگ میں لے جا کر کٹوادیا۔ اللہ تعالیٰ نے

بتا دیا کہ اصل اختیار اللہ کا ہے جو اعتراض کرنا چاہے اللہ پر کرے نبی کا کوئی قصور نہیں۔ یہاں ایک اسلوب ہے جو بالعموم مفسرین کو سمجھ نہیں آیا وہ یہ کہ یہاں چار چیزیں بیان ہوئی ہیں یقطع، یکبت، یتوب اور یعذب مگر اصلاً یہ چار نہیں دو ہیں۔ یتوب یقطع کی تفسیر کرتا ہے یعنی مدد الٰہی تو اس شکل میں ظاہر ہو گی کہ مشرکین کا ایک حصہ کٹ کر مسلمانوں سے آملے گا تو وہ توبہ کریں گے اور اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کرے گا یا مدد الٰہی کی دوسری صورت یہ ہو گی کہ مشرکین کو ذلت آمیز شکست ہو گی۔ تشریحی عبارت یوں ہو گی "اللہ تعالیٰ کفار کے ایک بہترین حصے کو کاٹ دے گا اور وہ توبہ کریں گے یا شکست کھائیں گے اس لیے یہی لوگ مجرم ہیں سورہ توبہ کی آیت 107 میں بھی یہی اسلوب ہے۔ ملخص از تدبر القرآن پر ایک نظر۔ از مولانا جلیل احسن ندوی۔

معلوم ہوا کہ سورہ آل عمران آیت 128 میں نبی کی کوئی ذمہ داری بیان ہی نہیں ہوئی بلکہ نبی کو جنگ کی ذمہ داری سے بھی بری کیا جارہا ہے۔ اس طرح محترم عمار خاں صاحب ناصر اس آیت کا مطلب بالکل الٹ سمجھے ہیں۔ ایسے ہی سورہ الرعد آیت 40 میں کسی عذاب کے نازل کرنے کی ذمہ داری نبی کے لئے بیان نہیں ہوئی بلکہ وہی ذمہ داری بیان ہوئی ہے جسے عمار صاحب قبول نہیں کرتے یعنی مقصدِ بعثتِ نبوت صرف اور صرف تبلیغ ہے، دین کو غالب کرنا یا سربلند کرنا نہیں اور نہ ہی کفر و شرک کا خاتمہ۔ عمار صاحب کا یہ دعویٰ بھی بلا دلیل ہے کہ منکرین حق کے خلاف قتال کے احکام کے ضمن میں جگہ جگہ اس کی وضاحت ہے کہ یہ جنگ دراصل خدا کا عذاب ہے جسے ان پر نازل کرنے کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے سپرد کی ہے" صفحہ 245۔

قرآن میں قتال کے احکام ہی بہت کم جگہ آئے ہیں اور پھر جہاں آئے مثلاً حج 40-39 اور بقرہ 190 تا 193۔ ان میں ظلم اور مذہبی جبر کے خلاف لڑنے کی اجازت دی گئی ہے اور پہل بھی مشرکین ہی نے کی تھی قرآن اس کی بھی تصریح کر رہا ہے۔ اور سورہ توبہ میں اہل کتاب سے جنگ کے احکام کی بھی وضاحت کی جاچکی ہے۔ باقی مشرکین سے جنگ کیوں ہوئی قرآن نے اس پر بھی روشنی ڈالی ہے تو یہ سب تو چند مقامات ہیں اور وہ بھی فکر عمار کے خلاف تو عمار صاحب یہ دعویٰ کیسے کر رہے ہیں کہ جگہ جگہ یہ بات آئی ہے۔ پھر قرآن میں ایک جگہ بھی قتال کو خدا کا عذاب نہیں کہا گیا سوائے توبہ آیت 14 کے۔ تو یہ جگہ جگہ چہ معنی دارد؟ توبہ آیت 14 میں بھی کوئی ذمہ داری تو بیان ہوئی ہے نہیں۔ اس کی مکمل وضاحت آرہی ہے۔

خدائی عذاب

اس کے بعد اس "خدائی عذاب" کی تفصیل یوں لکھتے ہیں:

"مکہ مکرمہ میں تیرہ سال تک دعوت و تبلیغ کے بعد بھی قریش من حیث القوم آپ پر ایمان نہ لائے تو اتمام حجت کے بعد ان پر عذاب نازل کرنے کا فیصلہ کر دیا.....اس ضمن میں مکی دور میں ہی مشرکین کو عذاب الٰہی کی ممکنہ صورتوں میں سے ایک صورت یہ بتادی گئی کہ اہل حق کی قوت بازو منکرین کو ان کے کفر کا مزا چکھادے گی" الشریعۃ صفحہ 245۔

یہ قرآن کی غلط ترجمانی ہے قرآن میں کہیں نہیں آیا کہ 13 سالہ تبلیغ کے بعد اتمام حجت ہو جانے کے بعد مشرکین پر عذب نازل کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہو بلکہ قرآن میں تو اہل مکہ سے جبری ایمان کی نفی ثابت ہوتی ہے سورہ یونس آیت 99 اور کہف آیت 29۔ قرآن میں یہ بھی نہیں کہ اہل مکہ کو اہل حق کی قوتِ بازو سے ڈرایا گیا ہو۔ قارئین یہ عجیب قانون اتمام حجت ہے! یہاں تیرہ سالہ دعوت کے بعد اتمام حجت بتایا جارہا ہے اور غامدی صاحب کے حوالہ سے صفحہ 302 پر لکھا ہے کہ رسول اللہ نے شاہانِ عالم کو دعوتی خطوط لکھ کر ان پر اتمام حجت کر دی تھی بتایئے اس تضاد فکری کو کیا کہیں؟۔ کہیں تیرہ سالہ جان توڑ کوشش سے اتمام حجت ہوتا ہے اور کہیں محض ایک خط سے تمام حجت۔ اتمام حجت پر اس مقالہ کے آخر میں کلام کیا جائے گا انشاءاللہ۔

عمار صاحب نے سورہ الانعام آیت 65 کو بھی بطور دلیل پیش کیا ہے۔

"قل ھوالقادر علیٰ ان یبعث علیکم عذابا من فوقکم اومن تحت ارجلکم اویلبسکم شیعا ویذیق بعضکم باس بعض انظر کیف نصرف الاٰیٰت لعلھم یفقھونo کہہ دو کہ وہ اس پر قادر ہے اگر چاہے تو تمہارے اوپر سے یا نیچے سے تم پر کوئی عذاب مسلط کر دے یا تمہارے مختلف گروہ بنا کر تمہیں آپس میں بھڑا دے اور ایک دوسرے کی پکڑ کا مزہ چکھادے دیکھو ہم کس کس انداز سے نشانیاں بیان کرتے ہیں تا کہ لوگ سمجھ جائیں (الانعام آیت 65)

یہ آیت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں "یہ عذاب ان پر رسول اللہؐ اور آپ کے صحابہ کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے کے بعد مسلمانوں کے ہاتھوں قتل کی صورت میں نازل ہونا شروع ہوا"۔ حافظ عمار صاحب کو اللہ توفیق دیں تو اس آیت کی غلط شرح

سے توبہ کرلیں کیونکہ اس تفسیر کی رو سے معاذ اللہ ثم معاذ اللہ رسول اللہ اور صحابہ کرام بھی عذاب کی زد میں آرہے ہیں وہ اس طرح کہ اس آیت میں جو ''اویلبسکم شیعا ویذیق بعضکم باس بعض'' کے الفاظ ہیں ان الفاظ سے وہ تمام گروہ مراد ہیں جو بطور عذاب ایک دوسرے کو قتل کریں یہ نہیں کہ ایک گروہ مومنین کا ہو اور دوسرا معذبین کا۔ اس آیت کا یہی معنی مفسرین نے بھی بیان کیا ہے مثلاً:

(1) حافظ صلاح الدین یوسف صاحب نے اس آیت کی یہ شرح کی ہے ''یلبسکم ای یخلط امرکم تمہارے معاملہ کو خلط ملط یا مشتبہ کردے جس کی وجہ سے تم گروہوں اور جماعتوں میں بٹ جاؤ۔ ویذیق ای: یقتل بعضکم بعضا فتذیق کل طائفۃ الاخریٰ الم الحرب۔ تمہارا ایک دوسرے کو قتل کرے اس طرح ہر گروہ دوسرے کو لڑائی کا مزہ چکھائے (احسن البیان) صفحہ 263۔ اس تفسیر میں بھی بعضکم باس بعض سے مفسدین کے گروہ ہی مراد لئے گئے ہیں نہ کہ ایک گروہ نبی کا باقی معذب قوم کا۔

تفسیر معالم القرآن میں شیخ القرآن محمد علی کاندھلویؒ نے اس آیت کا ترجمہ و تفسیر یوں کی ہے ''کہہ دو کہ وہ اس پر بھی قدرت رکھتا ہے کہ تم پر اوپر کی طرف سے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے عذاب بھیج دے یا تمہیں فرقہ فرقہ کردے اور ایک دوسرے سے لڑا کر کہ آپس کی لڑائی کا مزہ چکھائے''۔ اس کی تفسیر میں لکھا ہے ''...... تیسری قسم عذاب کی جسے اندرونی اور داخلی کہنا چاہیئے اس امت کے حق میں باقی ہے اور وہ پارٹی بندی، باہمی جنگ و جدل اور آپس کی خوں ریزے کا عذاب ہے'' مزید لکھتے ہیں '' اس آیت میں جو بات بتائی گئی ہے اسکی حیثیت ایک عمومی قانون کی ہے یا اس میں کسی کی کوئی تخصیص بھی ہے؟ اگرچہ کہنے والوں نے یہ کہا ہے کہ یہ کفار کے بارے میں ہے مگر محققین اسی طرف گئے ہیں کہ آیت عام ہے اگرچہ اس کا نزول مشرکین سے خطاب کے سیاق میں ہے مگر قوانین ونوامین میں اعتبار عموم الفاظ کا ہے نہ کہ خصوصی اسباب کا''۔ (تفسیر معالم القرآن ج7 ص 444-439)۔

اس ترجمہ و تفسیر میں قرآن کی آیت کا معنی یہی بیان کیا گیا ہے جو حافظ صلاح الدین یوسف اور یہ خاکسار بھی کہہ رہے ہیں کہ عذاب کی صورت یہ بھی ہے کہ کوئی قوم فرقہ فرقہ بن کر آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرے اور یہ قتال کرنے واے تمام گروہ عذاب کی زد میں ہوں گے۔ اس طرح عمار صاحب اس آیت کو اپنی دلیل میں پیش کر کے بارگاہِ رسالت میں سوآادب کے مرتکب ہوئے ہیں۔

امام الہند ابو الکلام آزاد نے اس آیت کا جو ترجمہ کیا ہے اس سے بھی عمار صاحب کی غلطی واضح ہوتی ہے لکھتے ہیں " اے پیغمبر کہہ دو وہ اس پر قادر ہے کہ تم پر اوپر سے (فضا آسمانی سے) کوئی عذاب بھیج دے یا تمہارے پاؤں تلے سے (زمین سے) کوئی عذاب اٹھادے۔ یا ایسا کرے کہ تم گروہ گروہ ہو کر آپس میں لڑ پڑو اور ایک گروہ دوسرے (گروہ) کی شدت کا مزا چکھے۔ دو دیکھو کس طرح ہم گونا گوں طریقوں سے آیتیں بیان کرتے ہیں تا کہ سمجھیں۔ ترجمان القرآن جلد 1 صفحہ 452۔

اس آیت کا یہی مفہوم ہے اور بہت سادہ سی بات ہے جو اس آیت میں بیان کی گئی ہے۔ آسمان سے بھی عذاب اور زمین سے بھی عذاب تمام لوگوں کے لئے بطور سزا آتا ہے تہ یہ گروہ گروہ بن کر ایک دوسرے کو مارنا بھی تمام معذب لوگوں کے لئے بھی خدائی سزا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے محترم عمار صاحب اپنی اس غلط تفسیر سے رجوع کرلیں (آمین)

عمار صاحب کا کہ کہنا بھی غلط ہے کہ ہجرت کے بعد مسلمانوں کے ہاتھوں عذاب کی صورت میں مشرکین کا قتل ہونا شروع ہوا۔ مسلمانوں نے تو کفار سے کوئی جنگ کی ہی نہیں مکہ پر چڑھائی تو 8 ہجری میں یعنی ہجرت کے 8 سال بعد کی گئی اور اس کی وجہ تھی مشرکین کا صلح حدیبیہ والا معاہدہ توڑنا۔ اس سے پہلے کبھی مسلمانوں نے مشرکین سے جنگ نہیں کی ہمیشہ مشرکین ہی مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے۔ بدر میں احد میں خندق میں تینوں میں حملہ آور اور جارح مشرکین تھے کس طرح عمار صاحب قرآن کو غلط پیش کرسکتے ہیں اور تاریخ کو مسخ کرسکتے ہیں اللہ گواہ ہے اس طالب علم کو عمار صاحب کے علمی گھرانے سے تعلق کی بناپر اتنی کچی باتوں کی ہرگز توقع نہیں تھی۔ آگے لکھتے ہیں:

"ہجرت کے بعد اہل کفر کے خلاف لڑائی کے باقاعدہ آغاز سے پہلے سورہ محمد میں مسلمانوں سے کہا گیا کہ جب میدان جنگ میں ان کا دشمن سے آمنا سامنا ہو تو وہ اچھی طرح ان کی گردنیں ماریں اور خوب خوں ریزی کے بعد ان کو قیدی بنالیں اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ بھی واضح فرمادیا کہ یہ دراصل اللہ تعالیٰ کا انتقام ہو گا جو وہ مسلمانوں کے ہاتھوں کفار سے لے گا" الشریعۃ ص245۔

اگرچہ یہ اقتباس درست ہے مگر اس کی بنیاد غلط ہے سورہ محمد کی جو آیت آگے عمار صاحب نے پیش فرمائی ہے اس میں یہی بات کہی گئی ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ یہ باقاعدہ جنگ کا آغاز کس نے کیا؟ عمار صاحب کے اصول کی رو سے تو باقاعدہ جنگ کا آغاز

رسول اللہ نے کیا کیونکہ کفر شرک مٹانا ہدف نبوت جو مانتے ہیں مگر قرآن کے کسی مقام سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی بلکہ وہی بات ثابت ہوتی ہے جس پر عمار صاحب تنقید کر رہے ہیں یعنی جنگ مشرکین نے مسلمانوں کے عقیدہ توحید کی بنا پر مسلمانوں پر مسلط کی تو اب مسلمانوں کو حکم دیا کہ انہیں بری طرح سزادو۔ سورہ محمد کی جو آیت عمار صاحب نے پیش کی ہے اس آیت سے ہی عمار صاحب کا استدلال درست نہیں۔ آیت کا ترجمہ پیش ہے جو عمار صاحب نے کیا ہے:

"پھر جب کفار کے ساتھ تمہاری مڈ بھیڑ ہو تو خوب ان کی گردنیں مارو یہاں تک کہ جب اچھی طرح ان کی خوں ریزی کر چکو تو انہیں مضبوط باندھ لو۔ پھر اس کے بعد یا تو احسان کر کے چھوڑ دینا ہے یا فدیہ لے کر رہا کر دینا ہے۔ (ان کے ساتھ لڑائی جاری رکھو) یہاں تک کہ جنگ اپنے ہتھیار ڈال دے اور اگر اللہ چاہتا تو خود ہی ان سے انتقام لے لیتا لیکن (اس نے تمہیں اس کا حکم دیا ہے) تا کہ وہ تم میں سے بعض کو بعض کے ذریعے آزمائے اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے جائیں گے اللہ ان کے اعمال کو ہر گز اکارت نہیں جانے دے گا" (سورہ محمد 4)

اس آیت میں خود عمار صاحب کے خلاف دلیل ہے۔ اور سورہ محمد کی اس آیت کا سیاق و سباق ہماری تائید کرتا ہے نہ کہ عمار صاحب کی۔ اس آیت میں جنگ کے بعد قیدیوں کو احسان کر کے یا فدیہ لے کر رہا کرنا دلیل ہی کہ مشرک اپنے شرک پر قائم رہ سکتے تھے اور اس آیت میں مشرکین سے ہی جنگ کی بات کی گئی ہے۔ مگر حافظ عمار صاحب اور ان کے انتہائی ذی علم ساتھی تو مشرکین سے صرف ایمان یا تلوار کا مطالبہ ہی مانتے ہیں حق یہ ہے کہ اگر محترم عمار صاحب اسی مقام پر تدبر کر لیتے تو انہیں اپنی فکری غلطی کا ادراک ہو جاتا۔ اب اس آیت کا سیاق و سباق دیکھیں۔ سورہ محمد کی آیت 1 میں ہے:

"جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا اللہ نے ان کے اعمال برباد کر دیئے"۔

اس آیت میں وجہ بتائی گئی ہے کہ کیوں مشرکین مکہ سے جنگ ہوئی وجہ ان کا کفر نہیں بلکہ چوری اوپر سے سینہ زوری والی بات ہے ایک تو وہ کفر کرتے ہیں اور اس پر مستزاد یہ کہ مسلمانوں اور نبی کو بیت اللہ سے اور اللہ کی راہ پر چلنے سے روکتے ہیں۔ اب سورہ محمد کی آیت 13 پڑھئے اس میں وجہ بتائی گئی ہے کہ مشرکین کا وہ کیا جرم تھا جس کی انہیں سزا ملی عمار صاحب تو مشرکین کے کفر کی وجہ سے مشرکین کو واجب القتل مانتے ہیں (تقلیداً نہ کہ تحقیقاً)۔

”ہم نے کتنی ہی بستیاں جو طاقت میں تیری اس بستی سے زیادہ تھیں، جس سے تجھے نکالا، ہم نے انہیں ہلاک کر دیا ہے جن کا کوئی مدد گار نہ تھا“(سورہ محمد 13)۔ اور آخر سورہ محمد سے آیت 32 پیش ہے جس میں مشرکین مکہ کا جرم اللہ تعالیٰ نے بیان کر دیا جس کی انہیں سزا ملی:

”یقیناً جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکا اور رسول کی مخالفت کی اس کے بعد کہ ان کے لئے ہدایت ظاہر ہو چکی تھی۔ یہ ہرگز ہرگز اللہ کا کچھ نقصان نہ کر سکیں گے۔ عنقریب ان کے اعمال وہ غارت کر دے گا“۔(سورہ محمد 32)۔

قارئین محترم! ملاحظہ فرمایئے کہ مشرکین مکہ سے جنگ کی ذمہ داری مسلمانوں پر عائد ہو رہی ہے یا قرآن مشرکین کو جنگ کا قصوروار ٹھہرا رہا ہے۔ ہم نے اس مقالہ میں بار بار عرض کی ہے کہ قرآن مجید ہماری راہنمائی کرتا ہے کہ نبی ﷺ نے مشرکین سے قتال جو کیا تو صرف اس لئے کہ مشرکین نے رسول اللہ پر جنگ مسلط کی مسلمانوں پر ظلم کیے۔ رسول اللہ اور صحابہ کرام کو محض عقیدہ کی بنیاد پر مکہ سے نکالا۔ شروع اسلام میں ہی بے چارے مسلمانوں کو اتنی اذیتیں دیں، بری طرح قتل کیا، بہت سے مسلمان حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے اس کے باوجود خود رسول اللہ صحابہ کرام کے ساتھ چپ چاپ مدینہ ہجرت کر گئے۔ مگر ان ظالم مشرکین نے مدینہ میں بھی مسلمانوں کا وجود برداشت نہ کیا اور تین بار مدینہ والوں پر بڑی جنگیں مسلط کیں۔ مگر حیرت ہے ہمارے دانشور وہی بات کہہ رہے ہیں جو بالکل قرآن کے الٹ ہے۔ اور غیر مسلم مورخین کی ہاں میں ہاں ملا رہے ہیں اس پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے۔ غیروں نے قرآن نہ سمجھا اس کا گلہ نہیں... افسوس تو اپنوں پر ہے جو فہم قرآن کے ایک خاص مکتبہ فکر کے علمبردار مگر قرآن سے اتنے ہی دور!۔ محترم عمار صاحب صفحہ 246 پر لکھتے ہیں:

”مشرکین پر یہ عذاب بالفعل غزوہ بدر میں نازل ہوا۔ قرآن مجید نے بتایا ہے کہ عذاب کے اس فیصلے پر عملدرآمد کو یقینی بنانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے تکوینی لحاظ سے مداخلت کرتے ہوئے ان تمام اسباب کو ختم کر دیا جو اس معرکے کے بپا ہونے میں رکاوٹ بن سکتے تھے۔ مثال کے طور پر ایسے حالات پیدا کر دیئے گئے کہ بعض اہل ایمان کی خواہش کے برعکس شام سے لوٹنے والے قریش کے تجارتی قافلے کے بجائے مکے سے آنے والے لشکر کے ساتھ مسلمانوں کا ٹکراؤ ناگزیر ہو گیا“۔ اس کے بعد الانفال کی آیات 44,43,42,8,7 پیش کی ہیں مگر جو اقتباس عمار صاحب نے ان آیات کی تمہید میں لکھا ہے وہ دلیل ہے کہ محترم عمار صاحب بار بار بھول جاتے ہیں کہ وہ کیا لکھ رہے ہیں؟ اور کیوں لکھ رہے ہیں مشرکین سے جنگ کی علت وہ کفر و شرک کا خاتمہ

اور اسلام کی سربلندی بتاتے ہیں۔ الشریعۃ صفحہ 111۔ تو ان کے اصول کی بنا پر تو رسول اللہ کو مکہ پر حملہ کرنا چاہئے تھا اور اس حملہ سے پیشتر انہیں اسلام کی دعوت دینی چاہئے تھی۔ اگر وہ انکار کرتے تو پھر بغیر کوئی عذر تلاش کئے اہل مکہ پر جنگ مسلط کر دینی چاہئے تھی۔ باقی سورہ انفال کی آیات جو عمار صاحب نے پیش کی ہیں ان کی صحیح تاویل جاننے کے لئے امین احسن اصلاحیؔ کی تفسیر تدبر القرآن ہی دیکھ لیں تو یہاں بدر میں جنگ کی ذمہ داری بھی قریش مکہ پر ہی قرآن عائد کر رہا ہے۔

عمار صاحب ان آیات کو پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں "بدر کے معرکے میں قریش کے بڑے بڑے سردار مسلمانوں کے ہاتھوں تہہ تیغ ہوئے۔ اگرچہ عام انسانی اخلاقیات کے لحاظ سے بھی مسلمانوں کے پاس اس جنگ کا پورا پورا جواز تھا لیکن قرآن نہایت اصرار سے اس بات کو نمایاں کرتا ہے کہ درحقیقت یہ اللہ کا عذاب تھا جو پیغمبر ﷺ کی تکذیب کے نتیجہ میں اہل ایمان کے ہاتھوں قریش پر نازل کیا گیا:" ذٰلک بانھم شآقوا اللہ و رسولہ و من یشاقق اللہ و رسولہ فان اللہ شدید العقابo ذٰلکم فذوقوہ وان للکٰفرین عذاب النارo (الانفال 14-13) الشریعۃ صفحہ 247۔

"اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ اور رسول کے ساتھ دشمنی کی راہ اختیار کی اور جو اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ دشمنی کرے گا تو بیشک اللہ نہایت سخت سزا دینے والا ہے سو اب اس عذاب کو چکھو اور بیشک منکرین کے لئے آگ کا عذاب ہے"۔

عمار صاحب نے سورہ انفال کی جو آیات نقل کی ہیں یقیناً وہ ان آیات کو سمجھ نہیں پائے۔ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ ان آیات کے بارے میں جو تمہید انہوں نے باندھی، وہی ان کے خلاف دلیل بھی ہے۔ اب یہی دیکھئے کہ "اگرچہ عام انسانی اخلاقیات کے لحاظ سے بھی مسلمانوں کے پاس اس جنگ کا پورا پورا جواز موجود تھا" دراصل ہماری بات ہی کی تائید ہے کہ جنگ مسلمانوں پر مسلط کی گئی نہ کہ رسول اللہ نے قریش سے جنگ کی۔ اسی لیے تو عام انسانی اخلاقیات کی بنا پر بھی مشرکین سے جنگ جائز تھی۔ عمار صاحب جس انسانی اخلاقیات کا حوالہ دے رہے ہیں مشرکین سے تمام جنگیں اسی "عام انسانی اخلاقیات" کی بنا پر ہوئیں۔ نہ کہ ان کے کفر کی وجہ سے کیونکہ اگر کفر کی وجہ سے جنگ ہوتی تو پھر انسانی اخلاقیات سے اس کا تعلق نہیں ہو سکتا تھا۔

سورہ انفال کی آیات 14-13 جن کی رو سے عمار صاحب مشرکین سے مسلمانوں کی جنگ کو اللہ کا عذاب قرار دے رہے ہیں بات تو اگرچہ درست ہے مگر اس عذاب کی بنیاد غلط متعین کر رہے ہیں۔ ان آیات مین میدان بدر میں مشرکین کو عذاب دیئے

جانے کی وجہ مشرکین کا کفر نہیں بلکہ قرآن نے اسے "شاقوا" کہا ہے جس کا ترجمہ عمار صاحب نے دشمنی کیا ہے۔ تو رسول اللہ تو مشرکین کے دشمن نہ تھے۔ مشرکین رسول اور اصحاب رسول اور سب سے بڑھ کر قرآن کے دشمن تھے۔ پھر آیت 14 میں فکر عمار کے خلاف اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ "وان الکٰفرین عذاب النار" بیشک منکروں کے لئے آگ کا عذاب ہے تو کفر کے عذاب کی جگہ تو قرآن نے یہاں بھی دوزخ ہی بتائی ہے نہ کہ میدان بدر یہ طالب علم پہلے بھی ان آیات کی تفسیر میں شیخ القرآن محمد علی کاندھلوی کی رائے پیش کر چکا ہے یہاں دوبارہ پیش کی جاتی ہے تاکہ جن کے ذہن میں نہ ہو دوبارہ پڑھ لیں۔ شیخ القرآن رقمطراز ہیں:

یہاں یہ نکتہ قابل غور ہے دنیا میں سزا کی علت اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت بتائی ہے اور آخرت میں سزا کی علت کفر بتائی ہے اس سے معلوم ہوا کہ اسلام دنیا میں جنگ، کافروں کے کفر کی وجہ سے نہیں کرتا بلکہ اس لئے کرتا ہے کہ کفر حق کی راہ میں رکاوٹ بن کر آجاتا ہے۔ کیونکہ یہ دنیا خیر وشر دونوں کا مسکن ہے یہاں بھلائی کی طاقتیں موجود ہیں اور برائی کی بھی اور دونوں کو اپنے اپنے طور پر کام کرنے کی پوری آزادی ہے۔ اسی لئے ایمان میں کسی پر جبر واکراہ نہیں ہے۔ جب کفر اللہ اور رسول کا مخالف بن کر آتا ہے تو سزا دی جاتی ہے برخلاف آخرت کے کہ وہاں عذاب کی علت صرف کفر ہے۔ اسی لئے ارشاد ہوا ہے "وان للکٰفرین عذاب النارo" معالم القرآن ج9 ص772 للشیخ محمد علی کاندھلویؒ۔ اس اقتباس کو بار بار پڑھیئے شیخ القرآنؒ نے لا اکراہ فی الدین کا مطلب بھی بتایا اور مشرکین مکہ سے جنگ کی وجہ بھی (سورہ انفال کی اس آیت سے جسے عمار صاحب نے اپنی تائید میں پیش کیا ہے) بتادی کہ مشرکین کی مخالفت کی سزا میدان بدر میں دی گئی نہ کہ ان کے کفر کی سزا اور آیت 14 کی تفسیر میں بتادیا کہ کفر کی سزا جہنم میں ملے گی۔ اب عمار صاحب مانیں یا نہ مانیں یہ ان کے دین وایمان اور دیانت کا معاملہ ہے۔ عمار صاحب سورہ انفال کی ان آیات کے بعد لکھتے ہیں:

"قرآن نے اسی پہلو سے غزوہ بدر میں مشرکین کی ذلت اور رسوائی کو فرعون اور دوسرے منکرین حق پر نازل ہونے والے عذاب کے مثل قرار دیا ہے! "کداب اٰل فرعون والذین من قبلھم کفروا باٰیٰت اللہ فاخذھم اللہ بذنوبھم ان اللہ قوی شدید العقابo ان کا حال بھی وہی ہے جو آل فرعون اور ان سے پہلی قوموں کا تھا۔ انہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا تو اللہ نے ان کے گناہوں کی وجہ سے ان پر گرفت کی اور اللہ سخت سزا دینے والا ہے" الشریعۃ صفحہ 247۔

یہ طالب علم عرض کرتا ہے کہ یہ آیت اور مقام بھی محترم عمار صاحب کی فکر کو غلط ٹھہرا رہا ہے۔ فرعون کا عذاب مشرمین کے مثل ہونے کا سادہ سا مطلب یہی ہے کہ مشرکین مکہ کو ان کے کفر کی وجہ سے عذاب نہیں دیا گیا کیونکہ فرعون کو عذاب اس کے کفر کی وجہ سے نہیں بلکہ ظلم اور سرکشی کی وجہ سے دیا گیا خود اس آیت میں تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان گناہوں کی وجہ سے انہیں پکڑا۔ اس بات کو ایک آیت چھوڑ کر یعنی آیت 54 میں مزید کھول کر بیان کر دیا ہے۔ "کداب اٰل فرعون والذین من قبلھم کذبوا باٰیٰت ربھم فاھلکنھم بذنوبھم واغرقنا اٰل فرعون وکل کانوا ظٰلمین o جیسا حال آل فرعون اور ان سے پہلے لوگوں کا ہوا تھا (ویسا ہی ان مشرکین کا بھی ہوا) انہوں نے اپنے پروردگار کی آیات کو جھٹلایا تو ہم نے انہیں ان کے گناہوں کے سبب ہلاک کر ڈالا اور فرعونیوں کو ڈبو دیا اور وہ سب ظالم تھے"

قارئین کرام! فرعون جب تک موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کے قتل کے درپے نہ ہوا اسے چھوٹے موٹے عذاب میں مبتلا کیا جاتا رہا وہ بھی اس کے کفر کی وجہ سے نہیں بلکہ ظلم کی وجہ سے وہ بنی اسرائیل پر بدترین مظالم کرتا تھا مگر جب وہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو قتل کرنے کے لئے فوج لے کر نکلا تو اسے برے عذاب (سوٓ العذاب.. المومن 45) نے گھیر لیا۔

فرعون کا لفظ قرآن میں 74 بار آیا ہے اور قرآن میں سب سے تفصیلی ذکر موسیٰ علیہ السلام اور اس بدبخت کا آیا ہے اس کے ظلم کا تذکرہ قرآن میں بار بار ہوا ہے۔ سورہ بقرہ، سورہ آلِ عمران، الانفال، یونس، ھود، ابراہیم، بنی اسرائیل، طہٰ، المومنون، شعراء، النمل، القصص، العنکبوت، ص، المومن، الزخرف، الدخان، ق، ذاریات، القمر، التحریم، الحاقۃ، المزمل، النازعات، البروج اور سورہ فجر قرآن پاک کی 27 سورتوں میں اس بدبخت کا ذکر ہے اور حیرت کی بات یہ ہے کہ حافظ عمار صاحب فرعون تک کے حالات سے بے خبر ہیں۔ جو مقام سب سے واضح تھا کہ فرعون کو کفر کی وجہ سے عذاب نہیں دیا گیا اسے ہی مشرکین مکہ کی مماثلت میں پیش کر گئے۔ یہ تو خود انہی کے خلاف حجت ہے۔ یہ درست ہے کہ مشرکین کو عذاب اسی وجہ سے ہوا جس وجہ سے فرعون کو عذاب ہوا مگر! وہ وجہ ظلم وعدوان تھی نہ کہ کفر۔ چنانچہ عمار صاحب کو رجوع کر لیناہی مناسب ہے ورنہ انہیں قرآن سے دکھانا ہو گا کہ فرعون کو محض کفر کی وجہ سے عذاب ہوا۔

الانفال کی آیت 52 نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں " اس واقعے کے بعد (یعنی جنگِ بدر کے بعد.. امتیاز) اس حوالے سے قریش کو بالواسطہ مخاطب کرتے ہوئے فرمایا "اور یاد کر جب انہوں نے کہا کہ اے اللہ اگر یہی دین تیری طرف سے برحق ہے تو ہم پر

آسمان سے پتھر برسایا کوئی اور دردناک عذاب ہم پر مسلط کر دے (اس سے پہلے تو) ان پر عذاب نازل نہیں کر سکتا تھا کیونکہ تم ان کے مابین موجود تھے اور نہ ہی اللہ انہیں اس حال میں سزا دے سکتا تھا کہ وہ گناہوں سے معافی مانگ رہے ہوں (لیکن اب ہجرت کے بعد) اس میں کیا رکاوٹ تھی کہ اللہ ان پر عذاب نازل کرتا جبکہ وہ مسجد حرام سے روکتے تھے حالانکہ وہ اسکی تولیت کے حقدار بھی نہیں۔ اس کے حقیقی متولی تو صرف پرہیز گار ہیں۔ لیکن ان میں اکثر لوگ نہیں جانتے" (الانفال 32 تا 34)۔

یہ مقام بھی عمار صاحب کی فکر کے خلاف اور ان لوگوں کی تائید کر رہا ہے جن کی فکر پر وہ تنقید کر رہے ہیں۔ ان آیات میں کہیں بھی یہ نہیں بتایا گیا کہ مشرکین مکہ پر عذاب ان کے کفر کی وجہ سے آئے گا۔ بلکہ ان کی اس فکر کا ذکر ہے کہ وہ مخالفتِ قرآن اور رسول میں اتنے جری تھے کہ علی الاعلان عذاب کا مطالبہ کر رہے تھے۔ اور مزید جرم یہ بتایا ہے کہ مسلمانوں کو مسجد حرام سے جبراً روک رہے تھے جبکہ وہ مشرکین تو اس کی تولیّت کے حقدار بھی نہ تھے۔ چنانچہ دیگر حوالہ جات کی طرح یہ آیت بھی حافظ صاحب کی قطعاً تائید نہیں کر رہی۔

صفحہ 247 کے آخر میں پھر سورہ آل عمران کی آیت نقل کی ہے اس لئے کہ مشرکین میں سے جسے اللہ چاہے ہدایت دے اور جسے چاہے عذاب دے۔ یہ طالب علم اس آیت پر مولانا جلیل احسن ندوی کی رائے نقل کر آیا ہے۔ ان دو آیات کا مطلب بھی عمار صاحب غلط سمجھ رہے ہیں۔ اس کے باوجود اگر وہ مطلب بھی مان لیں جو عمار صاحب بیان کر رہے ہیں تو بھی ان آیات میں یہ کہاں ہے کہ جنہیں عذاب ہو گا کفر کی وجہ سے ہو گا۔ بلکہ جیسا کہ جگہ جگہ لکھا جا چکا مشرکین کو سزا ان کی جارحیت کی بنیاد پر دی گئی نہ کہ کفر کی وجہ سے۔

صفحہ 248 پر لکھتے ہیں" جہاد و قتال کے آخری مرحلے میں جب سورہ توبہ میں مشرکین کو ایمان نہ لانے پر قتل کا حکم دیا گیا تو اس موقع پر بھی اس اقدام کی یہ حیثیت واضح کی گئی۔ ارشاد ہوا!" پھر اگر تم ایمان لے آؤ تو تمہارے لئے بہتر ہے اور اگر گریز کرو گے تو جان لو کہ اللہ کی گرفت سے بچ نہیں سکتے اور ان کافروں کو دردناک عذاب کی بشارت سنا دو" (توبہ 3)۔

عمار صاحب کا یہ لکھنا کہ "جہاد و قتال کے آخری مرحلہ میں مشرکین کو ایمان نہ لانے پر قتل کا حکم دیا" بہتان ہے قرآن پر اور رسول اللہ پر وہ اس طرح جیسا کہ اس خاکسار نے مفتی شفیعؒ، محمد علی کاندھلویؒ، ابوالکلام آزادؒ اور حافظ صلاح الدین یوسف وغیرھم کی آراء نقل کی ہیں کہ مشرکین مکہ کو چار ماہ کی مہلت مکہ خالی کرنے کے لئے دی گئی تھی کہ اب مکہ میں صرف اسلام قبول کر کے ہی رہا جا سکتا تھا۔ تو اگر وہ اسلام قبول نہیں کرتے تو چار ماہ میں اپنا بندوبست کر لیں۔ اور اگر مکہ سے جائیں بھی نہیں اور اسلام بھی قبول نہ کریں تو پھر بقول مولانا ابوالکلام آزاد حالتِ جنگ تصور کی جائے گی۔

محترم عمار ناصر صاحب اپنے استاد کی پیروی میں مکہ سے جانے والا آپشن نہیں مانتے مگر انہیں سوچنا چاہیئے! کہ مفسرین تو ان آیات میں تین آپشنز مانتے ہیں کیا وہ سب غلطی پر ہیں؟۔ پھر خود اس آیت نمبر 5 کی اپنی شہادت بھی یہی ہے کہ یہاں تین آپشنز بیان ہوئے ہیں ہم یہاں توبہ کی آیت 5 نقل کر کے اس کا تجزیہ کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں:

"فاوا نسلخ الاشھر الحرم فاقتلوا المشرکین حیث وجد تموھم وخذوھم واحصروھم واقعدوا لھم کل مرصد فاان تابوا واقاموا الصلوٰۃ واتو الزکاۃ فخلوا سبیلھم ان اللہ غفور رحیم o (التوبہ 5) پھر جب حرمت والے مہینے گذر جائیں تو مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کر ڈالو اور ان کو پکڑو اور گھیر و اور ہر جگہ ان کی تاک میں بیٹھو۔ پھر اگر یہ شرک سے تائب ہو جائیں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو... بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے"

اس آیت میں مشرکین کے قتل کا حکم حرمت والے مہینوں کے گذرنے کے بعد مشرکین کو قتل کرنے، پکڑنے، اور محاصرہ کرنے کا حکم ہے مگر ترتیب اس طرح ہو گی کہ پہلے محاصرہ پھر پکڑنا اور آخر میں قتل۔ اب قابل غور بات یہ ہے کہ یہ محاصرہ اور قتال جب حرمت والے مہینے گزرنے کے بعد ہو گا تو کیا مشرکین اتنے بیوقوف ہو سکتے تھے کہ نہ تو اسلام قبول کریں نہ مکہ سے جائیں بس وہیں گردنیں جھکا کر قتل ہونے کے منتظر رہیں۔ پھر آیت 6 میں ہے "اگر کوئی مشرک تم سے پناہ کا خواستگار ہو تو اس کو پناہ دو یہاں تک کہ کلام اللہ سن لے پھر اسے اس کی جائے امن تک پہنچا دو اس لئے کہ یہ بے خبر ہیں"

محترم عمار صاحب سے سوال یہ ہے کہ یہ جائے امن عرب کے اندر ہو گی یا باہر۔ اگر مکہ کے اندر ہو تو پھر مشرکین عرب میں تو رہ سکتے تھے اور اگر یہ جائے امن عرب سے باہر ہو، اول تو اس کی کوئی دلیل نہیں، دوسرے یہ سزا مشرکین سے زیادہ مسلمانوں کو ہو گی کہ وہ انہیں عرب سے باہر تک پہنچا کر بھی آئیں۔

صفحہ 248 پر لکھتے ہیں "قاتلوھم یعذ بھم اللہ بایدیکم ویخزھم وینصرکم علیھم ویشف صدور قوم مومنینo ویذھب غیظ قلوبھم ویتوب اللہ علیٰ من یشاء واللہ علیم حکیمo(التوبہ 15-14)ان سے لڑو تاکہ اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھوں انہیں عذاب دے اور انہیں رسوا کرے اور ان کے خلاف تمہیں فتح عطا کرے اور مومنوں کے دلوں کو تسکین بخشے اور ان (کافروں) کے دلوں کے غیظ کو بھی دور کر دے۔ ہاں اللہ جس پر چاہے عنایت فرمائے گا اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے"۔

تبصرہ!

اس آیت کو فکر عمار میں بنیادی حیثیت حاصل ہے کیونکہ اس میں مشرکین مکہ کے لئے قتال کے ساتھ ساتھ لفظ عذاب بھی آیا ہے مگر سیاق وسباق کی اہمیت کے یہ علمبردار اس اصول کو اس آیت کے حوالہ سے بھول جاتے ہیں۔ سباق تو آیت کا یہ ہے کہ توبہ کی اس آیت سے پہلے آیت 13 یوں ہے "الا تقاتلون قوما نکثوا ایمانھم وھموا باخراج الرسول وھم بدءوکم اول مرۃ اتخشونھم فاللہ احق ان تخشوہ ان کنتم مؤمنینo بھلا تم ایسے لوگوں سے کیوں نہ لڑو جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑا اور رسول (اللہ) کے جلاوطن کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا اور انہوں نے جنگ کی ابتداء بھی کی۔ کیا تم ایسے لوگوں سے ڈرتے ہو۔ حالانکہ اللہ ڈرنے کے لائق ہے بشرطیکہ تم مومن ہو"۔ اس آیت سے علم ہوا کہ مشرکین سے قتال کا حکم ان کے تین جرائم کی بنا پر دیا گیا (1) معاہدوں کی خلاف ورزی (2) رسول اللہ کو مکہ سے نکالنا (3) جنگ کی ابتداء کرنا۔ یہ ہیں وہ تین جرائم جو کسی بھی قوم کو سزا دینے کے لئے کافی ہیں۔ دنیا کا کوئی قانون اس کی نفی نہیں کرتا۔ اور آیت کا سیاق بھی دیکھ لیں آیت 15 جو عمار صاحب نے نقل کی ہے بتاتی ہے کہ مومنین کے سینوں میں ٹھنڈ پڑے گی اور ان کے دلوں سے غیظ وغضب دور ہو گا (کیونکہ اہل مکہ نے مسلمانوں پر ظلم کی انتہا جو کر دی تھی)۔ عمار صاحب نے آیت 14 کے سیاق وسباق پر نظر ڈالنا بھی گوارا نہ کیا یہی حال ارباب

المورد کا بھی ہے جنہیں بار بار خط لکھ کر اس طالب علم نے توجہ دلائی مگر شائد انہیں ہر قیمت پر قانون رسالت ثابت کرنا تھا چاہے اس کی قیمت قرآن کی غلط ترجمانی ہی کیوں نہ ہو۔

سورہ توبہ آیات 13 تا 15 کی یہ تاویل جو اس طالب علم نے بیان کی ہے تقریباً ہر مفسر نے بھی ان آیات کا یہی معنی سمجھا اور بیان کیا ہے۔ ہماری دعا ہے کہ عمار صاحب قرآن کی آیات پر تحمّل سے تدبّر فرمائیں۔ آمین۔

آگے صفحہ 250-249 پر امام رازی اور طبری کی کتب سے اقتباسات نقل کیے ہیں جن میں سے کسی میں وہ صراحت نہیں جو عمار صاحب بیان کرنا چاہ رہے ہیں جنگ و قتال تو کفار مکہ سے ہوا مگر عمار صاحب کا اصرار ہے کہ اس کی علت کفر و شرک ختم کرنا تھا تو طبری اور امام رازی میں سے کسی نے بھی یہ بات نہیں کہی۔ بلکہ امام رازی نے بھی کفار مکہ کے عذاب کو آل فرعون کے عذاب کے مثل قرار دیا ہے جو دلیل ہے کہ امام رازی بھی اس معاملہ میں اس طالب علم ہی کے ہم نوا ہیں۔ قرآن کے مبتدی طالب علم پر بھی یہ بات واضح ہے کہ فرعون کو کفر نہیں بلکہ ظلم و سرکشی و تعدی کی وجہ سے غرق کیا گیا۔

اس کے بعد علامہ شبیر احمد عثمانی کا ایک طویل اقتباس پیش کیا ہے جس میں کہ بتایا گیا ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ بھی عذاب الٰہی کی ایک شکل ہے۔ ہمیں یہ تسلیم ہے مگر یہ پورا اقتباس تو خود اس قانونِ رسالت کی دھجیاں بکھیر رہا ہے جسے عمار صاحب اور ارباب المورد بہت جزم کے ساتھ پیش کرتے ہیں اقتباس پیش ہے مولانا شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں:

"قرآن کریم میں اقوام ماضیہ کے جو قصے بیان فرمائے ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب کوئی قوم کفر و شرارت اور انبیاء علیہم السلام کی تکذیب و عداوت میں حد سے بڑھ جاتی تھی تو قدرت کی طرف سے کوئی تباہ کن آسمانی عذاب ان پر نازل کیا جاتا تھا جس سے ان کے سارے مظالم و کفریات کا دفعۃً خاتمہ ہو جاتا تھا۔" فکلا اخذنا بذنبہ فمنہم من ارسلنا علیہ حاصبا و منہم من اخذتہ الصیحۃ و منہم من خسفنا بہ الارض و منہم من اغرقنا وما کان اللہ لیظلمھم ولکن کانوا انفسھم یظلمون o (عنکبوت 40) کوئی شبہ نہیں کہ عذاب کی یہ اقسام بہت سخت مہلک اور آئندہ نسلوں کے لئے عبرت ناک تھیں لیکن ان صورتوں میں معذبین کو دنیا میں رہ کر اپنی ذلت و رسوائی کا نظارہ نہیں کرنا پڑتا تھا۔ اور نہ آئندہ کے لئے توبہ و رجوع کا کوئی امکان باقی رہتا تھا۔ مشروعیت جہاد کی اصلی غرض و غایت یہ ہے کہ معذبین و متعنتین کو حق تعالیٰ بجائے بلاواسطہ عذاب دینے کے اپنے مخلص بندوں کے ہاتھ سے سزا

دلوائے۔ سزا دہی کہ اس صورت میں مجرمین کی رسوائی اور مخلصین کی قدر افزائی زیادہ ہے۔ وفادار بندوں کا نصرت و غلبہ اعلانیہ ظاہر ہوتا ہے۔ ان کے دل یہ دیکھ کر ٹھنڈے ہوتے ہیں کہ جو لوگ کل تک انہیں حقیر و ناتواں سمجھ کر ظلم و ستم اور استہزاء و تمسخر کا تختہ مشق بنائے ہوتے تھے آج خدا کی تائید و رحمت سے انہی کے رحم و کرم یا عدل و انصاف پر چھوڑ دیئے گئے ہیں۔ کفر باطل کی شوکت و نمائش کو دیکھ کر جو اہل حق گھٹتے رہتے تھے یا جو ضعیف و مظلوم مسلمان کفار کے مظالم کا انتقام نہ لے سکنے کی وجہ سے دل ہی دل میں غیظ کھا کر چپ ہر رہتے تھے، جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعے ان کے قلوب تسکین پاتے تھے اور آخری بات یہ ہے کہ خود مجرمین کے حق میں بھی سزا دہی کا یہ طریقہ نسبتاً زیادہ نافع ہے کیونکہ سزا پانے کے بعد بھی توبہ و رجوع کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ بہت ممکن ہے حالات سے عبرت حاصل کر کے بہت سے مجرموں کو توبہ نصیب ہو جائے چنانچہ حضور پر نور کے زمانے میں بھی ایسا ہی ہوا ہو کہ تھوڑے دنوں میں سارا عرب صدق دل سے دین الٰہی کا حلقہ بگوش ہو گیا۔ (تفسیر عثمانی ص 251-250) بحوالہ الشریعۃ صفحہ 249۔

یہ پورا اقتباس خود عمار صاحب کے خلاف حجتِ محض ہی نہیں اگر وہ سمجھنے اور تسلیم کرنے پر آمادہ ہوں تو اتمامِ حجت بھی ہے۔ پہلی بات جو علامہ عثمانی نے لکھی ہے "جب کوئی قوم کفر و شرارت اور انبیاء کی تکذیب میں حد سے بڑھ جاتی تھی" لہٰذا علت عذاب تکذیب و عداوت میں حد سے بڑھ جانا بتائی ہے جو صراحتاً عمار صاحب کی فکر کے خلاف ہے دوسرے اس اقتباس میں تکذیبِ انبیاء کا ذکر ہے جب کہ عمار صاحب قانون رسالت کے تحت رسولوں پر محض ایمان نہ لانے کی وجہ سے عذاب کے قائل ہیں۔ علامہ عثمانی نے مزید لکھا ہے کہ "آسمانی عذاب کی وجہ سے ان کے سارے مظالم و کفریات کا دفعتاً خاتمہ ہو جاتا تھا۔ یہ بات بھی الحمد اللہ ہماری تائید مزید ہی ہے کیونکہ اس طالب علم نے قرآن سے عذاب صرف اسی علت کے تحت پایا ہے کہ ظلم کی وجہ سے عذاب آتا ہے نہ کہ کفر کی وجہ سے اور سورہ عنکبوت کی آیت 40 بھی جو مولانا شبیر احمد عثمانی نے نقل کی ہے وہ بھی عمار صاحب کے خلاف دلیل ہے کہ اس آیت میں بھی قوموں پر عذاب کی علت گناہ بتائی ہے نہ کہ کفر اور جن قوموں پر عذاب کی نشاندہی اس آیت میں کی گئی ہے ان سب میں قدرِ مشترک ظلم و سرکشی اور انبیاء و رسل کی تکذیب تھی۔ علامہ عثمانی نے بہت تفصیل سے لکھا ہے کہ "کل تک جو لوگ انہیں حقیر و ناتواں سمجھ کر ظلم و ستم اور استہزاء کا تختہ مشق بنائے ہوئے تھے۔" یہ جملہ بھی متعین کر کے کفار پر عذاب کی علت بتا رہا ہے۔ کہیں اس پورے اقتباس میں محض کفر کو علتِ عذاب بتایا

ہے؟ جواب یقینا نفی میں ہے اور آخری جملہ جو لکھ ہے کہ" تھوڑے دنوں میں سارا عرب اس لئے حلقہ بگوش اسلام ہو گیا کیونکہ سزا کے بعد بھی توبہ کا دروازہ کھلا تھا"۔ تو یہ بھی فکر عمار کی مکمل تردید کر رہا ہے کیونکہ عمار صاحب تو مشرکین مکہ سے صرف اسلام اور تلوار کے بطالبے کے قائل ہیں۔ ظاہر ہے کہ مشرکین مکہ کو بھی سوچنے اور غور کرنے کے لئے جو مہلت دی گئی تھی ان میں سے بہت سے بعد میں ایمان لے آئے وہ بھی صدقِ دل سے ... لہذا ایمان تو صرف دل ہی سے قبول کیا جاتا ہے تلوار سے قبول نہیں کروایا جاسکتا۔ انہیں قرآن کی تعلیم پیش کر کے غور کرنے کی دعوت اور مہلت دی گئی جیسا کہ سورہ توبہ آیت 6 میں اس کی تصریح ہے۔ علی ھذالقیاس یہ سارا اقتباس عمار صاحب نے محض لفظ عذاب دیکھ کر نقل کیا ہے ورنہ یہ اقتباس وہ ہر گز نقل نہ کرتے۔

صفحہ 250 پر وحید الدین خاں صاحب کا اقتباس پیش کیا ہے جو اس وجہ سے قابل قبول نہیں کہ وہ بھی امین احسنؒ کی متابعت میں اس قانون کو مانتے ہیں اور جس کی تردید کے لئے اس طالب علم کو یہ مضمون لکھنا پڑا ہے۔ یہ طالب علم مولانا کا بے حد احترام کرتا ہے حتیٰ کہ انکے رسالے کو راولپنڈی میں باقاعدہ بہت سے لوگوں کو پہنچاتا بھی ہے مگر مولانا اپنی ہمہ جہت خوبیوں کے باوجود بشری کمزوریوں سے محفوظ نہیں اور فہم قرآن میں متعدد جگہ پر ٹھوکر بھی کھائی ہے۔ جو اقتباس عمار صاحب نے پیش کیا ہے وحید الدین خاں صاحب نے اس میں صریح غلطی کی ہے کیونکہ سورہ سجدہ کی آیت 21 سے قانونِ رسالت کی وجہ سے مولانا استدلال فرما رہے ہیں پوری سور سجدہ میں لفظ "رسول" استعمال ہی نہیں ہوا۔ اس بات سے قارئین کو اندازہ ہو گا کہ ہمارے علماء جب کسی فکر سے متاثر ہو جائیں تو کس طرح آنکھیں موند کر اپنی باگ ڈور اس کے حوالے کر دیتے ہیں۔ قانون رسالت کی جو شکل ہمارے آئمہ امین اصلاحیؒ سے عمار صاحب تک بیان کرتے آرہے ہیں، قرآن میں اس کی کوئی دلیل نہیں۔ انشاء اللہ آگے اس قانون کو بھی زیرِ بحث لایا جائے گا۔ عمار صاحب آگے لکھتے ہیں "منافقین بھی منکرین حق کا ایک گروہ تھا جو بظاہر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والے گروہ میں شامل ہو کر درحقیقت ان کے خلاف سازشوں اور ریشہ دوانیوں میں مصروف تھا بظاہر ایمان لانے کی وجہ سے انہیں دوسرے گروہوں کی نسبت زیادہ مہلت دی گئی تاہم اصولی طور پر وہ بھی خدا کے عذاب کے مستحق تھے اور قرآن مجید میں بار بار یہ دھمکی دی گئی کہ اگر وہ اپنی روش سے باز نہ آئے تو خدا کے قانون کے مطابق وہ بھی اہل ایمان کے ہاتھوں خدا کے عذاب کی گرفت میں آجائیں گے" لئن لم ینتہ المنٰفقون والذین فی قلوبھم مرض والمرجفون فی المدینتہ لنغرینک بھم ثم لا یجاورونک فیہا الا قلیلاOملعونین اینما ثقفوآ

اخذوا وقتلوا تقتیلاo(الاحزاب 62) (دراصل یہ ایک نہیں دو آیات ہیں 61-60امتیاز).. اگر یہ منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے اور مدینے میں فتنہ انگیزی کرنے والے گروہ باز نہ آئے تو ہم تمہیں ان کے خلاف بھڑکا دیں گے۔ پھر ان کے لئے مدینہ میں تمہارے ساتھ رہنے کا موقع کم ہی ہو گا۔ یہ ملعون قرار دیئے جائیں گے اور جہاں ملیں گے ان کو پکڑا جائے گا اور بدترین طریقے سے قتل کر دیا جائے گا"۔

درجِ بالا اقتباس اور مذکورہ بالا آیات پڑھ کر بے اختیار دل میں خیال آتا ہے کہ کاش ہمارے عمار صاحب یہ مضمون نہ ہی لکھتے تو اچھا ہوتا۔ اب یہ ماننا تو مشکل ہے کہ انہوں نے سورہ احزاب پڑھی نہیں یا قرآن، حدیث اور تاریخ میں منافقین سے رسول اللہ کا برتاؤ انہیں معلوم نہیں۔ ان آیات میں وہ بات کہی ہی نہیں گئی جو عمار صاحب ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں اور ان کے اقتباس کو بھی کوئی تعلق اس آیتِ احزاب سے نہیں بنتا۔ خود ہی لکھتے ہیں کہ منافقین نبی اکرمؐ کے خلاف سازشیوں کو تو سزا کی علت سازش ہوتی ہے اس سے علتِ کفر کیسے ثابت کر دی پھر اس آیت سے پہلے والی آیت اگر عمار صاحب پڑھ لیتے تو شاید ایسی خطا فہم قرآن میں نہ کرتے۔ یہ طالب علم سورہ احزاب سے آیت 59 نقل کرتا ہے۔ واضح رہے عمار صاحب نے اسے ایک آیت 62 مانا ہے جبکہ جیسا ہم نے اوپر نشاندہی کی ہے کہ یہ دو آیات 61-60 ہیں۔

" یا یہا النبی قل لازواجک وبنتک ونسآء المومنین یدنین علیہن من جلا بیبہن ذلک ادنیٰ ان یعرفن فلایؤذین وکان اللہ غفورا رحیما o(الاحزاب 59) اے نبی اپنی بیویوں سے اور اپنی صاحزادیوں سے اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دہ کہ وہ اپنے اوپر چادریں لٹکا لیا کریں اس سے بہت جلد ان کی شناخت ہو جائے گی پھر وہ ستائی نہ جائیں گی اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے"۔ قارئین کرام اس کے بعد وہ دو آیات ہیں جو عمار صاحب نے پیش کی ہیں۔ عرض ہے ان آیات میں نبی ﷺ کے خلاف سازش کا کوئی ذکر نہیں بلکہ تمام مفسرین (جہاں تک اس طالب علم نے کتب تفسیر دیکھی ہیں) نے ان کا وہی مطلب سمجھا ہے جو قرآن کی آسان عربی سے ثابت ہے اور وہ یہ کہ مدینہ میں منافقین اور اوباشوں نے خواتین کا جینا دوبھر کر دیا تھا تو پہلے تو مسلمانوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ اے نبی اپنی بیویوں بیٹیوں اور مومنین کی عورتوں کہ کہہ دیں کہ چادریں لے کر باہر نکلیں تا کہ معلوم ہو کہ یہ شریف زادیاں ہیں اب بھی اگر برے لوگوں نے انہیں تنگ کیا یا زیادتی کی تو پھر انہیں بری طرح قتل کیا جائے۔ بتایئے ان آیات کا فکر عمار سے کیا تعلق۔ وہ تو یہ ثابت کرنے چلے تھے کہ جہاد، قتال، عذاب

خداوندی ان سب کی ایک علت تو فتنہ و فساد و دفاع ہے اور دوسری علت کفر و شرک کا خاتمہ ہے اور اسی دوسری وجہ کو ثابت کرنے کے لئے یہ مضمون انہوں نی

لکھا ہے تو یہاں منافقین سے متعلق آیات نقل کر دیں جن کا جہاد و قتال کے زیرِ بحث نظریئے سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں۔ معلوم رہے کہ نبی کریم ﷺ نے منفقین کو مسلمان ہی مانا اور کبھی کسی کو اس کے نفاق کی وجہ سے کوئی سزا نہ دی۔ جو وجہ قرآن نے مدینہ کے منافقین کے قتل کے لئے بتائی ہے قیامت تک اس پر عمل ہو گا۔ اس میں رسول یا نبی کی کوئی تخصیص نہیں اور نہ ہی اس سزا کا تعلق کفر سے ہے پاکباز خواتین کو تنگ کرنے تمام دنیا کے نزدیک مستوجب سزا جرم ہے تو اس مقام کو پیش کر کے بھی عمار ناصر صاحب نے تجاہل عارفانہ ہی سے کام نکالنا چاہا ہے۔ عمار صاحب نے اسی ضمن میں مسند دارمی سے سیدنا عمرؓ کا جملہ نقل کیا ہے:

"بخدا رسول اللہ ﷺ کا انتقال نہیں ہوا اور جب تک آپ منافقین میں سے بہت سوں کو ہاتھ پاؤں نہ کاٹ لیں آپ ؐ کا انتقال نہیں ہو سکتا۔ (دارمی رقم 1616)۔

یہ طالب علم عرض کرتا ہے دارمی کا یہ حوالہ بھی آپ کے کسی کام نہیں آسکتا۔ پہلی بات تو یہ کہ رسول اللہ نے منافقین کو کوئی سزا دی اور نہ ہی اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ کی زندگی میں چند سال اضافہ کیا کہ میرا رسول منافقین کو سزا دیئے بغیر فوت نہیں ہو سکتا۔ پھر اگر سیدنا عمر نے یہ جملہ بولا بھی ہے تو اس سے وہ قانون تو ثابت ہوتا ہی نہیں جو عمار صاحب ناصر قرآن سے زبردستی نکالنا چاہ رہے ہیں۔ پورا قرآن منافقین کے بارے میں گواہی دے رہا ہے کہ ان کا جرم کفر سے بڑھ کر مسلمان بن کر دھوکہ دینا تھا اسلام کی جڑیں کاٹنا تھا اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانا تھا۔ خود عمار صاحب نے بھی لکھا ہے کہ "منافقین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف سازشوں اور ریشہ دوانیوں میں مصروف تھے"۔ صفحہ 250۔

پھر مزید عرض ہے کہ جیسا کہ شبلی نے مقلات میں لکھا ہے کہ اہل تشیع صحابہ میں سے تین کو زیادہ ہدف طعن بناتے ہیں (1) سیدنا ابو بکرؓ (2) سیدہ عائشہؓ (3) سیدنا عمرؓ، اس لیے کسی بھی روایت میں ان میں سے کسی کا نام آئے تو روایت سوچ سمجھ کر قبول کرنی چاہیئے، یہی حال اس روایت کا ہے جو دارمی سے جناب عمار صاحب نے پیش کی ہے۔ عنایت اللہ اثریؒ نے بخاری کی

اس روایت پر تفصیل سے کلام کیا ہے جس میں وفات نبوی کے موقع پر سیدنا عمرؓ نے جذبات سے مغلوب ہو کر رسول اللہ کی وفات ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ انہوں نے لکھا ہے کہ "سیدنا عمرؓ نے یہ کلمات وفات نبوی کے موقع پر نہیں کہے تھے بلکہ میدان احد میں جب وفات نبوی کی غلط خبر مشہور کی گئی اس وقت کہے تھے" یہ ناممکن ہے کہ سیدنا عمر وفات نبوی کی خبر سن کر جذبات سے اتنے مغلوب ہو جائیں کہ رسول اللہ کی میت مبارک دیکھ کر بھی نہ مانیں! قرآن نے جن اصحاب کے بارے میں کہا ہے کہ اللہ نے ان کے دلوں میں ایمان لکھ دیا ہے مگر ہماری تاریخ جگہ جگہ سیدنا عمر کو ایک جذباتی شخصیت کے طور پر پیش کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ عنایت اللہ اثری صاحب پر کروڑ ہا رحمتیں نازل فرمائے کہ انہوں نے اس قسم کی روایات کو بہتر طور پر حل کیا ہے۔

اسی طرح جو مشہور روایت بخاری میں آئی ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر سیدنا عمر جذباتی ہو گئے تھے اس پر شبیر احمد ازہر صاحب نے درایتِ قرآن کی روشنی میں تنقید کی ہے۔۔ سورہ فتح میں دو جگہ پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے مومنین پر سکون نازل فرمایا تھا۔ تو کیسے ممکن ہے اللہ کی یہ بات غلط ہو۔ بات اگرچہ دور نکل گئی مگر یہ چند سطریں لکھنا بھی ضروری تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ منافقین کو کسی قسم کی کوئی سزا ان کی ریشہ دوانیوں اور سازشوں کے باوجود نہیں دی گئی کیونکہ قرآن میں منافقین اور کفار کے لئے ان کے عقیدہ کی بنیاد پر کوئی دنیوی سزا بیان ہی نہیں ہوئی۔ ایک مقام قرآن سے پیش کیا جاتا ہے سورہ توبہ میں ارشاد ہے "وعد اللہ المنٰفقین والمنٰفقٰت والکفار نار جہنم خلدین فیہا ھی حسبہم ولعنہم اللہ ولھم عذاب مقیم o (توبہ 68) اللہ منافق مردوں اور منافق عورتوں سے جہنم کا وعدہ کر چکا ہے جہاں یہ ہمیشہ رہیں گے وہی ان کے لئے کافی ہے۔ ان پر اللہ کی پھٹکار ہے اور ان ہی کے لئے دائمی عذاب ہے"۔ اس آیت نے فیصلہ کن طور پر منافقین اور کفار کے لئے کسی بھی قسم کی دنیوی سزا کا انکار کر دیا ہے اس آیت کے الفاظ "ھی حسبہم" دلیل ہیں کہ انہیں صرف جہنم کی سزا ملے گی۔ اب رہ گئی منافقین و کفار کے لئے دنیوی سزا تو اس کی علت کفر نہیں ہو گی بلکہ ان کا کوئی ایسا عمل ہو گا جو دنیا میں مستوجب سزا ہو۔ مثلاً ریاست کے خلاف بغاوت یا جنگ میں نبی، رسول یا مصلحین کی شدید مخالفت یا پاکباز بیبیوں کی عصمت پر انگشت نمائی وغیرہ تو پھر انہیں سزا ملے گی جیسا کہ انفال آیات 14-13 کی تفسیر میں شیخ القرآن محمد علی کاندھلوی نے وضاحت کر دی ہے کہ دنیوی سزا کی علت اللہ اور رسول کی مخالفت ہے نہ کہ کفر۔

صفحہ 251 پر طبری، مصنف عبدالرزاق وغیرہ کی جو روایات عمار صاحب نے پیش کی ہیں ان پر تبصرہ وقت کا ضیاع یہ طالب علم اس قسم کی روایات پر تبصرہ کرنے سے معذور ہے۔ صرف اتنا عرض ہے ان میں سے کسی بھی تاریخی روایت میں وہ قانون بیان ہی نہیں ہوا جس کے لئے محترم عمار صاحب نے یہ مقالہ لکھا ہے اور اس معاملہ میں صحیح رویہ یہ ہے کہ قرآن کی بات کو قرآن سے ثابت کیا جائے۔ اس طالب علم نے غلبہ دین کے حوالہ سے لکھا ہے کہ نزول قرآن کے ساتھ ہی ہو چکا اور قیامت تک دین غالب رہے گا۔ اس قسم کی تاریخی روایات سے کسی بھی قسم کا قانون اخذ کرنا غیر علمی اور غیر عقلی طریقہ ہے۔ ان روایات کو صرف قرآن کی تائید میں پیش کیا جا سکتا ہے اور قرآن میں عمار صاحب کے لئے کوئی دلیل نہیں۔

قتل اور جزیہ میں سے اصل حکم کا تعین

"قتل اور جزیہ میں سے اصل حکم کا تعین" کی شہ سرخی لکھ کر فرماتے ہیں "جہاد و قتال کے حوالے سے قرآن و حدیث کے جو نصوص اوپر بیان ہوئے ہیں ان میں اسلام قبول نہ کرنے والے کفّار کے لئے دو طرح کی سزائیں بیان ہوئی ہیں۔ مشرکین کے بارے میں حکم دیا گیا ہے کہ انہیں قتل کر دیا جائے جب کہ اہلِ کتاب کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ان سے قتال کر کے انہیں جزیہ ادا کرنے پر مجبور کیا جائے.......الشریعۃ ص255۔

محترم عمار صاحب کے اس دعویٰ کی غلطی گزشتہ صفحات میں، ان کی پیش کی گئی ہر "نص" کے ان کی فکر سے غیر متعلق ہونے کی بناء پر پوری تفصیل سے واضح کر دی گئی ہے۔ لہٰذا پورے قرآن میں ان کے دعوے کی کوئی دلیل نہیں۔ جو کچھ ہمارے یہ فاضل دوست کہہ رہے ہیں انہیں احساس تک نہیں کہ قرآن اور رسول اللہ کی کتنی غلط تصویر وہ دنیا کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ سورہ توبہ کی جن ابتدائی آیات سے عمار صاحب مشرکین کے "قتلِ عام" (نعوذ باللہ) کا نظریہ اخذ کر رہے ہیں یہ طالب علم کتب تفسیر سے مفسرین کے حوالے نقل کر آیا ہے وہ سب یک زبان کہہ رہے ہیں کہ مشرکین کو مکہ سے جانے کے لئے چار ماہ کی مہلت دی گئی تھی۔ اگر وہ چلے جاتے تو ان کی جان بچ سکتی تھی نہ جاتے تو مکہ میں تو صرف اسلام قبول کر کے ہی رہا جا سکتا تھا۔ اگر یہ دونوں ہی باتیں انہیں قبول نہ ہوتیں تو پھر اس باغیانہ رویہ کو حالتِ جنگ ہی متصور کیا جا سکتا تھا۔ قارئین سے درخواست ہے کہ ترجمان القرآن سے مولانا آزادؒ اور معالم القرآن سے شیخ القرآن مولانا محمد علی کاندھلویؒ کی آراء ان آیات کی تفسیر میں مطالعہ فرما

لیں۔ اگر عمار صاحب کو ان مفسرین سے اختلاف ہو تو اُن کی غلطی واضح کریں۔ اور اہل کتاب میں سے بھی قتال صرف انہی سے کرنے کا حکم ہے جو دین کے بارے میں مسلمانوں سے لڑیں۔ مولانا یحیٰ نعمانی نے جو مضمون بعنوان ''اسلام کا تصور جہاد'' لکھا ہے وہ الشریعۃ کی زیرِ نظر اشاعت ہی میں شامل بھی ہے۔ جس میں انہوں نے جزیہ والی آیت پر تفصیل سے کلام کیا ہے اور اس طالبِ علم کو اُن سے مکمل اتفاق ہے اس لئے ان کے مضمون سے جزیہ والی بحث پیچھے نقل کر آیا ہے۔ یہاں قرآن سے اہل کتاب کے بارے میں دو مقام نقل کیے جاتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ کتاب کے بارے میں قرآن کی تعلیم کیا ہے۔(1) ''یایھاالذین اٰمنو لا تتخذو الذین اتخذو دینکم ھزواولعبا من الذین اوتوا الکتٰب من قبلکم والکفار اولیا واتقواللہ ان کنتم مؤمنینo(المائدہ57) مسلمانو ان لوگوں کو دوست نہ بناؤ جو تمہارے دین کو ہنسی کھیل بنائے ہوئے ہیں خواہ وہ ان میں سے ہوں جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے یا کفّار ہوں۔ اگر تم مومن ہو تو اللہ سے ڈرتے رہو''۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو اہلِ کتاب پرامن ہوں اور دین اسلام کا مذاق نہ اڑائیں قرآن انہیں دوست بنانے سے منع نہیں کرتا۔ لہٰذا قتال بھی انہی اہلِ کتاب سے کیا جائے گا جو مسلمانوں کے دشمن ہوں۔

(2) سورہ ممتحنہ میں ہے ''لاینھٰکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدّین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبروھم وتقسطوا الیھم ان اللہ یحب المقسطینoانما ینھٰکم اللہ عن الذین قٰتلوکم فی الدّین واخرجوکم من دیارکم وظٰھروا علٰی اخراجکم ان تولوھم ومن یتولھم فاولٰک ھم الظّٰلمونo (الممتحنہ 9-8) جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں جنگ نہیں کی اور نہ تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ان کے ساتھ بھلائی اور انصاف کا سلوک کرنے سے اللہ تم کو منع نہیں کرتا اللہ تو انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اللہ انہی لوگوں کے ساتھ دوستی کرنے سے تم کو منع کرتا ہے جنہوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی کی اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے نکالنے میں اوروں کی مدد کی تو جو ایسے لوگوں سے دوستی کریں گے وہی ظالم ہیں''۔

درجِ بالا آیاتِ قرآن عمار صاحب کے ان جملوں کی تردید کررہی ہیں کہ ''اہلِ کتاب کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ ان سے قتال کرکے انہیں جزیہ پر مجبور کیا جائیگا'' ۔ یحیٰ نعمانی صاحب نے درست لکھا ہے یہ حکم ان اہلِ کتاب کے بارے میں ہے جو دین کے بارے میں مسلمانوں سے لڑرہے تھے جیسا کہ سور ممتحنہ کے اس مقام نے بھی ہمیں یہی بتایا ہے۔

علاوہ ازیں عقل کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ اگر اہلِ کتاب جنگ کئے بغیر ہی مسلمانوں کے ساتھ پُر امن رہیں اور جزیہ بھی دیں تو کیا اسلام پھر بھی انہیں ذلیل کرنے کا حکم دے گا؟ دنیا کی کوئی بھی اخلاقیات اس طرزِ عمل کی اجازت نہیں دے سکتی اور اسلام تو ہے ہی دینِ انسانیت۔

یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ قرآن میں اہلِ کتاب کی عورتوں سے نکاح کی اجازت دی گئی ہے اب سوچئے کوئی یہودیہ خاتون کسی مسلمان کے نکاح میں آجائے تو کیا اس خاتون کو ذلیل کر کے رکھا جائے گا؟۔ قرآن میں ایک پوری سورت سورہ نساء خواتین کے نام پر نازل ہوئی ہے اور سورہ بقرہ میں تو عورتوں کے بھی ویسے ہی حقوق بتائے گئے ہیں جیسے مردوں کے ہیں.... مردوں کو بس ایک درجہ فضیلت دی گئی ہے۔ پھر قرآن میں یہ حکم ہے کہ بیویوں کو اچھی طرح رکھو 'وعاشروھن بالمعروف' مگر ہمارے عمار صاحب کو اصرار ہے کہ اہل کتاب سے جزیہ لے کر بھی انہیں ذلیل بنا کر رکھو۔ پھر یہ بات بھی سوچنے کی ہے کہ اہلِ کتاب سسرالی رشتہ داروں کے ساتھ کیسا سلوک کیا جائے گا؟۔

اصل بات اس طالبِ علم نے لکھ دی ہے کہ صرف ان اہل کتاب سے جنگ کی جائے گی جو دین کے بارے میں مسلمانوں سے لڑیں یعنی جنگ کا آغاز وہ کریں۔ سورہ ممتحنہ کی آیت 9 میں اس کی دلیل ہے "انما ینھٰکم اللہ عن الذین قٰتلوکم فی الدّین" اللہ تعالیٰ تو ہمیں (ان سے دوستی سے) منع کرتا ہے جو دین کے بارے میں ہم سے لڑیں۔

حافظ عمار صاحب نے صفحہ 256 پر سیدنا عمرؓ کے اضطراب کا ذکر کیا ہے جو اس طالبِ علم کے لئے قطعاً قابل قبول اس لئے نہیں کہ قرآن سے مکمل تفصیل عرض کر دی گئی ہے کہ اہلِ کتاب اور کفّار سے اچھے سلوک سے قرآن نہیں روکتا تو جزیہ کے نفاذ میں صحابہ کو تردّد کیسا؟۔ پھر عمار صاحب کا یہ لکھنا بھی خود اپنی ہی تردید ہے "حالانکہ دوسرے گروہ مثلاً مجوس اور صائبین بھی جزیرہ عرب میں موجود تھے کیونکہ صفحہ (13 پر وہ روایت نقل کر آئے ہیں کہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے "لا یجتمع بجزیرۃ العرب دینان" عمار صاحب کس سادگی سے لکھ رہے ہیں کہ سیدنا عمرؓ کے دور میں دوسرے گروہ مثلاً مجوس اور صائبین بھی جزیرہ عرب میں موجود تھے۔ پہلی بات تو یہ کہ نبی ﷺ نے کیوں ان گروہوں کو عرب سے نہ نکالا؟ دوسرے یہ کہ قرآن میں یہ حکم کہاں ہے کہ عرب میں صرف مسلمان ہی رہ سکتے ہیں؟ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ تو قرآن کی اتباع کرتے تھے اور قرآن ہی بیان فرماتے تھے۔ یونس 15، نحل 44 1 اختلافی مسائل میں قرآن ہی کی طرف رجوع کرتے تھے۔ سورہ الانعام 114، شوریٰ 10 تو

قرآن میں جزیرہ عرب سے متعلق کوئی ایسا حکم نہیں صرف مکّہ سے متعلق خاص حکم البتہ قرآن مجید میں ہے اور رسول اللہ نے مکہ ہی سے مشرکین کو نکالا بھی۔

اسی صفحہ 256 پر لکھتے ہیں "مزید بر آں نبی ﷺ نے جن اقوام کے سربراہوں کو خط لکھ کر اسلام قبول نہ کرنے کی صورت میں جنگ کی دھمکی دی تھی"۔ عمار صاحب سے سوال ہے کہ یہ دھمکی کس رسول نے دی تھی؟ اور دھمکی کا یہ ذکر کس کتاب میں ہے؟ بخاری کا جو حوالہ انہوں نے دیا ہے 'اسلم تسلم' اس پوری روایت میں کسی قسم کی دھمکی کا ذکر نہیں۔ البتہ ایمان نہ لانے کی صورت میں اسے اسکی رعایا کے کفر کا بھی ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہے اور روایت کا یہ حصہ اس طالب علم نے پیچھے نقل کر دیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ محترم عمار خاں صاحب بے حد سادہ انسان ہیں اور ان میں تجاہلِ عارفانہ بدرجہ اتم پایا جاتا ہے یہ دھمکی نہیں بلکہ اسے قرآن میں انذار کہا گیا ہے۔ نبی ﷺ کو قرآن میں حکم دیا گیا ہے "ادع الیٰ سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن ان ربک ھو اعلم بمن ضل عن سبیلہ وھو اعلم بالمھتدینo (اے پیغمبر) لوگوں کو دانش اور نیک نصیحت سے اپنے پروردگار کے رستے کی طرف بلاؤ اور بہت ہی اچھے طریق سے ان سے گفتگو کرو"۔ الخ۔۔۔

اور قرآن ہی میں کہا گیا ہے کہ "اے نبی اس قرآن سے لوگوں کو ڈراؤ" "اس قرآن سے تذکیر کرو" وغیرہ۔ لہٰذا کس طرح اور کس قانون کے تحت رسول اللہ شاہانِ عالم کو دعوت اور دھمکی ایک ساتھ دے سکتے تھے؟ اس سے زیادہ خلافِ عقل، خلافِ قرآن اور خلافِ خُلقِ عظیم کوئی اور بات ہو ہی نہیں سکتی۔ سیرت کے ذخیرہ پر عمار صاحب کو بہت مان اور ناز ہے اس سے کوئی ایک روایت چاہے کلبی ہی کی ہو تو بتائیں کہ نبی کریم ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا ہو کہ میرے بعد ان شاہانِ عالم سے جنگ کرنا جنہیں میں نے دعوت دی اور وہ ایمان نہ لائے۔ اس کم علم کی رائے میں یہ رسول اللہ ﷺ پر صریح بہتان ہے کہ آپ ﷺ نے دعوتی خطوط میں جنگ کی دھمکی دی ہو۔ لہٰذا وہ ساری تقریر جو عمار صاحب نے صفحہ 254 تا 260 فقہاء کے حوالے سے کی ہے، بنیادی طور پر ہی غلط ہے۔ عمار صاحب کو پہلے تو یہ ثابت کرنا ہو گا کہ رسول اللہ نے جو دعوتی خطوط تحریر فرمائے ان میں جنگ کی دھمکی بھی دی گئی تھی۔ ذرا سوچئے تو سہی اگر دھمکی دی تو پھر رسول اللہ ﷺ نے جنگ کیوں نہ کی؟ اگر آپ کہیں کہ اس وقت اتنی قوت میسر نہ تھی تو ہم کہیں گے کہ پھر دھمکی کیوں دی ہمارا رسول تو جب تک صلح حدیبیہ توڑی نہ گئی جنگ کی بات کرتا ہی نہیں۔ مکہ میں قوت میسر نہ تھی تو ہاتھ روکے رکھا ظلم سہا... مگر جنگ نہ کی تو شاہانِ عالم سے اگر جنگ کر نہیں سکتے تھے تو

پھر دھمکی کیوں دی۔۔۔اور جب دھمکی دے دی تو پھر جنگ کیوں نہ کی؟۔یہ طالب علم جانتا ہے کہ محترم عمار صاحب نے یہ بات محض تقلیدِ شیخ میں کی ہے۔

ہمیں تو قرآن، حدیث اور تاریخ میں محترم عمار صاحب کے دعویٰ کے برعکس یہ نظر آتا ہے کہ عیسائیوں کے مدینہ پر حملہ کرنے کی اطلاع پا کر رسول اللہ ﷺ فوج لے کر تبوک کے مقام پر گئے مگر جب وہ عیسائی مقابلہ پر نہ آئے تو رسول اللہ واپس چلے آئے۔ محترم عمار صاحب کے فلسفہ کے مطابق تو ان عیسائیوں کو مسلمان بنائے بغیر واپس ہی نہیں آنا چاہئے تھا یا کم از کم ذلیل و پست بنا کر ہی چھوڑتے۔

صفحہ 261-260 پر امین احسن اصلاحیؒ کے حوالہ سے قانونِ رسالت نقل کیا ہے۔اس طالب علم نے برس ہا برس اس قانون پر غور کیا ہے اور یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ یہ حضرت امین احسن اصلاحیؒ کی خطاء تھی جسے ان کے متوسلین نے بہت بڑھا کر پیش کیا ہے۔اس مقالہ کے آخر میں انشاءاللہ اس قانون کو قرآن سے غلط ثابت کیا جائے گا۔

صفحہ 262 پر کتاب الام سے امام شافعی کی رائے نقل کی ہے۔"اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے قاتلو الذین لا یومنون۔۔۔۔۔صٰغرون آیت سے یہ بات واضح ہے کہ جن اہلِ کتاب کے خلاف اللہ تعالیٰ نے قتال کر کے انہیں جزیہ کی ادائیگی پر مجبور کرنے کا حکم دیا ہے یہ وہ لوگ ہیں جن تک حق پہنچنے کے بعد حجت قائم ہو چکی تھی اور انہوں نے اللہ کے دین کو چھوڑ کر اپنے آباواجداد کے دین پر قائم رہنے کا فیصلہ کر لیا تھا"۔

امام شافعی کی اس عبارت سے بھی عمار صاحب کی فکر کی نفی ہی ہوتی ہے وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ وہ مقالہ اس بات کو ثابت کرنے کے لئے لکھ رہے ہیں کہ رسول اللہ کی ذمہ داری کفر شرک کا خاتمہ اور دین کی سربلندی تھا۔کفر و شرک کا یہ کیسا خاتمہ ہے کہ کافر و مشرک اور اہل کتاب جزیہ دے کر مسلم حکومت میں رہ سکتے ہیں؟اس کا مطلب یہ ہوا کہ جزیہ دینے کے بعد وہ کفر بھی کریں اور شرک بھی۔علاوہ ازیں اتمام حجت کے بعد بھی کسی قوم کو جنگ کے زور سے اسلام پر آمادہ نہیں کیا جا سکتا اور سورہ ممتحنہ کی آیت 9 میں صاف موجود ہے کہ جو اہل کتاب ہم سے دین کے بارے میں جنگ نہ کریں ان سے دوستی اور حسنِ سلوک

سے اللہ ہمیں منع نہیں کرتا پس اللہ کی اس واضح بات نے ہمیں فقہاء سے بے نیاز کر دیا ہے۔ فقہاء کی بات تب ہی مانی جاسکتی ہے جب قرآن کی کوئی واضح نص نہ ہو۔

قتال کی علت! حنفی فقہاء کا نقطہ نظر

محترم عمار صاحب نے صفحہ 267 پر "قتال کی علت! حنفی فقہاء کا نقطہ نظر" کے ذیل میں لکھا ہے "سورہ برات کی زیرِ بحث آیات میں جیسا کہ ہم نے واضح کیا مشرکین اور اہل کتاب کے خلاف قتال کا حکم ان کے ایمان نہ لانے کی بنیاد پر دیا گیا"۔

قرآن میں کہیں نہیں کہ مشرکین مکہ اور اہل کتاب کے خلاف ایمان نہ لانے کی وجہ سے قتال کا حکم دیا گیا ہو۔ سورہ بقرہ کی آیات 190 تا 193 کی تشریح اس ضمن میں کی جاچکی ہے اگر اتنی سادہ آیات بھی کسی کی سمجھ میں نہ آئیں تو اسے اپنی عقل و فہم کا جائزہ لینا چاہئے ورنہ قرآن تو صرف ان سے جنگ کا حکم دیتا ہے جو مسلمانوں سے لڑیں۔ یہی بات سورہ حج 40-39 میں بھی آئی ہے کہ مسلمانوں کو جنگ کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ ان پر ظلم ہوا ہے اور ظلم کی نوعیت بھی بتا دی گئی ہے اور وجہ بھی... نوعیت تو یہ بتائی گئی کہ مسلمانوں کو ظلماً ان کے گھروں سے نکالا گیا اور وجہ یہ بتائی کہ ان کا جرم صرف اللہ کو رب ماننا تھا۔ اسے مذہبی جبر تصور کیا جائے گا۔ یعنی قرآن میں مشرکین سے جنگ کی وجہ ان کا کفر نہیں بلکہ ان کا ظلم بتائی گئی ہے چنانچہ ساری دنیا کے فقہاء مل کر بھی قرآن کی اس بات کو بدل نہیں سکتے اگر کوئی فقیہہ اس کے خلاف رائے دیتا ہے تو اس کی رائے کی تردید قرآن خود کر رہا ہے۔

اسی طرح اہل کتاب سے جنگ کی تفصیل بھی مولانا یحیٰ نعمانی بیان کر چکے ہیں اور جزیہ والی آیت پر انہوں نے مفصّل کلام بھی کیا ہے اس کے علاوہ خود قرآن میں صرف ان اہل کتاب سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے جو مسلمانوں سے دین کے بارے میں لڑیں۔ اب اگر کوئی فقیہہ ان آیات کے خلاف فیصلہ کرتا ہے تو اس کے حق میں دعا اور اختلاف ہی کیا جائے گا اس کی رائے بہر حال مانی نہیں جاسکتی۔ تمام محدثین متفق ہیں کہ قرآن کے خلاف حدیث بھی مانی نہیں جاسکتی لہٰذا کسی فقیہہ کی رائے کس طرح مانی جاسکتی ہے۔ فقہاء اگر غلطی کریں تو دلیل کے ساتھ اختلاف کیا جاسکتا ہے اور کیا بھی جانا چاہئے۔

مثال کے طور پر حافظ عمار صاحب نے ص268 پر ابو بکر جصاص کی کتاب ”احکام القرآن“ سے اقتباس نقل کیا ہے اس میں جملہ ہے ”پھر ہجرت کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو قتال کا حکم دیا“ابو بکر جصاصؒکی یہ عبارت غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ کو اپنے دفاع میں قتال کا حکم دیا اور ان جارحین کے عمل کو قرآن نے ظلم کہا ہے۔ یعنی جنگ تو مشرکین نے کی نہ کہ رسول اللہ کو اللہ تعالیٰ نے جنگ کا حکم دیا۔ سورہ توبہ آیت 14 میں اس کی صراحت ہے اس جگہ قرآن کے دو مزید حوالے پیش کئے جاتے ہیں ”وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا ان اللہ لایحب المعتدینo اور جو لوگ تم سے لڑتے ہیں ان سے تم بھی اللہ کی راہ میں لڑو مگر زیادتی نہ کرنا کہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا“ (بقرہ190) اور ”اذن للذین یقٰتلون بانھم ظلموا وان اللہ علیٰ نصرھم لقدیرo جن مسلمانوں سے (خواہ مخواہ) لڑائی کی جاتی ہے ان کو اجازت ہے کہ (وہ لڑیں) کیونکہ ان پر ظلم ہو رہا ہے اور اللہ ان کی مدد کرے گا وہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے“ (الحج39)۔ ان آیات کا محض سادہ سا ترجمہ بھی ابو بکر جصاصؒ اور عمار صاحب کی تردید کے لئے کافی ہے۔ اس کے باوجود جو عبارات المبسوط اور فتح القدیر سے عمار صاحب نے نقل کی ہیں وہ واضح طور پر عمار صاحب کی اپنی ہی فکر کی نفی کر رہی ہیں۔ صفحہ 271 پر لکھتے ہیں ”احناف اپنے موقف کی وضاحت کے لئے ایک اہم اصولی نکتہ بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انبیاء کی تعلیمات کی رو سے یہ دنیا دارالامتحان ہے جبکہ جزاء و سزا کا معاملہ اصلاً آخرت کے دن پر موقوف رکھا گیا ہے۔ چنانچہ کفر و ایمان کا معاملہ اصلاً خدا اور بندے کے مابین ہے اور اس کا فیصلہ دارالجزاء میں خود اللہ تعالیٰ ہی کرے گا۔ دنیا میں کسی کو قتل جیسی انتہائی سزا دے دینا دارالابتلاء اور دارالجزاء کی مذکورہ تقسیم کے منافی ہے“ سرخسی لکھتے ہیں ”کفر پر قائم رہنا یا اس کی طرف پلٹ جانا اگرچہ تمام گناہوں سے بڑا گناہ ہے لیکن وہ انسان اور اس کے رب کا معاملہ ہے اور ایسے گناہ کی سزا روزِ قیامت کے لئے موخر رکھی گئی ہے......“(المبسوط110) الشریعۃ صفحہ 271۔

قارئینِ محترم! امام سرخسی کی یہ عبارت جو محترم عمار صاحب نے نقل کی ہے قرآن کی تعلیمات کے عین مطابق ہے اور یہی حق ہے۔ ہمارا موقف بھی یہی ہے کہ کفر کی سزا دوزخ ہے دنیا میں نہیں۔ سورہ توبہ آیت 68 اور الانفال آیت 14 جیسی بہت سی آیات اس کی دلیل ہیں۔ مگر کیا کیا جائے کہ عمار صاحب کو نہ تو قرآن کی واضح عبارات سمجھ آ رہی ہیں اور نہ ہی فقہاء کی عبارات جو بالکل صاف اور واضح ہیں انہیں بھی وہ فقہاء کی فکر کا قصور ہی بتا رہے ہیں کہ ”فقہاء قتال کی مشروعیت کا نکتہ چھیڑ کر اپنے موقف میں غیر ضروری الجھاؤ پیدا کر لیتے ہیں“۔

یہ طالبِ علم جان کی امان پائے تو عرض کرے گا کہ الجھاؤ فقہاء کا نہیں خود آنجناب کا پیدا کردہ ہے پہلے تو جہاد کو قتال سمجھا، پھر قتال کو قانونِ عذاب کے سانچے میں ڈھالا اور قانونِ عذاب کو قانونِ رسالت سے بدل ڈالا۔ لطف تو یہ کہ 230 صفحات پر محیط مقالہ میں جہاد کی صرف ایک آیت (حج 78) نقل کی ہے۔ عمار صاحب علامہ ابنِ نجیم کی ایک عبارت بحر الرائق سے نقل کرتے ہیں۔ "اصل تو یہ ہے کہ (کسی بھی عمل کی) جزا و سزا کو آخرت پر ہی موقوف رکھا جائے گا۔ کیونکہ دنیا میں جزا و سزا کو جاری کرنا آزمائش کے اصول میں خلل ڈالتا ہے۔ تاہم اس اصول کو چھوڑ کر دنیا میں جزا و سزا کا طریقہ اس لئے اختیار کیا گیا ہے کہ ایک فوری شر یعنی حرابہ کو دور کیا جاسکے (البحر الرائق 139/5) بحوالہ الشریعۃ صفحہ 271۔

قارئینِ کرام! یہ عبارت بھی عین قرآنی تعلیم کی ترجمان ہے کہ عقیدہ کی وجہ سے سزا دنیا میں نہیں آخرت میں ملے گی۔ دنیوی سزا کی علت حرابہ ہے۔ یہ وہی وجہ ہے جس کی دلیل قرآنی آیات ہیں۔ مگر عمار صاحب کو اسی کی تردید کرنی پڑ رہی ہے۔ صفحہ 111 لکھ آئے ہیں " دوسرے کفر و شرک کا خاتمہ اور باطل ادیان کے مقابلے میں اسلام کا غلبہ اور سربلندی کے لئے (قتال کا حکم نبی کریم کو دیا گیا) علامہ سرخسی اور ابنِ نجیم کی عبارات میں عمار صاحب کی واضح تردید ہے وہ قتال اور دنیوی سزا کو فتنہ و فساد کی وجہ سے مشروع مانتے ہیں۔

صفحہ 272 پر محترم عمار صاحب نے ابن الہمامؒ کے رائے یوں نقل کی ہے "جزاء و سزا میں اصل یہ ہے کہ اسے دار الجزاء یعنی آخرت کے قائم ہونے تک موخر رکھا جائے کیونکہ آخرت ان اعمال کی جزا کے لئے قائم کی جائے گی جو دنیا میں کئے جاتے ہیں۔ یہ دنیا دار العمل ہے اور آخرت دار الجزاء۔ چنانچہ دنیا میں جو بھی سزا شروع کی گئی ہے وہ در حقیقت دنیا ہی میں مطلوب چند مصالح کے لئے کی گئی ہے..... (فتح القدیر ۲/۷/۶) بحوالہ الشریعہ ص 272۔

قارئینِ کرام یہ عبارت بھی واضح طور پر عمار صاحب کی تردید کر رہی ہے جو دنیا میں کفر کی سزا کے لازم ہونے کے قائل ہیں۔ اس کے بعد عمار صاحب سرخسی کی رائے نقل کرتے ہیں کہ کفار کو قتل کرنے کی اصل علت ان کا کفر نہیں بلکہ فتنہ و فساد ہے۔ "اللہ نے بعض مقامات پر اصل علت کے بیان پر اکتفاء کی ہے جیسا کہ فرمایا کہ اگر وہ تم سے لڑیں تو انہیں قتل کرو۔ اور بعض مقامات پر اس علت (قتال) کے سبب یعنی شرک کا ذکر کیا ہے جو کفار کو مسلمانوں کے خلاف لڑنے پر آمادہ کرتا ہے (المبسوط 110/10)۔ اس عبارت کو عمار صاحب نے نقل کیا ہے جو فیصلہ کن انداز میں ان کی تردید کر رہی ہے اس

عبارت میں جنگ کا ذمہ دار مشرکین کو ہی ٹھہرایا گیا ہے۔ محترم عمار صاحب مزید لکھتے ہیں ''کفار کے فتنہ و فساد ہی کو قتال کی اصل وجہ قرار دینے کا یہ موقف بعد کے حنفی فقہاء کے ہاں زیادہ صراحت سے ملتا ہے ابن الہام صاحب لکھتے ہیں ''کفار کے ساتھ ہمیں قتال کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے وہ ان کی طرف سے کی جانے والی لڑائی کا بدلہ اور اس کا نتیجہ ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان کے ساتھ لڑائی کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے یعنی وہ مسلمانوں کو زدوکوب یا قتل کر کے دین سے برگشتہ نہ کر سکیں۔ جیسا کہ کتبِ سیرت میں معروف ہے۔ اہلِ مکہ اسلام لانے والوں کو اذیت دیتے تھے تا کہ وہ اپنے دین سے واپس پلٹ جا ئیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ان کی قوت کو توڑ دو تا کہ وہ کسی مسلمان کو اذیت دے کر اس کے دین سے نہ ہٹا سکیں۔ (فتح القدیر ۴۳۸/ ۵۰-۴۳۷)

درجِ بالا تمام عبارات بالکل واضح اور صریح ہیں کہ دنیا میں کفر کی نہیں فتنہ و فساد کی وجہ سے عذاب آتا ہے اور قتال کی بھی یہی علت ہے۔ جزیہ کے بارے میں بھی ابنِ الہامؒ کی یہ رائے نقل کی ہے ''کفر کی وجہ سے جس شر کا اندیشہ ہے وہ یہ ہے کہ کفار (مسلمانوں کے ساتھ) جنگ کریں گے اور انہیں دینِ حق سے برگشتہ کرنے کی کوشش کریں گے۔ چنانچہ جزیہ کافر کے اس کفر پر دنیوی سزا کی حیثیت رکھتا ہے جو اس کے مسلمانوں کے خلاف برسرِ جنگ ہونے کا محرّک ہے اور کافر سے جزیہ لینے کا مقصد یہ ہے کہ اسکی قوت کو کمزور کر کے اس کی طرف سے محاربہ کو روکا جا سکے اور چونکہ کافر ہونے کہ وجہ سے وہ مسلمانوں کی (جنگی امور میں) مدد نہیں کرتا (جب کہ اس کا دفاع مسلمانوں کی ذمہ داری ہے) اس لئے (جزیہ کی صورت میں) اس سے اس کا عرض وصول کیا جائے گا'' (فتح القدیر ۵۴/ ۶)

صاحب ہدایہ عقد ذمہ کا مقصد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''ھو دفع الشر الحراب (۱۶۳/ ۲) اس کا مقصد حرابہ کے شر کو دور کرنا ہے'' (بحوالہ الشریعہ ص 273)۔

درجِ بالا تمام عبارات اس معاملہ میں صریح ہیں کہ دنیا میں کفر کی کوئی سزا نہیں، کفر کی سزا آخرت میں ملے گی۔ دنیا میں عذاب وقتال کی علت فتنہ و فساد کو رفع کرنا ہے۔ اس سلسلے میں فتح القدیر کی جو عبارت اوپر نقل کی گئی ہے اس میں اس فتنہ کی بھی وضاحت کی گئی ہے جو سورہ بقرہ کی آیت 193 میں آیا ہے اور عمار صاحب اس فتنہ سے مراد شرک کا خاتمہ لیتے ہیں۔ صفحہ 112 الشریعتہ۔ مگر ابن الہام نے فتنہ کا وہی معنیٰ بتایا ہے جو اس خاکسار نے سورہ حج کی آیات 39-40 سے بیان کیا تھا یعنی مذہبی

جبر اس لئے فقہاء کی آراء قرآنی تعلیمات کے عین مطابق ہیں۔ مگر محترم عمار صاحب کو یہ آراء قبول نہیں اسکی وجہ وہ یہ بیان کرتے ہیں "احناف نے اس ضمن میں نصوص سے جو استدلال کیا ہے وہ فقہاء کی اس عمومی روش کا نتیجہ ہے کہ وہ الگ الگ مواقع اور گروہوں سے متعلق نصوص کو ان کے سیاق وسباق کی روشنی میں سمجھنے کی بجائے تمام نصوص کو جہاد و قتال کے احکام کا بیان عمومی تصور کرتے ہوئے ان سب سے یکساں استدلال کرتے ہیں۔ بقرہ کی آیات جن میں 'و قاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم اور فان قتلوکم فاقتلوھم' کے جملے آئے ہیں دراصل قریش سے متعلق اور حکم اس مرحلے سے متعلق ہیں جب اصلاً مقصود ان کے فتنہ وفساد کو رفع کرنا ہے اور بیت اللہ سے ان کے قبضہ کو ختم کرنا تھا۔ اس کے بعد مشرکین قریش اور ان کے علاوہ عمومی طور پر مشرکین عرب کے لئے ہے۔ حتمی حکم سورۃ توبہ میں دیا گیا ہے جو رفع فساد تک محدود نہیں رہا بلکہ اس میں اسلام قبول نہ کرنے کی صورت میں ان کے لئے قتل کئے جانے کی سزا بیان کی گئی ہے۔ چنانچہ بقرہ کی آیات سے احناف کا یہ استدلال برمحل نہیں جس میں فتنہ وفساد کو نہیں بلکہ کفر کو قتال کی علت قرار دیا گیا ہے" الشریعۃ ص 273۔

یہ کم علم طالب علم یہ کہنے کی جسارت کر رہا ہے کہ فقہاء نے ان تمام آیات کا معنیٰ صحیح سمجھا ہے مگر غلط فہمی تو آنجناب کو ہو رہی ہے قتال کی علت کفر ہوتا تو پھر مسلمانوں کو مشرکین پر حملہ کرنے کا حکم دیا جاتا مگر ایسا کوئی حکم قرآن میں نہیں۔ سورہ بقرہ کی آیات سے آپ کا یہ تسلیم کرنا کہ ان آیات میں جنگ کا حکم کفار کے فتنہ وفساد کو ختم کرنا مقصد ہے غنیمت ہے ورنہ تو صفحہ 112 پر آپ نے لکھا ہے "جہاد کو دوسرا مقصد یعنی کفر و شرک کا خاتمہ اور اسلام کی سربلندی درج ذیل نصوص میں بیان ہوا ہے"وقتلوھم حتیٰ لا تکون فتنۃ و یکون الدین للہO(بقرہ 193) اور پہلا مقصد جہاد کا آپ نے اہل کفر کے فتنہ وفساد کو رفع کرنا بتایا ہے جو بالاتفاق صحیح ہے۔

بقرہ 193 کو کفر و شرک کے خاتمہ کے لئے اور اسلام کے غلبہ کے لئے آپ نے صفحہ 112 پر لکھا ہے اور یہاں صفحہ 273 پر مشرکین کے فتنہ وفساد کو رفع کرنا اور بیت اللہ کو آزاد کرانا لکھا ہے یہ صریح تضاد فکری ہے۔ ایک ہی آیت کو مختلف اور متضاد مقاصد و معنیٰ کے لئے پیش کرنا عجیب بات ہے۔

دیر آید درست آید.... حقیقت بہر حال یہی ہے کہ قریش مکہ سے جنگ ان کے فتنہ وفساد کو رفع کرنے کے لئے اور بیت اللہ کو ان کے قبضہ سے آزاد کرانے کے لئے ہوئی۔ یہی بات تو یہ خاکسار اور وہ تمام مفسرین جن کے حوالے پیش کئے جا چکے، کہتے چلے

آ رہے ہیں کہ مشرکین مکہ کو مکہ سے جانے کی صورت میں اپنے کفر و شرک پر باقی رہنے اور زندہ رہنے کا حق حاصل تھا فقہاء احناف کی آراء جنہیں عمار صاحب نے غلط ٹھہرایا ہے سو فیصد درست ہیں فقہاء قرانی آیات کا مفہوم صحیح سمجھے، جزاھم اللہ خیرا۔ اس طرح عمار صاحب کی وہ رائے خود انہی کے جملوں سے غلط ٹھہری جس میں وہ مشرکین عرب کے لئے صرف اسلام یا تلوار میں سے ایک کا اختیار مانتے ہیں۔

اس کے بعد عمار صاحب کا یہ فرمانا کہ "مشرکین قریش اور ان کے علاوہ عمومی طور پر مشرکین عرب کے لئے حتمی حکم سورہ توبہ میں دیا گیا ہے جو رفع فساد تک محدود نہیں رہا بلکہ اس میں اسلام قبول نہ کرنے کی صورت میں ان کے لئے قتل کئے جانے کی سزا بیان کی گئی ہے چنانچہ بقرہ کی آیات سکے احناف کا یہ استدلال بر محل نہیں بنتا کہ یہاں قتال کی علت محاربہ کو قرار دیا گیا ہے۔ الشریعتہ ص 273۔ خاکسار کا کہنا یہ ہے کہ احناف کا استدلال بر محل اور عین روح قرآن کے مطابق ہے۔ پہلی بات تو یہ کہ جب آپ کو تسلیم ہے کہ سورہ بقرہ کی آیات کا مقصد اصلاً مشرکین مکہ کے فتنہ و فساد کو رفع کرنا تھا اور بیت اللہ سے ان کا قبضہ ختم کرنا تھا تو پھر علت قتال محض کفر و شرک تو ہو نہیں سکتی۔ دوسری بات مشرکین مکہ کا فتنہ مذہبی جبر اور ظلم و ستم تھا جو سورہ بقرہ آیات 191-190 سے ظاہر ہے اور سورہ حج کی 40-39 آیات میں تو اس فتنہ کی وضاحت بھی کر دی گئی ہے۔ علامہ ابنِ الہمام نے فتنہ کی یہی تشریح کی ہے جو آپ نے الشریعتہ صفحہ 272 پر لکھی ہے عبارت یہ ہے " اسی طرح اللہ نے فرمایا ہے کہ ان سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے یعنی وہ مسلمانوں کو زدو کوب یا قتل کر کے انہیں بالجبر ان کے دین سے برگشتہ نہ کر سکیں......

سو اس حنفی عالم کی بات درست اور آپ کی رائے غلط ہے۔ مزید یہ جو آپ نے فقہاء احناف کی غلطی نکالی ہے کہ مشرکین مکہ اور تمام عرب کے مشرکین کے لئے حتمی حکم سورہ توبہ میں آیا ہے کہ "اسلام قبول نہ کرنے کی صورت میں ان کے لئے قتل کئے جانے کی سزا بیان کی گئی ہے" گستاخی معاف یہ تو آپ کو سمجھ نہیں آیا کہ توبہ کی آیات کا صحیح محل کیا ہے اور الٹا آپ فقہاء کی غلطی نکال رہے ہیں۔ اس طالب علم کا ایمان ہے کہ کوئی فقیہہ معصوم نہیں ہوتا بلکہ ہر فقیہہ سے غلطیاں بھی ہوئی ہیں اور جب خود حدیث رسول کو قرآن پر پیش کیا جاتا ہے تو ہر فقیہہ کی عبارت بھی قرآن پر ہی پیش ہو گی " انہ لقول لفصل" سورہ طارق میں قرآن کو قولِ فیصل کہا گیا ہے اور سورہ بقرہ آیت 185 میں قرآن کو "فرقان" کہا گیا ہے یعنی حق کو باطل سے الگ کرنے والا۔ لہذا معیار قرآن ہے نہ کہ فقہاء۔ مگر حق یہ ہے کہ اس مسئلہ میں فقہائے احناف عین وہی بات کہہ رہے ہیں جو

قرآن میں بہت آسان الفاظ میں بیان کر دی گئی۔ ان آیات کو سمجھنے کے لئے آئنسٹائن یا نیوٹن جتنا ذہن نہیں چاہئے بلکہ قرآن ہر اس انسان کو سمجھ آجائے گا جو اس پر غور و فکر کرے گا۔

تو محترم عمار صاحب کا یہ کہنا بداہتہً غلط ہے کہ سورہ توبہ میں تمام مشرکین عرب کے لئے تلوار یا اسلام میں سے ایک انتخاب تھا۔ کیونکہ مفسّرین نے سورہ توبہ کی آیت 5 کا یہی معنیٰ بیان کیا ہے کہ اس مہلت میں وہ مکہ سے چلے جائیں تو انکی جان بچ جائے گی نا جائیں تو مکہ میں تو صرف اسلام قبول کر کے ہی رہا جا سکتا ہے۔ مکہ سے جائیں اور نہ ہی اسلام قبول کریں تو بقول ابو الکلام آزادؒ حالتِ جنگ متصوّر ہو گی۔ محترم عمار صاحب مکہ سے چلے جانے والی بات نہیں مانتے مگر اسی صفحہ 273 پر انہوں نے تسلیم کیا ہے کہ سورہ بقرہ کی آیاتِ قتال کا مقصد بیت اللہ کو مشرکین کے قبضہ سے آزاد کرانا تھا تو عرض ہے اگر مشرکین بیت اللہ کا قبضہ چھوڑ کر چلے جاتے تو پھر آیات کا مقصد تو حاصل ہو گیا اب کس دلیل سے انہیں قتل کیا جاتا؟۔

مزید یہ کہ تمام عرب کے مشرکین کو قتل کرنا بھی سورہ توبہ کی آیات سے ثابت کرنا قرآن کی غلط ترجمانی ہے۔ پہلی بات تو یہ کہ اگر مشرکین عرب، عرب چھوڑ کر چلے جاتے تو کیا انہیں عرب سے باہر جا کر قتل یا اسلام کا اختیار دیا جاتا؟ اگر آپ کہیں کہ نہیں اس طرح عرب کی تطہیر ہو جاتی اور مقصد حاصل ہو جاتا تو خاکسار عرض کرے گا کہ آپ ان کا کہیں بھی جانا مانتے ہی نہیں بلکہ اسلام یا تلوار ہی مانتے ہیں۔ دوسرے بات یہ ہے کہ جو بات آپ نے بیت اللہ کو آزاد کروانے سے متعلق لکھی ہے قرآن سے صرف وہی ثابت ہوتی ہے کیونکہ سورہ الانفال آیت 34 سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔''ومالھم الا یعذبھم اللہ و ھم یصدون عن المسجد الحرام وما کانوا اولیاء ہ ان اولیاوہ الاالمتقون ولکن اکثرھم لایعلمونO(الانفال 34) اور (اب) ان کے لئے کونسی وجہ ہے کہ اللہ انہیں سزا نہ دے جبکہ وہ (مسلمانوں کو) مسجد حرام سے روکتے ہیں اور وہ اس مسجد کے متولی (ہونے کے حقدار) بھی نہیں اس کے متولی تو صرف متقین ہیں لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے''۔ تیسرے قرآن میں خود سورہ توبہ میں ان آیات کے بعد بھی مشرکین کا ذکر آیا ہے مثلاً آیت 6 میں ہے کہ کوئی مشرک اللہ کا کلام سننے آئے تو اسے کلام اللہ سنا کر اسکی جائے امن پہنچا دہ۔ اب یہ جائے امن عرب کے اندر ہی ہو سکتی تھی اگر عرب سے باہر ہوتی تو یہ تو مسلمانوں کے لئے سزا ہو جاتی کہ سینکڑوں میل دور وہ بھی اس زمانے میں جا کر انہیں ان کی جائے امن پر پہنچایا جاتا چوتھے سب سے بڑی دلیل اسی سورہ توبہ کی آیت 28 ہے۔''یا ایھاالذین اٰمنواانما المشرکون

نجس فلا یقربوا المسجد الحرام''o مومنو مشرکین پلید ہیں تو اس برس کے بعد وہ مسجد الحرام کے پاس نہ جانے پائیں''۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مشرکین کو صرف بیت اللہ کے پاس آنے سے منع کیا ہے اس کا سادہ سا مطلب ہے کہ مشرکین عرب، عرب میں رہ سکتے تھے مگر جہاں وہ نہیں آسکتے تھے وہ جگہ صرف مکہ تھی۔ ہمارے ان اہل علم دوستوں نے قرآن پر غور کیا ہوتا تو وہ کبھی مشرکین سے عرب کو پاک کرنے کی بات نہ کرتے۔ قرآن نے جس جگہ سے انہیں روکنا تھا صاف صاف بتادیا اللہ تعالیٰ قانون بہت صاف اور صریح الفاظ میں بیان کر دیتے ہیں پورے قرآن میں نہ عرب کی کوئی بات کی گئی ہے اور نہ ہی عرب کو باقی دنیا پر کوئی برتری یا خصوصیت حاصل ہے سوائے مکہ کے تمام دنیا اللہ کی بنائی ہوئی ہے۔ خود رسول اللہ کی وفات کے بعد خلافتِ خاصہ کے دور میں بھی عرب میں مختلف ادیان کے لوگ موجود تھے۔ حجتہ الوداع کے خطبہ میں رسول اللہ نے عربی اور عجمی کی تخصیص ختم کر دی مگر امت آج بھی اس کی قائل ہے۔ اس لئے محترم عمار صاحب کا یہ کہنا غلط ہے کہ مشرکین عرب کے لئے تلوار یا اسلام میں سے صرف ایک کا اختیار تھا۔ ہمارے اس فاضل دوست کو معلوم ہونا چاہیے قرآن میں دین وملت کے اختیار میں آزادی عطاء کی گئی ہے۔ جبراً کسی کے نظریہ کو تبدیل کرنا ممکن نہیں اور اسلام کبھی کسی ناممکن کا حکم نہیں دیتا۔

اس کے بعد عمار صاحب نے فقہاء کی اس صحیح فکر سے اختلاف کرتے ہوئے چند سوالات اُٹھائے ہیں وہ سوال اور ان کا جواب حاضر ہے۔ پہلا سوال یہ کیا ہے کہ احناف کی یہ تعلیل بدیہی طور پر آیت جزیہ میں بیان ہونے والی تعلیل سے مختلف ہے کیونکہ آیت میں صراحت کے ساتھ قتال کا باعث اہل کتاب کے کفر کو اور قتال کا مقصد انہیں محکوم بنا کر ذلت اور رسوائی کی صورت میں انہیں سزا دینے کو کیا گیا..... الشریعتہ صفحہ 273-274۔

محترم عمار صاحب کے سوال کا جواب آیت جزیہ کی بحث میں مولانا یحیٰ نعمانی دے چکے اور ابن الہمامؒ نے بھی جزیہ سے متعلق حکم کو حرابہ کے ساتھ منسلک کیا ہے یعنی ابن الہمام پر امن اہل کتاب کو ذلیل اور پست بنانے کی بات نہیں کر رہے بلکہ حربی اہل کتاب کی ہی بات کر رہے ہیں اور ان کی بات درست ہے جبکہ محترم عمار صاحب اہل کتاب کی ساتھ قتال کا باعث کفر قرار دے رہے ہیں۔ ہمیں افسوس ہے کہ ان کی رائے قرآن کے خلاف ہے اور سورہ توبہ کی آیت 29 کی جو تفسیر وہ کر رہے وہ خود قرآن کی نص کے خلاف ہے اس لئے اہل کتاب سے جنگ کا باعث بھی کفر نہیں بلکہ فتنہ وفساد ہی ہے سورہ المائدہ آیت 57 اور ممتحنہ

آیات 8-9 پہلے پیش کی جا چکی ہیں۔ یہاں ممتحنہ کی آیات پھر پیش کی جاتی ہیں تا کہ محترم عمار صاحب کی غلطی واضح ہو سکے۔"لاینھکم اللہ عن الذین لم یقا فلو کم فی الدین ولم یخرجو کم من دیا رکم ان تبروھم و تقسطوا الیھم ان اللہ یحب المقسطینo انما ینھکم اللہ عن الذین قا تلو کم فی الدّین و اخرجو کم من دیا رکہ و ظا ھرو ا علیٰ اخراجکم ان تولّوھم ومن یتولھم فا ولٰئک ھم الظلمونo (الممتحنہ 9-8) جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں جنگ نہیں کی اور نہ تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ان کے ساتھ بھلائی اور انصاف کے سلوک سے اللہ تمہیں منع نہیں کرتا اللہ تو انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اللہ ان ہی لوگوں کے ساتھ تم کو دوستی کرنے سے منع کرتا ہے جنہوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی کی اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے نکالنے میں اوروں کی مدد کی تو جو لوگ ایسوں سے دوستی کریں گے وہی ظالم ہیں"۔ ان آیات میں صاف صاف حکم ہے کہ جو کفار ہم سے دین کے بارے میں نہ لڑیں، گھروں سے نہ نکالیں ان سے حسنِ سلوک سے اللہ ہمیں نہیں روکتا اور ہمارے محترم عمار صاحب ہر اہل کتاب کو خواہ وہ غیر حربی ہو، محض اس کے عقیدہ کی بناء پر ذلیل و پست بنا کر رکھنے کے قائل ہیں۔ تفصیل کا موقع نہیں مگر دیکھیے سورہ آلِ عمران میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی تعریف بھی کی ہے اور قرآن میں تمام اہل کتاب کو کافر بھی نہیں کہا گیا لم یکن کفروا من اہل کتاب کہا ہے۔ اس کے علاوہ اہل کتاب سے صہری (Sehri) رشتہ داری کی بھی اجازت دی گئی ہے اور ظاہر ہے رشتہ داری میں ذلیل بنا کر رکھنا شامل نہیں ہو سکتا۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے" قولو للناس حسنا" اس اخلاقی تعلیم کے ہوتے کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ تمام اہل کتاب کو ذلیل بنا کر رکھا جائے لہٰذا عمار صاحب کے سوال کا جواب ہم نے دے دیا۔ اصل بات ہمارے اس دوست کو سمجھ نہ آ سکی۔ یحیٰ نعمانی نے آیت جزیہ کی صحیح تفسیر بیان کی ہے انہی اہل کتاب کو ذلیل و پست بنایا جائے گا جو مسلمانوں سے دین کے بارے میں لڑیں۔ چنانچہ عمار صاحب کا فرمانا درست نہیں کہ آیت میں صراحت کے ساتھ اہل کتاب کے کفر کو قتال کا باعث اور مقصدِ قتال انہیں ذلیل بنا کر رکھنا ہے۔ ورنہ تو قرآن میں تضاد لازم آ جائے گا اور واقعتاً محترم عمار صاحب کفر کو دنیوی علت عذاب مان کر تضادِ فکری کا شکار ہوئے ہیں کیونکہ دین میں دنیا کے کسی بھی انسان کے لئے جبر نہیں"لا اکراہ فی الدین"۔

دوسرا سوال عمار صاحب یہ کرتے ہیں "اگر قتال کی علت فتنہ و فساد ہے تو ایسے کفار کے خلاف قتال کا اقدام کیونکر جائز ہو سکتا ہے جو اہل اسلام کے خلاف فتنہ و فساد کا اقدام نہیں کرتے؟" اس سوال کا جواب تو وہی فقہاء دے سکتے ہیں جنہوں نے ایسا کہا

ہے مگر قرآن میں کسی ایک جگہ بھی پر امن کفار کے خلاف قتال کا حکم دیا ہی نہیں گیا۔ عمار صاحب کے علم میں کوئی ایسی آیت ہو تو پیش کریں۔

تیسرا سوال عمار صاحب کا یہ ہے "تیسرا سوال یہ ہے کہ اگر کفر کی سزا کا معاملہ آخرت پر موخر رکھا گیا ہے اور کسی کافر کو اس کے کفر کی سزا اس دنیا میں دینے کا اختیار مسلمانوں کے پاس نہیں ہے تو قتال کے ذریعے سے اہل کفر کو مغلوب کر کے ان پر جزیہ عائد کرنا، جو احناف کے تصریح کے مطابق ان کے کفر پر عقوبت اور سزا کی حیثیت رکھتا ہے کس اصول پر روا ہے" الشریعۃ ص 274۔

جواب! پہلی بات تو لکھی جاچکی کہ صرف جارحین اہل کتاب سے جنگ کی جائے گی جیسے تبوک میں عیسائی جنگ کے لئے نہ آئے تو کوئی دوسری جنگ نہ کی گئی دوسرے قرآن میں بہت صاف الفاظ میں بتادیا گیا ہے کہ "ان لکفرین عذاب النّار" چنانچہ نص کے خلاف تو دنیا کے کسی بھی انسان کی رائے مانی ہی نہیں جاسکتی۔ کفار کو محض کفر کی بناپر سزا دینے کا اختیار نبی اور صحابہ کو بھی نہیں تھا اور نہ ہی قرآن میں اسکی کوئی دلیل ہے نہ ہی رسول اللہ نے کسی انسان کو محض کفر کی وجہ سے سزا دی جن اہل کتاب سے جزیہ لینے کا حکم ہے وہ مسلمانوں سے لڑ رہے تھے اس لئے انہیں پست و مطیع بنانے کے لئے ان سے قتال کا حکم دیا گیا۔ سورہ توبہ کی آیت 29 میں جہاں جزیہ کا حکم ہے اس سے آگے آیت 32 میں انہی کفار کا جرم یہ بتایا گیا ہے "یریدون ان یطفوانوراللہ بافواھھم ویابی اللہ الا ان یتم نورہ ولو کرہ الکٰفرونo یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور (قرآن) کو اپنے منہ (کی پھونکوں سے) بجھادیں اور اللہ اپنے نور کو ضرور پورا کرے گا چاہے کافروں کو کتنا ہی برا لگے"۔

یہ بھی واضح رہے کہ سورہ توبہ میں غزوہ تبوک پر تبصرہ کیا گیا ہے جس میں رسول اللہ کو بہت طویل سفر کر کے عیسائیوں سے جنگ کے لئے جانا پڑا تھا کیونکہ قیصر روم نے مدینہ پر حملہ کرنے کا مصمم اردہ کر لیا تھا۔ اسی تناظر میں سورہ توبہ نازل ہوئی ہے چنانچہ پہلے بھی لکھا گیا ہے اور مولانا یحیٰ نعمانی بھی لکھا ہے کہ پر امن غیر مسلموں کو ذلیل بنا کر رکھنا ہرگز قرآن کی تعلیم نہیں۔ یہ سخت احکام صرف اور صرف محاربین اور دشمنانِ اسلام کے لئے دیئے گئے ہیں۔ امید ہے عمار صاحب کو اسلام کا اصول معلوم ہو گیا ہو گا۔ اگر کسی فقیہہ نے اس کے خلاف لکھا ہے تو چونکہ قرآن اس کی تائید نہیں کرتا تو وہ قول رد ہو جائے گا۔ اپنے مضمون کے آخر میں عمار صاحب نے چند فقہاء کی آراء پیش کی ہیں ان میں سے ایک جاوید احمد غامدی صاحب ہیں چونکہ اصلاً عمار صاحب

کی فکر بھی غامدی صاحب ہی کی فکر کا عکس ہے اس لئے ضروری ہے کہ محترم غامدی صاحب کی فکر کا بھی قرآن کی روشنی میں جائزہ لیا جائے۔ یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ کسی بھی فکر یا شخص پر تنقید اس سے دشمنی کا اعلان نہیں ہوتی بلکہ تنقید اگر حق ہو، تعمیری ہو تو اس سے بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ البتہ کسی بھی شخص کی تنقیص حرام ہے۔ جاوید غامدی صاحب کی فکر سے مکمل اختلاف کے باوجود یہ ماننا لازم ہے کہ وہ بہت شائستہ اور مہذب انسان ہیں انہوں نے مسائل میں اختلاف کرنے کا سلیقہ سکھایا ہے اور اس خاکسار نے تو غامدی صاحب کے سامنے برملا کہا تھا کہ ''آپ ادب کے امام ہیں مگر قرآن میں بے حد کمزور ہیں'' اس طالب علم کی تحقیق کے مطابق سوائے میراث کے مسئلہ ''کلالہ'' کے غامدی صاحب کی کوئی رائے بھی چاہے دین کے ماخذ سے متعلق ہو، سنت کے قرآن پر مقدم ہونے کے بارے میں ہو، جہاد و قتال سے متعلق ہو یا اہل کتاب سے متعلق ہو، تحویلِ قبلہ سے متعلق ہو برزخی زندگی سے متعلق ہو ناسخ و منسوخ سے متعلق ہو شفاعت سے متعلق یا قانون صوم سے متعلق اس قسم کی تمام آراء یکسر غلط ہیں پھر بھی یہ طالب علم ان کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے تنقید کی جسارت کر رہا ہے۔

جاوید احمد غامدی صاحب کا نقطہ نظر

محترم عمار لکھتے ہیں:۔

''گذشتہ سطور میں ہم نے امت مسلمہ کی علمی و فقہی روایت کے بعض ایسے پہلوؤں کا ذکر کیا ہے جن سے واضح ہوتا ہے کہ نبی ﷺ اور آپ کے صحابہؓ نے اپنے دور میں منکرین حق کے خلاف جو قتال کیا اس کی خاص نوعیت اور اس پر مرتب ہونے والے نتائج کو اہل علم کسی نہ کسی زاویے سے عمومی طور پر محسوس کرتے چلے آرہے ہیں۔ تاہم اس بحث کو بالعموم چونکہ فقہی تناظر میں دیکھا گیا اور اس کو نسخ و تخصیص کی فنّی اصطلاحات کے اسلوب میں بیان کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس وجہ سے الجھن برقرار رہی اور ہر دور میں اہل علم اس کے حل کے لئے نئی سے نئی توجیہات پیش کرنے پر مجبور ہوتے رہے۔ اس کے برعکس مولانا حمید الدین فرّاہی نے اس سارے معاملے کو پہلی بار فقہی اصطلاحات کے محدود اور ناکافی دائرے سے نکال کر قرآن مجید میں بیان کردہ سنن الٰہیہ کے دائرے میں رکھ کر سمجھنے کی کوشش کی۔ مولانا نے رسولوں کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کی ایک خاص سنت کو قرآن مجید سے دریافت کیا اور اس کے روبہ عمل ہونے کے مختلف مراحل نصوص کی روشنی میں متعین کئے اس بحث کو

بعد میں ان کے طریقہ پر قرآن مجید پر غور کرنے والے اہل علم مثلاً مولانا امین احسن اصلاحی اور جاوید احمد غامدی نے مزید منقح کیا اور اس کی روشنی میں احکام قتال کی ایک نئی تعبیر پیش کی۔ رسولوں کے باب میں زیر بحث سنت الٰہی کی وضاحت فراہی مکتب فکر کے نمائندہ تینوں اہل علم مولانا فراہی مولانا اصلاحی اور جاوید احمد غامدی نے کی ہے....۔

جناب جاوید احمد غامدی نے اپنی مختلف تحریروں میں عہد نبوی و عہد صحابہ میں جہاد و قتال کے مختلف پہلوؤں پر جو بحث کی ہے اس کا حاصل درجِ ذیل نکات کی صورت میں بیان کیا جا سکتا ہے:-

(1) منصبِ رسالت پر فائز کوئی ہستی جب کسی قوم میں مبعوث کر دی جاتی ہے تو اس فیصلے کے ساتھ کی جاتی ہے کہ رسول اور اس کے پیروکار بہر حال اپنے مخالفوں پر غالب آ کر رہیں گے۔ رسول اللہ کو جزیرہ نما عرب میں مبعوث کیا گیا تو اس سنت الٰہی کے مطابق یہ دوٹوک اعلان کر دیا گیا کہ آپ کی مخالفت کرنے والے تمام مذاہب کے پیروکاروں کے لئے مغلوبیت مقدر ہو چکی ہے

(2) اس غلبے کی حکمتِ عملی میں دعوت و تبلیغ کے ساتھ ساتھ جہاد و قتال بھی ایک لازمی عنصر کے طور پر شامل تھا۔ چنانچہ یہ ہدف ویکون الدین للہ کے الفاظ میں آغاز میں ہی واضح کر دیا گیا تھا۔ البتہ اس وعدے کا ظہور دو مرحلوں میں ہوا۔ جزیرہ عرب کی حد تک تو اس دین کو نبی ﷺ کی زندگی میں غالب کر دیا گیا۔ چنانچہ مدنی عہد نبوت میں غلبہ دین کی جدوجہد مختلف مراحل سے گزرنے کے بعد جب اپنے آخری مراحل تک پہنچی تو باطل ادیان پر دین حق کے غلبہ کی دو صورتیں متعین طور پر واضح کر دی گئیں۔ مشرکین کے لئے تو لازم کیا گیا کہ وہ دائرہ اسلام میں داخل ہو جائیں ورنہ انہیں قتل کر دیا جائے گا۔ جب کہ اہل کتاب کے لئے لازم کر دیا گیا کہ وہ جزیہ دے کر مسلمانوں کی محکومی اور زیر دستی قبول کر لیں۔ جزیرہ عرب سے باہر روم و فارس اور مصر کی سلطنتوں تک اس غلبے کی توسیع کی ذمہ داری صحابہ کرام پر عائد کی گئی جنہیں اس مقصد کے لئے شہادت علی الناس کے منصب پر فائز کیا گیا۔

(3) قانونِ رسالت کی رو سے پیغمبر کی مخاطب اقوام پر مذکورہ سنتِ الٰہی کا نفاذ خدا کے براہ راست اذن سے کیا جاتا ہے اور اس میں انسانوں حتیٰ کہ پیغمبروں کے اجتہادی فیصلوں کا بھی کوئی دخل نہیں ہوتا۔ مزید یہ کہ رسول اللہ اور اس کے پیروکاروں کا یہ

غلبہ پوری دنیا کی قوموں پر نہیں بلکہ ان مخاطبین پر ہوتا ہے جن پر اتمام حجت کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا نافذ کرنے کا اذن اللہ تعالیٰ سے مل جاتا ہے۔اس اصول کے تحت بنی ﷺ اور آپکے متبعین نے جو جہاد کیا وہ غلبہ دین کے اسی وعدے کی تکمیل کے لئے تھا اور انہی اقوام تک محدود تھا جن کے خلاف اقدام کی اجازت اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی تھی اور جن کی تعیین نبی ﷺ نے ان کے سربراہوں کو خطوط لکھ کر دی تھی۔ چنانچہ صدر اول میں نبی ﷺ اور آپ کے پیروکاروں کے ہاتھوں جزیرہ عرب اور روم وفارس کی سلطنتوں پر دین حق کا غلبہ قائم ہو جانے کے بعد غلبہ دین کے لئے جہاد وقتال کے حکم کی مدت نفاذ خود بخود ختم ہو چکی ہے۔

(الشریعتہ صفحہ 302-301)۔

فکرِ غامدی سے متعلق درجِ بالا سطور میں حافظ عمار صاحب نے جو کچھ لکھا اس کا کوئی جزٗ بھی قرآن سے ثابت نہیں ہوتا۔ یہ سب کچھ خلاف قرآن ہے۔ اس سارے اقتباس میں جو عمار صاحب نے لکھا ہے قبل اس کے کہ یہ طالبِ علم اس پر تنقید کر کے اپنے دعویٰ کے اثبات میں دلائل پیش کرے۔ انشاء اللہ۔ ضمناً عرض ہے کہ امام فراہیؒ رسول پر نبی کی فضیلت کے قائل ہیں اس معاملے میں امین احسن اصلاحیؒ اپنے استاذ سے اختلاف کرتے ہیں اور نبی پر رسول کی فضیلت کے قائل ہیں۔ ششماہی علوم القرآن خاص نمبر میں مولانا سلطان احمد لکھتے ہیں "قرآنیات کے مسائل میں ایک مسئلہ نبی اور رسول کے فرق کا بھی ہے.... اس مسئلہ میں بھی امین احسن نے اپنے استاذ مولانا حمید الدین فراہی سے اختلاف کیا ہے اپنے غیر مطبوعہ قرآنی حواشی میں سورہ نساء کی آیات 163-164 کے تحت اس مسئلہ پر بہت تفصیل سے رائے دی ہے امام فراہی لکھتے ہیں "کچھ لوگوں نے رسول و نبی کے درمیان اس طرح فرق کیا ہے کہ رسول صاحبِ شریعت اور نبی اپنے پیش رو کی شریعت کی پیروی کرتا ہے مگر قرآن اس رائے کو بے اصل قرار دیتا ہے" اس کے بعد اپنی ترجیحی رائے وہ اس طرح پیش کرتے ہیں "مجھے ایسا خیال ہوتا ہے کہ رسول وہ ہے جو کسی قوم کے پاس بھیجا جائے گو کہ وہ نبی نہ ہو جیسے عیسیٰؑ کے فرستادے جن کا سورہ یٰس میں تذکرہ ہے۔ رسولوں کے مختلف درجات ہیں۔ ان میں سے کچھ انبیاء اور صاحب شریعت ہوتے ہیں جیسا کہ فرمایا "یہ رسول ہیں جن میں ہم نے ایک کو ایک سے اوپر رکھا ہے۔ ان میں سے کوئی وہ ہے جس نے اللہ سے روبرو گفتگو کی ہے اور دوسرے ہیں جن کو دوسرے پہلوؤں سے بلند رتبہ کیا" بقرہ 253۔ رسولوں میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ کو رکھا ہے اور انہی میں حضرت داؤد کو رکھا ہے جیسا کہ اوپر داؤد اور

طالوت کے ذکر کے بعد فرمایا ہے "تلک الرسل" اور اس سے چند آیات قبل سموئیل کو صرف نبی کہا ہے 'بقرہ 246۔ اسی طرح ہم توراۃ میں دیکھتے ہیں حضرت داؤد کو رسول کہا گیا ہے نبی نہیں کہا گیا۔ بلکہ ان کے نبی دوسرے تھے جو ان کو اللہ کے احکام بتاتے تھے اور وہ ان سے مشورہ کرتے تھے اور ان کا کہا مانتے تھے۔ مزید بر آں ہم قرآن اور اسی طرح توراۃ میں پاتے ہیں کہ وحی رسول یا نبی ہی کے ساتھ خاص نہیں ہے اس لئے کہ موسیٰ کی ماں اور ھاجرہ کو بھی وحی کی گئی ہے۔ اب جب تم کو یہ بات معلوم ہو گئی تو اس یہ بات صاف ہو گئی کہ نبی خدائی منصب کا علم بردار ہوتا ہے جیسا کہ نوح اور دوسرے بہت سے رسولوں کا معاملہ ہے۔ اسی صف میں سموئیل نبی اور حاد بن داؤد آتے ہیں۔ رسول بسا اوقات نبی نہیں ہوتا" بحوالہ امین احسن اصلاحی نمبر-علوم القرآن صفحہ 101 تا103۔ اس کے بعد سلطان احمد اصلاحی لکھتے ہیں "اس گفتگو میں حضرت فراہی کی رائے بالکل صاف ہے کہ وہ رسول پر نبی کی فضیلت کے قائل ہیں اس لئے کہ نبی ہر حال میں صاحب وحی ہوتا ہے جبکہ رسول کا معاملہ اس سے مختلف ہے کہ وہ کبھی صاحبِ وحی ہوتا ہے اور کبھی نہیں"۔ چنانچہ امام فراہی سے امین احسن اصلاحی صاحب نے اس معاملہ میں اختلاف کیا ہے تو اصلاً اس قانون رسالت کی ذمہ داری امین احسن اصلاحی کے سر ہے۔ مزید یہ کہ امین احسن اصلاحی کے متوسلین نے کبھی بھول کر بھی یہ نہیں لکھا کہ ام فراہی نبی و رسول میں فرق کرتے ہیں اور نبی کو رسول سے بڑا مانتے ہیں۔ اس خاکسار کی رائے میں امام فراہی کی رائے ہی درست اور قرآن کے مطابق ہے۔ باقی امین احسن اصلاحی اور غامدی صاحب کا رسول کو اللہ کی عدالت لکھنا وغیرہ سب نثری شاعری ہے اللہ کی کتاب ہی معیارِ حق و باطل ہوتی ہے اسی لیے کتاب اللہ کو نور، فرقان، میزان اور قول فیصل کہا گیا ہے۔ اب فکرِ غامدی پر تبصرہ ملاحظہ فرمایئے۔

امین احسن اصلاحیؒ اور جاوید احمد غامدی صاحب نے پوری شرح و بسط سے قانونِ رسالت بیان کیا ہے اور اس مضمون میں عمار صاحب نے جاوید احمد غامدی صاحب کے نظریہ کو بیان کیا ہے لہذا اس قانون رسالت پر تبصرہ نسبتاً تفصیل کا متقاضی ہے خیال رہے کہ اس طرح کا کوئی قانون قرآن میں ہے ہی نہیں۔

امت کی قریباً ڈیڑھ ہزار سالہ تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ہر دور میں ایک سے بڑھ کر ایک عالم پیدا ہوتے رہے اور ہر بڑے عالم سے غلطیاں بھی بہت بڑی بڑی ہوئیں اللہ تعالیٰ ان تمام مخلص علماء کی مغفرت فرمائے جنہوں نے دین کے لئے محنت کی بعد میں آنے والوں کے لئے ضروری تھا کہ ان کی تحقیق کو قرآن پر پیش کرتے کہ حق و باطل کا معیار قرآن ہی ہے

اور وہی تحقیق قبول کرتے جو تعلیماتِ قرآنیہ کے مطابق ہوتیں۔ مگر افسوس کورانہ تقلید کا کہ بعد میں آنے والوں نے پہلے علماء کی تحقیقات آنکھیں بند کر کے قبول کرلیں اور یوں ایک غلطی ایک مکتبہ فکر کی بنیاد بن گئی۔ یہی حال امام فراہی کا بھی ہے۔ اس طالب علم نے ان کی جو تحریریں پڑھی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بہت سچے اور اچھے محب قرآن بھی تھے اور مفکر بھی۔ ان کا قرآن پر بہت قابلِ قدر کام ہے مگر وہ انسان تھے غیر معصوم تھے جہاں بہت بلند پایہ کام کیا وہیں چند غلطیاں بھی ان سے ہوئیں۔ مثلاً آیات صوم کی تاویل جو انہوں نے فرمائی ہے وہ درست نہیں۔ اب بعد میں امین احسن اور مدرسۃ الاصلاح کے فارغین نے امام فراہی کو اس طرح پیش کیا کہ فکر فراہی ایک نئے فرقہ میں ڈھل گئی۔

امین احسن اصلاحیؒ کی تفسیر پر جلیل احسن ندوی نے بہت فاضلانہ تنقید کی ہے اور دکھایا ہے کہ قرآن کے بہت سے مقامات مولانا امین احسن اصلاحیؒ کو سمجھ نہ آسکے۔ شیخ القرآن محمد علی کاندھلوی نے اپنی تفسیر معالم القرآن میں مولانا امین احسن اصلاحی کا نام لے کر جگہ جگہ تنقید کی ہے اور درست کی ہے۔ خود اس طالب علم نے تفسیر تدبرِ قرآن کے مطالعہ کے دوران بہت زیادہ جگہوں پر اختلافی نوٹ لکھے ہیں۔ مثلاً قانونِ صوم اور قانون طلاق مولاناؒ کو بالکل سمجھ نہ آسکے۔ اسی طرح قانون شفاعت اور قانون وصیت میں بھی فاش غلطیاں کی ہیں۔ مگر اس سب کے باوجود تفسیر تدبرِ قرآن لکھ کر انہوں نے قرآن کی خدمت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی خطاؤں کو معاف فرمائے اور ان کی مساعی کو ان کی مغفرت کا ذریعہ بنائے (آمین) ان کی اچھائیاں ان کی غلطیوں سے یقینا بہت بڑھ کر ہیں۔ اب یہ طالب علم غامدی صاحب کے بیان کردہ تین نکات پر تبصرہ کرے گا۔ وما توفیقی الا باللہ:۔ یہ بات یاد رہے کہ نبی کریم ﷺ کی بعثت جزیرہ عرب میں نہیں بلکہ مکہ میں ہوئی تھی قرآن جزیرہ عرب کی بات ہی نہیں کرتا خود غامدی صاحب بھی یہ بیان کرتے ہیں کہ اہل مکہ کے لئے الگ قانون بیان ہوا ہے کیونکہ رسول اللہ مکہ میں مبعوث ہوئے تھے۔

(1) عمار صاحب نے فکر غامدی کا پہلا نکتہ یہ بیان کیا ہے کہ رسول کے مذہب کے مخالف تمام مذاہب کے پیرو لازماً مغلوب و محکوم ہوں گے۔ اس کے لئے غامدی صاحب اور عمار صاحب نے کوئی صریح آیت تو پیش نہیں کی لیکن سورہ مجادلہ کی آیت 21 سے استدلال یہ حضرات کرتے ہیں۔ اس آیت میں فکری غلبہ کی بات کی گئی ہے نہ کہ مادی غلبہ کی پہلی دلیل تو اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی مادی طور پر نہ تو قتال ہی کر سکتا ہے اور نہ اسے شکست دے سکتا ہے تو اللہ کے غلبہ سے مراد فکری غلبہ ہی ہو

سکتا ہے کہ نہ کہ مادی دوسری دلیل یہ ہے کہ رسول قتل بھی ہوتے رہے ہیں اور یہ مادی مغلوبیت کہ انتہائی دلیل ہے۔ غامدی صاحب اپنے مزعومہ قانون رسالت کی وجہ سے رسولوں کا قتل ہونا نہیں مانتے مگر قرآن میں رسولوں کے قتل ہونے کا ذکر ہے نصوص قرآن سے جب رسولوں کا قتل ہونا ثابت ہے تو پھر صرف فکری غلبہ ہی مراد لیا جا سکتا ہے رسولوں کے قتل ہونے سے متعلق چار آیات یہاں نقل کی جاتی ہیں:-

(1) ''ولقد اٰتینا موسیالکتٰب و قضینا من بعده بالرسل و اٰتینا عیسیٰ ابن مریم البینت و ایدنہ بروح القدس افکلما جاکم رسول بما لا تھویٰ انفسکم استکبرتم ففریقاً کذبتم و فریقاً تقتلون o(البقرۃ87)ہم نے موسی کو کتاب دی اور ان کے پیچھے رسول بھیجے اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو روشن دلیلیں دین اور روح القدس سے ان کی تائید کی۔ لیکن جب کبھی تمہارے پاس رسول وہ چیز لائے جو تمہاری طبیعت کے خلاف تھی تم نے جھٹ سے تکبر کیا۔ پس بعض کو تو جھٹلایا اور بعض کو قتل کر دیا''۔ اس آیت میں سیدنا موسیٰ اور عیسیٰ کا ذکر صریح دلیل ہے کہ بات انہی رسولوں کی ہو رہی ہے جو اللہ کے رسول تھے اور انہی اللہ کے رسولوں میں سے بعض رسولوں کو قتل کر دیا گیا اس آیت میں لغوی یا اصطلاحی رسول کی بحث اٹھانا ہی قرآن سے فرار ہے۔

(2) ''لقد اخذنا............. o(المائدہ70)ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ان کی طرف رسولوں کو بھیجا۔ جب کبھی رسول ان کے پاس وہ احکام لیکر آئے جو ان کی اپنی منشا کے خلاف تھے تو انہوں نے ان کی ایک جماعت کی تکذیب کی اور ایک جماعت کو قتل کر دیا''۔ اس آیت میں بھی رسولوں کے قتل ہونے کا ذکر ہے جسے غامدی صاحب نہیں مانتے ہم جیسے طالب علم اب اس پر کیا تبصرہ کر سکتے ہیں۔

(3) ''الذین قالوا.................... o (آلعمران 183) یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں کہہ دیا ہے کہ کسی رسول کو نہ مانیں جب تک وہ ہمارے پاس ایسی قربانی نہ لائے جسے آگ کھا جائے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم سچے ہو تو مجھ سے پہلے تمہارے پاس جو رسول دیگر معجزوں کے ساتھ یہ بھی لائے جسے تم کہہ رہے ہو تو پھر تم نے کیوں انہیں مار ڈالا''۔ اس آیت میں تصریح ہے کہ محمد رسول اللہ کو جو اہل کتاب جھٹلا رہے تھے انہوں نے آگ والی قربانی کا مطالبہ کیا (یعنی اللہ کے رسول نے اپنی رسالت پر ایمان لانے کی دعوت دی) تو انہیں کہا جا رہا ہے جو رسول (اللہ) سے پہلے تشریف لائے اور

اس قربانی کے ساتھ آئے جسے آگ میں جلایا جائے تو انہیں کیوں قتل کر ڈالا۔ اس آیت میں بھی رسولوں کے قتل ہونے کا ذکر اللہ تعالیٰ کر رہے ہیں جسے غامدی صاحب محض عربیت کے ذوق اور مزعومہ قانون رسالت کی وجہ سے نہیں مان رہے اللہ تعالیٰ ایسی عربیت سے ہم جیسے طالب علموں کو امان میں رکھے جو نصوصِ قرآن کا انکار کروادے۔

(4) ''وما محمد الا رسول............. o(آل عمران 144) محمد صرف رسول ہی ہیں ان سے پہلے بہت سے رسول ہو چکے ہیں کیا اگر ان کا انتقال ہو جائے یا یہ قتل ہو جائیں تو تم اسلام سے ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی پھر جائے اپنی ایڑیوں پر تو اللہ کا کچھ نہ بگاڑے گا۔ عنقریب اللہ تعالیٰ شکر گزاروں کو نیک بدلہ دے گا''۔ اس آیت میں محمد ﷺ کے قتل ہونے کے امکان کو مانا گیا ہے مگر ہمارے دانشور رسولوں کے قتل کے قائل نہیں فیصلہ قارئین پر ہے کہ اللہ کی بات مانیں یا دانشوروں کی۔

اسی طرح یہ دعویٰ بھی سراسر غلط ہے کہ رسول بہر حال اپنی قوم پر غالب آکر رہیں گے اس غلبہ سے مراد صرف فکری غلبہ ہی مراد لیا جاسکتا ہے نہ کہ مادی غلبہ اس سلسلہ میں سیدنا نوحؑ کی مثال بھی ان حضرات کے علم میں نہیں انہیں ان کی قوم میں مبعوث کیا گیا اور نوحؑ مغلوب ہوئے ''رب انی مغلوب فانتصر'' پھر انہوں نے دعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی قوم کو غرق کیا وہ قوم نوحؑ کی محکوم نہ ہوئی اور اس کے بعد نوحؑ بھی اس علاقے میں نہ رہ پائے اور وہ جگہ چھوڑنی پڑی یہی حال قوم لوط کا بھی ہوا۔ قوم ثمود اور قوم عاد کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ اچنانچہ محترم غامدی صاحب کے دعویٰ کی کوئی دلیل قرآن میں نہیں واضح رہے ان تمام رسولوں کی اقوام کو قانون رسالت کی وجہ سے نہیں بلکہ گناہوں کی وجہ سے ڈبویا گیا۔

(2) دوسرا نکتہ فکر غامدی کا یہ بیان کیا گیا ہے کہ'' اس غلبے کی حکمتِ عملی میں دعوت و تبلیغ کے ساتھ ساتھ جہاد و قتال بھی لازمی عنصر کے طور پر شامل تھا۔ چنانچہ یہ ہدف ویکون الدین للہ کے الفاظ میں آغاز میں ہی واضح کر دیا گیا تھا....''۔

اس دعویٰ کی کوئی دلیل عمار صاحب نے پیش نہیں کی۔ وہ اس لئے کہ قرآن میں اس کی کوئی دلیل ہے ہی نہیں رسول اللہ کی حیثیت قرآن نے داعی، واعظ، مبلغ، مبشر، منذر، شاہد، معلم تو بتائی ہے مگر قتال و غلبہ دین کے حوالے سے کوئی حیثیت قرآن میں بیان ہی نہیں ہوئی۔ جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا جا چکا قرآن میں جہاد لڑنے کے معنوں میں آیا ہی نہیں وحید الدین خاں

صاحب کے الفاظ میں جہاد انتہائی پر امن عمل کا نام ہے۔ لفظ جہاد کی مکمل بحث کے لئے مولوی چراغ علیؒ کی کتاب The Critical Composition of Popular Jihadاور مولانا عبدالکریم اثری کی کتاب "جہاد کیا ہے" کا مطالعہ مفید رہے گا۔ لڑنے کے لئے قرآن میں قتال اور حرب جیسے الفاظ آئے ہیں۔ محترم غامدی صاحب نے غور نہ کیا کہ ویکون الدین للہ سورہ بقرہ کی 193 آیت میں جہاں آیا ہے وہاں غلبہ دین کی تو کوئی بات ہی نہیں ہو رہی بلکہ آیت 190 سے بات یہ کہہ کر شروع کی گئی ہے کہ ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں۔ اس جملے نے متعین کر کے بتا دیا کہ یہ جنگ ایک تو مدافعت میں تھی دوسرے صرف مکہ سے اہل شرک کو بے دخل کرنا مقصدِ جنگ بتایا گیا ہے نہ کہ پورے عرب سے مشرکین کو نکالنا۔ تیسری بات یہ ہے کہ دین کو غالب کرنا نہ کسی نبی کی ذمہ داری قرآن نے بتائی اور نہ کسی رسول کی سورہ توبہ اور سورہ صف میں غلبہ دین کی آیات سے ایک آیت پہلے یعنی سورہ توبہ آیت 32 اور سورہ صف آیت 8 میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذمہ داری بتائی ہے کہ اپنے نور کا اتمام اللہ تعالیٰ خود کریں گے۔ تو دین کو غالب کرنے کی ذمہ داری تو اللہ کی ہوئی اور یہ دین غالب کس طرح ہوا؟ لکھا جا چکا کہ اس غلبہ سے مراد غلبہ اسلام ہے مسلمانوں کے غلبہ کا ان آیات سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ بات قابل غور ہے کہ علی الدین کلہ سے فکرِ غامدی عرب میں غلبہ مانتی ہے اور وہ بھی حیاتِ رسول اللہ تک۔ یہ اس آیت صف 9، توبہ 33 اور فتح 28 کی غلط شرح ہے اس آیت میں کل دنیا کے تمام ادیان پر اسلام کا فکری غلبہ جو قرآن کی شکل میں ہے مراد ہے اور محض دورِ رسالت یا صحابہ تک نہیں بلکہ یہ غلبہ قیامت تک رہے گا (انشاء اللہ)۔ محترم غامدی صاحب غور کر سکیں تو انہیں معلوم ہو گا کسی دین کا دیگر ادیان پر مادی غلبہ ہو ہی نہیں سکتا مادی غلبہ انسانوں کا انسانوں پر ہو سکتا ہے ان آیات میں غلبہ دین کی خبر دی گئی ہے نہ کہ غلبہ مومنین کی۔

عمار صاحب نے موقف محترم غامدی آگے یوں بیان کیا ہے "البتہ اس وعدے کا عملی ظہور دو مرحلوں میں ہوا۔ جزیرہ عرب کی حد تک تو اس دین کو خود نبی ﷺ کی زندگی میں غالب کر دیا گیا چنانچہ مدنی عہدِ نبوت میں غلبہ دین کی جدوجہد مختلف ادوار سے گزرنے کے بعد جب اپنے آخری مراحل میں پہنچی تو باطل ادیان پر دین حق کے غلبہ کی دو صورتیں متعین کر دی گئیں۔ مشرکین کے لئے تو لازم کر دیا گیا کہ وہ دائرہ اسلام میں داخل ہو جائیں ورنہ انہیں قتل کر دیا جائے گا (العیاذ باللہ یہ ہیں ہمارے اسلام کے دانشور)، جبکہ اہل کتاب سے کہا گیا کہ وہ جزیہ دے کر مسلمانوں کی محکومی اور زیر دستی قبول کر لیں۔ جزیرہ عرب سے

باہر روم و فارس اور مصر کی سلطنتوں تک اس غلبے کی توسیع کی ذمہ داری صحابہ کرام پر عائد کی گئی جنہیں اس مقصد کے لئے شہادت علی الناس کے منصب پر فائز کیا گیا۔

قارئین یہ وہی نثر میں شاعری ہے جو عمار صاحب بھی کرتے چلے آرہے ہیں اور ان کے شیخ غامدی صاحب تو اس فن میں یدِ طولیٰ رکھتے ہی ہیں۔ اس پیراگراف میں متضاد باتیں کہی گئی ہیں پہلے تو یہ کہا کہ رسول اللہ کا ہدف دین کو غالب کرنا تھا اگلی سطر میں کہا گیا "اس وعدے کا عملی ظہور" تو اگر یہ وعدہ تھا تو ہدف کیسے ہو گیا اور اگر ہدف تھا تو وعدہ کیسے ؟ اس ناچیز کی رائے میں غلبہ دین والی آیت میں کوئی وعدہ کیا گیا ہے اور نہ ہی کوئی ہدف بیان ہوا ہے بلکہ ان دونوں باتوں کے برعکس خبر دی گئی ہے۔ پھر آگے لکھا ہے "جزیرہ عرب میں دین رسول اللہ کی زندگی میں غالب کر دیا گیا" ان حضرات کو سمجھ نہیں آرہی، نے بتا دیا کہ فکرِ غامدی کتنے تضادات کا شکار ہے۔ اس جملہ سے واضح ہے کہ یہ غلبہ اللہ تعالیٰ نے کیا، یہ کر دیا گیا، یہی بات یہ خاکسار کہہ رہا ہے۔

پھر یہ جملہ بولتے لکھتے وقت ان علماء کو اللہ سے ڈر نہیں لگتا کہ "مشرکین پر لازم کر دیا گیا کہ وہ دائرہ اسلام میں داخل ہو جائیں ورنہ انہیں قتل کر دیا جائے گا" سبحٰنک ھذا بھتان عظیم، کیا ایسا ممکن ہے کہ کسی بھی ایک انسان کو تلوار کے زور سے دلی طور پر با ایمان مسلمان بنایا جائے ؟ کیا رحمتِ عالم ﷺ نے کبھی کسی ایک انسان کو بھی جبراً مسلمان بنایا؟۔ یہ طالب علم شیخ القرآن محمد علی کاندھلویؒ کی رائے نقل کر آیا ہے جو انہوں نے آیاتِ قرآن کی تفسیر میں نقل کی ہے کہ ایسا ہونا نہ ہی ممکن ہے اور نہ ہی رسول اللہ نے کبھی کسی کو جبراً مسلمان بنایا۔ سورہ توبہ کی آیت نمبر 5 کی فہم میں محترم جاوید احمد غامدی صاحب کو سخت مغالطہ ہوا ہے۔ ان کا زبان وبیان کے اسالیب اور ذوقِ عربیت پر بے جا اعتماد تدبّر قرآن میں مانع ہے اور انہیں احساس تک نہیں۔ بہر حال یہ طالب علم سورہ توبہ کی آیت کی شرح میں پانچ مفسرین کی آراء نقل کر آیا ہے اور اس مقام پر سبھی نے اہلِ مکہ کے لئے تین اختیار مانے ہیں (1) چار ماہ کی مہلت میں مکہ سے چلے جائیں تو ان کی جان بچ جائے گی۔ (2) مکہ میں رہنا ہے تو اسلام قبول کر کے ہی رہا جا سکتا ہے۔ (3) یہ دونوں باتیں قبول نہیں تو پھر حالتِ جنگ تصوّر کی جائے گی اور ان سے قتال کیا جائے گا۔ مگر محترم غامدی صاحب مکہ سے جانے والے اختیار کو نہیں مانتے تو اللہ تعالیٰ سے دعا ہی کی جا سکتی ہے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ مکہ سے چلے جانے کی صورت میں انہیں زندہ رہنے اور عرب میں رہنے کا حق دے رہے ہیں۔ (1) سورہ توبہ کی آیت 28 میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو مسجدِ حرام کے پاس آنے سے روکا ہے نہ کہ عرب میں رہنے سے یہ اتنی صاف اور واضح بات بھی ہمارے

دانشوروں کو سمجھ نہ آسکی تو اس میں بھلا کس کا قصور ہے۔ اسی پیرا گراف میں عمار صاحب نے ایک اور بات بنا غور کیے لکھی ہے کہ عرب سے باہر دین کے غلبے کی ذمہ داری روم و فارس اور مصر میں صحابہ کرام پر ڈالی گئی۔ توبہ آیت 6 میں انہی مشرکین کو کلام اللہ سنانے کے بعد جائے امن پر پہنچانے کا مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے جو دلیل ہے کہ مشرکین کو شرک پر قائم رہتے ہوئے زندہ رہنے کا حق اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔

مقامِ حیرت ہے کہ روم پر تو کوئی غلبہ ہوا ہی نہیں تھا رومیوں کو شام سے صحابہ کرام نے نکالا تھا مگر روم پر کون سا غلبہ اور کیسا غلبہ ؟۔ محترم عمار صاحب نے اس سے ملتی جلتی بات ایک حدیث کے حوالے سے صفحہ 148 پر بھی لکھی ہے اور ترجمہ میں معنوی تحریف کے مرتکب ہوئے ہیں۔ بخاری کی حدیث نقل کر کے لکھتے ہیں" اذا ھلک کسریٰ فلا کسریٰ بعد ہ واذاھلک قیصر فلا قیصر بعدہ۔ والذی نفسی بیدہ لتنفقن کنوز ھما فی سبیل اللہ۔(بخاری رقم ۲۸۸۸) " ترجمہ جو عمار صاحب نے کیا"نبی ﷺ نے فرمایا جب کسریٰ ہلاک ہو جائے گا تو اس کے بعد کوئی دوسرا کسریٰ پیدا نہیں ہو گا اور جب قیصر کی حکومت (شام کے علاقے سے) ختم ہو جائے گی تو دوبارہ کبھی قائم نہیں ہو گی۔ اور اللہ کی قسم دونوں کے خزانے اللہ کے راستے میں خرچ کیے جائیں گے"۔

اس روایت کا غلط ہونا اس کے متن ہی سے ظاہر ہے قیصر کے ہلاک ہونے کے بعد بھی قیصر ہوتے رہے اور رومیوں کی حکومت بھی قائم رہی اس لئے محترم عمار صاحب نے بجائے اس روایت کو غلط کہنے کے اس کے ترجمہ کو ہی بدل دیا۔ اس طالب علم کو نہیں معلوم اذاھلک قیصر فلا قیصر بعدہ کا معنیٰ کس عربی کے تحت"جب قیصر کی حکومت ختم ہو جائے گی (شام کے علاقے سے) تو دوبارہ کبھی قائم نہیں ہو گی" کیا ہے۔ معاف کیجئے گا یہ ترجمہ تحریف کی حد تک غلط ہے اور اس روایت سے ہی فیصلہ ہو جاتا ہے کہ روایت تو ہے ہی جھوٹی، خلاف واقعہ اور اس کو پیش کر کے فکر غامدی نے ظلم کیا ہے۔ یہ ہے ہمارے اربابِ علم کا ذوقِ عربیت اور دیانت و انصاف۔

(3) تیسرا نکتہ فکرِ غامدی کے حوالے سے عمار صاحب نے بیان کیا ہے کہ رسول اور اس کے پیرو کاروں کا غلبہ پوری دنیا کی قوموں پر نہیں بلکہ ان مخاطبین پر ہوتا ہے جن پر اتمام حجت قائم ہو جانے کے بعد ان لوگوں کو سزا نافذ کرنے کا اذن مل جاتا

ہے......، تاریخ کے صدر اول میں نبی ﷺ اور آپ کے پیروکاروں کے ہاتھوں جزیرہ عرب پر اور روم وفارس کی سلطنتوں پر دین حق قائم ہو جانے کے بعد غلبہ دین کے لئے جہاد و قتال کے حکم کی مدت نفاذ خود بخود ختم ہو چکی ہے'' الشریعتہ ص302۔

یہ کہنا کہ رسول اور اس کے پیروکاروں کا غلبہ پوری دنیا پر نہیں بلکہ ان مخاطبین پر ہوتا ہے جن پر اتمام حجت ہونے کے بعد ان پر سزا نافذ کرنے کا اختیار مل جاتا ہے، قرآن میں نہ صرف اس کی کوئی دلیل موجود نہیں بلکہ قرآن کے منہ میں اپنی بات ڈالنے کے مترادف ہے قرآن میں رسول اللہ کو تمام دنیا کے انسانوں کے لئے رسول کہا گیا ہے ''قل یاایھاالناس انی رسول اللہ الیکم جمیعاo (اعراف آیت 158) یہ بات پورے قرآن میں صرف محمد رسول اللہ کے لئے ہی آئی ہے تو مخاطبین رسول لے لئے کوئی بھی قانون دعوت و اتمام حجت کے حوالہ سے کم از کم قرآن سے پیش کیا ہی نہیں جا سکتا۔ اگر دین کو غالب کرنا، کفر و شرک مٹانا مقصدِ بعثتِ رسول ہے تو پھر ساری دنیا کے تمام انسانوں سے کفر و شرک کو ختم کرنا اور تمام دنیا پر دین کو غالب کرنا (یعنی مسلمانوں کو) خود رسالتمآب کی ذمہ داری بنتی تھی صرف شام، ایران اور مصر کے حکمرانوں پر ہی یہ کر مفرمائی کیوں؟ فکرِ غامدی کا منطقی نتیجہ تو یہ ہونا چاہئے تھا کہ رسول اور اصحابِ رسول تمام دنیا (معلوم یا نامعلوم) کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیتے۔ ویسے بھی یہ قانون ابتداً اہل مکہ کے لئے، پھر جزیرہ عرب کے لئے پھر اہل کتاب کے لئے اور پھر چلتا چلتا ایران و مصر اور روم کے لئے بیان کیا جا رہا ہے اور قرآن کی آیات مثلاً لا اکراہ فی الدین، افانت تکرہ الناس حتیٰ یکونوا مومنین جیسی آیات کا خوبصورت الفاظ کا سہارا لے کر انکار کیا جا رہا ہے اور ایسی ایسی تاویلات کی جا رہی ہیں جو آج تک کسی اہل علم کو نہ سوجھیں۔ اللہ سے دعا ہے ہمیں قرآن سمجھنے کی توفیق عطا ہو (آمین)۔ اقبال نے درست کہا کہ وے تاویل شاں در حیرت انداخت---خدا و جبرائیل و مصطفٰی را۔

جیسے کہ تفصیلاً اس فکر کی غلطی وضاحت سے پیش کی جا چکی ہے اس نکتہ کی تردید بھی سابقہ تنقید میں موجود ہے۔ مکرر عرض ہے رسول اور اس کے پیروؤں کے غلبہ سے متعلق قرآن میں کوئی آیت نہیں ہے۔ غلبہ دین سے متعلق جو تین آیات توبہ 33، صف 9 اور فتح 28 قرآن میں ہیں ان سے مسلمانوں یا رسول یا نبی کا غلبہ نہ مراد ہے اور نہ ہی آیات کے الفاظ اس کے متحمل ہیں۔ ان آیات میں اسلام یعنی قرآن کے غلبہ کی بات ہے۔ اس طالب علم نے اس کی مکمل تفسیر لکھ دی ہے۔ نوحؑ کی مثال بھی اس طالب علم نے بطور دلیل پیش کی ہے۔ اب سیدنا موسیٰ اور ان کی قوم کی دلیل بھی دیکھ لیں۔ موسیٰؑ نے فرعون کو دعوت دی وہ

بنی اسرائیل پر ظلم کرنے سے باز نہ آیا۔ موسیٰ علیہ السلام جب بنی اسرائیل کو اس کے ظلم سے بچانے کے لئے لیکر نکلے تو وہ بنی اسرائیل کو قتل کرنے کے ارادہ سے فوج لیکر نکلا تو اسے برے عذاب (سوالعذاب، المومن 45) میں پکڑ لیا گیا۔ اس کے بعد دیکھئے سیدنا موسیٰ کی قوم (جس پر اتمام حجت بہ اصول غامدی صاحب ہو چکی تھی) انہوں نے موسیٰؑ کی بات نہ مانی تو سیدنا موسیٰ اور ان کے چند ساتھی بھی ان نافرمان بنو اسرائیل کے ساتھ وادی تیہ میں چالیس سال بھٹکتے رہے اور اسی حالت میں سیدنا موسیٰؑ فوت ہو گئے۔ غامدی صاحب اور عمار صاحب بتائیں موسیٰؑ تو اپنے پیروکاروں پر بھی غالب نہ آئے چہ جائیکہ پوری قوم۔ قرآن میں سیدنا موسیٰ کی مکمل روداد تفصیل سے بیان ہوئی ہے۔ ہم صفحاتِ گذشتہ میں حوالہ جات پیش کر آئے ہیں۔ یہاں فرعون کو عذاب کی وجہ خود قرآن نے بیان کر دی ہے سورہ نازعات کی آیات 17 تا 26 ملاحظہ فرمائیے ''اذھب الی فرعون انہ طغیo فقل ھل لک الیٰ ان تزکیٰo واھدیک الی ربّک فتخشیٰo فاراہ الایۃ الکبریٰo فکذب وعصیo ثم ادبر یسعیٰo فحشر فنادٰیo فقال انا ربکم الاعلیٰo فاخذہ اللہ نکال الاخرۃ والاولیٰo ان فی ذلک لعبرۃً لمن یخشیٰo (النّزٰعٰت (26-17'' (اور حکم دیا) کہ فرعون کے پاس جاؤ وہ سرکش ہو رہا ہے اور اسے کہو کیا تو پاک ہونا چاہتا ہے اور میں تیرے رب کا راستہ بتاؤں تا کہ تجھ کو خوف پیدا ہو۔ غرض (موسیٰ) انہوں نے اسے بڑی نشانی دکھائی۔ مگر اس نے جھٹلایا اور نہ مانا۔ پھر لوٹ گیا اور تدبیریں کرنے لگا اور کہنے لگا میں سب سے بہتر رب ہوں۔ تو اللہ نے اسے دنیا اور آخرت کے عذاب میں پکڑ لیا۔ جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اس کے لئے اس قصہ میں عبرت ہے''۔

اور بنی اسرائیل یعنی قوم موسیٰ پر دنیا میں عذاب کی وجہ یہ بتائی ہے جس سے قانون رسالت پارہ پارہ ہو جاتا ہے ''واذ قلتم یٰموسیٰ لن نصبر علیٰ طعام و احد فادع لنا ربک یخرج لنا مما تنبت الارض من بقلھا وقثا ئھا وفومھا وعدسھا و بصلھا قا ل اتستبدلون الذی ھو ادنیٰ با لذی ھو خیر اھبطوا مصرا فان لکم ما سالتم و ضربت علیھمالذلۃ والمکنۃ و باء و بغضب من اللہ ذلک بانہم کانو کفرون بأیٰت اللہ ویقتلون النبین بغیر الحق ذلک بما عصو و کانو یعتدونo(البقرہ61)اور جب تم نے کہا موسیٰ ہم سے ایک ہی کھانے پر صبر نہیں ہو سکتا تو اپنے رب سے دعا کیجئے کہ ترکاری اور ککڑی اور گیہوں اور مسور اور پیاز جو زمین سے پیدا ہوتی ہیں ہمارے لئے پیدا کر دے انہوں نے کہا بھلا عمدہ چیزیں چھوڑ کر ان کے بدلے ناقص چیزیں کیوں چاہتے ہو (اچھا اگر یہی چاہتے ہو تو) کسی شہر میں جاؤ تو جو مانگتے ہو وہاں مل جائے گا۔ اور آخر کار ذلت ورسوائی اور محتاجی ان

سے چمٹ گئی اور وہ اللہ کے عذاب میں گرفتار ہو گئے۔ یہ اس لئے کہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے اور اس کے نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے۔ یہ اس لئے کہ نافرمانی کئے جاتے اور حد سے بڑھ جاتے تھے"۔

اس آیت میں جناب غامدی صاحب کے بیان کردہ قانونِ رسالت اور ان کی تمام باتوں کا جواب موجود ہے کہ رسولوں کے پیرو اپنی قوم پر غالب آتے ہیں اور نافرمانوں کو سزا کا اختیار مل جاتا ہے اس آیت میں عذاب کی وجہ اللہ کی آیات کا انکار اور انبیاء کو ناحق قتل کرنا بتایا گیا ہے۔ محترم غامدی صاحب کے خلاف یہاں دو دلیلیں ہیں (1) انبیاء کو قتل کرنا (یہاں رسولوں کا ذکر نہیں) (2) حد سے بڑھ جانا۔ یعنی مجرد کفر یا شرک وجہ عذاب نہیں بلکہ قتل انبیاء اور سرکشی عذاب کی وجہ تھی۔

اسی طرح سورہ مائدہ میں بھی غامدی صاحب کی فکر کی مکمل تردید اس طرح آئی ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے مقدس ارض میں داخل ہونے کا کہا تو انہوں نے صاف انکار کر دیا کہ تم اور تمہارا رب جا کر لڑو ہم یہیں بیٹھے ہیں۔ دیکھیں سورہ مائدہ آیات 21 تا 24 اس کے بعد ہے "وقال رب انی لا املک الا نفسی واخی فافرق بیننا و بین القوم الفٰسقین o قلا فانها محرمة علیهم اربعین سنة یتیهون فی الارض فلا تاس علی القوم الفٰسقین (مائدہ 25-26) موسیٰ نے اپنے رب سے کہا پروردگار میں اپنے اپنے بھائی کے سوا اور کسی پر اختیار نہیں رکھتا تو ہم میں اور ان نافرمان لوگوں میں جدائی ڈال دے۔ اللہ نے فرمایا وہ ملک ان پر چالیس برس تک کے لئے حرام کر دیا گیا ہے وہ بھٹکتے رہیں گے تو ان نافرمان لوگوں کے بارے میں ہم سے سوال نہ کر"۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ نہ رسول اپنے پیروؤں پر غالب آئے اور نہ ہی پیروؤں کو سزا دینے کا اذن ملا نہ ان پر یکدم عذاب آسمانی آیا بلکہ چالیس سال خود رسول اللہ کو ان کے ساتھ ہی مصائب و مشکلات برداشت کرنا پڑے۔ اسی لئے اس طالب علم کی رائے ہے کہ غامدی صاحب نثر میں شاعری فرماتے ہیں قرآن میں ان کے لئے کوئی دلیل نہیں۔

قرآن اس معاملے میں صریح ہے کہ نافرمان قوم بنی کی مخالفت کرے یا رسول کی یا مصلحین کی اسے عذاب دیا جاتا ہے مگر یہ عذاب بھی صرف کفر کی وجہ سے نہیں دیا جاتا بلکہ ظلم و زیادتی اور سرکشی کی وجہ سے دیا جاتا ہے سورہ اعراف میں یہ قانون رسالت اس طرح ٹوٹ جاتا ہے "وما ارسلنافی قریة من نبی الا اخذنا احلاها بالباساء والضراء لعلهم یضرعون o (الاعراف 94) اور ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی نہیں بھیجا کہ وہاں کے رہنے والوں کو ہم نے سختی اور

تکلیف میں نہ پکڑا ہوتا کہ وہ گڑ گڑائیں"۔ اگلی آیت یوں ہے "ثم بدلنا مکان السیئۃ الحسنۃ حتیٰ عفوا و قالوا قد مسّ اٰباء نا الضراءُ والسراءُ فاخذ نہم بغتۃ وھم لایشعرون o (الاعراف 95) اور پھر ہم نے اس بدحالی کی جگہ خوش حالی بدل دی یہاں تک کہ ان کو خوب ترقی ہوئی اور کہنے لگے ہمارے آباواجداد کو بھی تنگی اور راحت پیش آئی تھی تو ہم نے انہیں اچانک پکڑ لیا اور ان کو خبر بھی نہ تھی"۔

ان دو آیات میں نبیوں کے حوالے سے وہی قانون بیان ہوا ہے جو غامدی صاحب رسولوں کے حوالے سے بیان فرماتے ہیں مقام حیرت ہے کہ غامدی صاحب اور ان کے تلامذہ اس مقام پر ارسلنا سے رسول بنا کر بھیجنا مراد لیتے ہیں جس کی عربیت کی رو سے کوئی گنجائش نہیں مقام حیرت ہے کہ بجائے اپنی غلطی ماننے کے الٹا آیت کا صحیح ترجمہ کرنے والوں کو زبان و بیان کے اسالیب سے عدم واقفیت کا طعنہ دیتے ہیں۔ خاکسار عرض کرتا ہے لفظ ارسلنا کا معنٰی کسی بھی قسم کی عربی میں " رسول بنا کر بھیجنا نہیں آتا" بلکہ اس لفظ کا سادہ سا معنٰی بھیجنا ہے پھر قرآن میں کئی جگہوں پر لفظ رسول کے ساتھ ارسلنا بھی الگ سے آیا ہے جو دلیل ہے کہ لفظ ارسلنا میں رسول بنانے کا مفہوم پوشیدہ نہیں چند قرانی حوالہ جات ملاحظہ ہوں۔ تین آیات سورہ صف آیت 9 سورہ توبہ 33 اور سورہ فتح آیت 28 میں ارسل کے ساتھ لفظ رسول آیا ہے دو جگہ ارسلت کے ساتھ لفظ رسول آیا ہے۔ سورہ یوسف آیت 31 اور سورہ قصص آیت 47 1 پندرہ آیات سورہ بقرہ 151 سورہ نسائی 64 سورہ مائدہ آیت 70 سورہ رعد آیت 38 سورہ ابراہیم آیت 4 سورہ بنی اسرائیل آیت 77 سورہ حج آیت 52 سورہ مومنون آیت 32 اور 44 سورہ فرقان آیت 20 سورہ روم آیت 47 سورہ مومن آیت 70 اور 78 سورہ حدید آیت 25 اور سورہ المزمل آیت 15 میں لفظ ارسلنا کا لفظ رسول الگ سے آیا ہے اور ایک جگہ سورہ نساء آیت میں لفظ ارسلنک کے ساتھ لفظ رسول آیا ہے۔ یہ کل 21 مقامات ہیں جہاں لفظ رسول کے ساتھ الگ سے ارسلنا آیا ہے جو دلیل ہے کہ لفظ ارسلنا میں رسول کا مفہوم شامل نہیں ہوتا ہے۔ اللہ کی کتاب قول فیصل ہے اور اس نے ہمیں دانشوروں کی عربیت سے بے نیاز کر دیا ہے۔ چنانچہ لفظ ارسلنا کے بارے میں غامدی صاحب کو اپنے علم و فضل کے باوجود بھاری مغالطہ ہوا ہے اور ان کی "عربیت" نے انہیں دھوکہ دیا ہے۔ ایسے ہی سورہ زخرف کی آیات سے محترم غامدی صاحب کا قانونِ رسالت ٹوٹ جاتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے "وکم ارسلنا من نبی فی الاولین o وما یاتیھم من نبی الا کانوا بہ یستھزء ون o فاھلکنا اشد منھم بطشاً و مضیٰ مثل الاولین o (الزخرف 6 تا 8) اور ہم نے پہلے لوگوں میں بھی نبی بھیجے اور کوئی نبی ان کے پاس نہیں آتا تھا مگر وہ اس سے تمسخر

کرتے تھے۔ توجو ان میں سخت زور والے تھے انہیں ہم نے ہلاک کر دیا اور اگلے لوگوں کی حالت گزر گئی"۔ ان آیات میں بھی وہ قانون رسالت ٹوٹ جاتا ہے جو یہ لوگ بیان کر رہے ہیں۔ ان آیات میں قابل غور بات یہ ہے کہ آیت 6 میں نبی کے ساتھ ارسلنا کا لفظ ہے جسے غامدی صاحب رسول بنا کر بھیجنا سمجھتے ہیں مگر آیت 7 میں تو صرف نبی کا ذکر ہے ارسلنا کا نہیں اور آیت 8 میں انہی نبیوں کے استھزاء کی وجہ سے قوموں پر عذاب کا ذکر ہوا ہے۔

سورہ اعراف میں نہ رسولوں کا ذکر ہے اور نہ نبیوں کا وہاں تو صرف چند مخلص صالحین کا ذکر ہے جنہوں نے اپنی قوم کو گناہوں سے روکا جب قوم نہ مانی تو اسے عذاب نے پکڑ لیا اس طرح وہ قانون نہ رسولوں کے لئے خاص رہا اور نہ نبیوں کے لئے۔ بلکہ قرآن ہماری راہنمائی کر رہا ہے جب بھی اور جہاں بھی جن نیکو کاروں کے ساتھ ظلم و زیادتی کی گئی اور اسی قوم نے جب سرکشی اور گناہ آلود زندگی اختیار کی انہیں عذاب نے آپکڑا آیات ملاحظہ ہوں:

"وسئلھم عن القریۃ التی کانت حضرۃ البحر اذیعدون فی السبت اذ تاتیھم حیتا نھم یوم سبتھم شرعا و یوم لایسبتون لا تاتیہم کذٰلک نبلو ھم بما کانو یفسقون Oواذ قالت امۃ منھم لم تعظون قوما اللہ مھلکھم او معذبھم عذابا شدیدا قا لو معذرۃ الیٰ ربکم ولعلھم یتقونO فلما نسوا ما ذکروا بہ انجینا الذین ینھون عن السوء واخذنا الذین ظلمو بعذاب بعیس بما کانوا یفسقونO (اعراف 163 تا 165) آپ ان لوگوں سے دریائے (شور) کے کنارے رہنے والے ان بستی والوں کا حال پوچھیے جب وہ ہفتہ وار عبادت کے بارے میں حد سے بڑھ رہے تھے۔ جب کہ سبت والے دن تو مچھلیاں ان کے سامنے ظاہر ہو ہو کر سامنے آتی تھیں اور جب یوم سبت نہ ہو تو ان کے سامنے نہ آتیں تھیں ہم ان کی اس طرح پر آزمائش کرتے تھے اس سبب سے کہ وہ بے حکمی کیا کرتے تھے۔ اور جب کہ ان میں سے ایک جماعت نے یوں کہا کہ تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کرتے ہو جن کو اللہ ہلاک کرنے والا ہے یا انہیں سخت سزا دینے والا ہے انہوں نے جواب دیا کہ تمہارے رب کے روبرو عذر کرنے کے لئے اور اس لئے کہ شائد ڈر جائیں۔ سو جب وہ اس کو بھول گئے جو انہیں سمجھایا جاتا تھا تو ہم نے انہیں تو بچا لیا جو اس بری عادت سے منع کیا کرتے تھے اور ان لوگوں کو جو زیادتی کرتے تھے ایک سخت عذاب میں پکڑ لیا اس وجہ سے کہ وہ بے حکمی کیا کرتے تھے"۔

یہاں ایک قوم کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمان تھی اس قوم کو اسی کے ہم قوم کچھ لوگوں نے اللہ کی نافرمانی سے منع کیا(یعنی نہی عن المنکر) وعظ و نصیحت سے نہ کہ بذریعہ تلوار جب وہ نافرمان قوم نہ مانی تو انہیں عذاب نے آگھیرا۔ نہ کوئی قانونِ رسالت رہا اور نہ کوئی قانونِ انبیاء۔ قرآن ہر نافرمان قوم پر عذاب کی خبر دے رہاہے اور ہمارا ایمان ہے کہ قرآن ہی حق ہے۔ جیسا کہ امام فراہی کے حوالے سے لکھا جاچکاہے کہ نبی کا لفظ خاص ہے اور رسول کا عام۔ سورہ یوسف آیت 50 میں رسول کا لفظ بادشاہ کے قاصد کے لئے اور سورہ حج آیت 75 میں ملائکہ کے لئے استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ ہمارے طرف سے محترم عمار صاحب اور محترم غامدی صاحب کے قانونِ رسالت کے خلاف یہ بھی ایک دلیل ہے کہ جب رسول خاص ہیں ہی نہیں تو ان کے لئے قرآن میں کوئی خاص قانون بھی الگ سے بیان ہی نہیں ہوا۔ ہمارے یہ دوست امین احسن اصلاحیؒ کو اتنا بڑا جان بیٹھے کہ انہیں معصوم سمجھ لیا جبکہ درحقیقت یہ ان کی صریح خطا تھی اللہ تعالیٰ ان کی تمام خطاؤں کو معاف فرمائے (آمین)۔ اور انہیں ان کے اچھے کاموں اور قرآن کی جو خدمت انہوں نے انجام دی اس کے صلہ میں اجرِ عظیم سے نوازے (آمین)۔

محترم عمار صاحب مزید لکھتے ہیں "چنانچہ اسلامی صدر اول میں نبی ﷺ اور آپ کے پیروکاروں کے ہاتھوں جزیرہ عرب اور روم و فارس کی سلطنتوں پر دین حق کا غلبہ قائم ہونے کے بعد غلبہ دین کے لئے جہاد و قتال کے حکم کی مدت نفاذ خود بخود ختم ہو چکی ہے" (الشریعۃ صفحہ 302)۔

یہ طالبِ علم عرض کرتا ہے کہ یہ لائنیں لکھ کر عمار صاحب نے ثابت کر دیا ہے کہ غامدی صاحب کو اس قانون کے بیان کرنے میں کلّی طور پر غلطی ہوئی ہے صحابہ کرام نے روم پر کبھی مادی غلبہ حاصل نہ کیا۔ عیسائیوں کو جو روم کے زیرِ اثر تھے شکست ہوئی اور وہ روم چلے گئے روم میں ان کا اقتدار قائم رہا قیصر کے ہلاک ہونے کے بعد دوسرے قیاصرہ ہوتے رہے دوسرے یہ کتنی نادانی کی بات ہے کہ دین کا یہ غلبہ صرف روم و ایران پر مانا جائے جب کہ قرآن تو تمام دنیا کے ادیان پر اسلام، دینِ حق کے غلبہ کی خبر دے چکا۔ یہ طالب علم تفصیل سے غلبہ دین سے متعلق تینوں آیات پر تبصرہ کر چکاہے اگر عمار صاحب کو اب بھی ہم سے اختلاف ہو تو پھر وہ ۔ نور۔ الھدیٰ اور دینِ حق کی تشریح سے متعلق ہمارے دلائل کی غلطی بتائیں اور درجِ بالا تمام الفاظ کو مسلمانوں پر منطبق کر کے دکھائیں۔ ایسے ہی جناب غامدی صاحب کی یہ بات بھی بے سر پیر کی ہے "ایران و روم پر غلبہ دین کے بعد جہاد و قتال کی مدتِ نفاذ خود بخود ختم ہو چکی ہے" یہ بات قرآن میں ہے اور نہ ہی تاریخ میں۔

ان مہربان مگر اسلام کے نادان دوستوں کی خدمت میں عرض ہے کہ یہ مدت جو وہ ختم فرمارہے ہیں کبھی شروع ہوئی ہی نہ تھی۔ یہ تو اللہ تعالیٰ نے خبر دی تھی اور نزول قرآن کے ساتھ ہی یہ خبر پوری ہو چکی۔ اور یہ دینِ حق جو الھدیٰ میں بیان کر دیا گیا ہے قیامت تک کے لئے دنیا کے تمام ادیان پر غالب کر دیا گیا واضح رہے کہ جو کام اللہ کے کرنے کا ہو اسے غیر اللہ سے متعلق کرنا بھی شرک کی ایک قسم ہے۔ یہ طالبِ علم چاہے گا کہ عمار صاحب ہمارے اس جملہ پر ضرور تبصرہ کریں۔

قرآن مجید پیغمبر ﷺ کی سرگزشتِ انذار

محترم عمار صاحب مزید لکھتے ہیں" اس ضمن میں جناب جاوید احمد غامدی کی تصریحات حسبِ ذیل ہیں! قرآن مجید کو 'پیغمبر (ﷺ) کی سرگزشت انذار' کا عنوان دیتے ہوئے (غامدی صاحب) نے عہدِ نبوی و صحابہ کے جہاد و قتال کے مخصوص پس منظر اور ان احکام کی تحدید و تخصیص کی عملی اساس کو یوں واضح کیا ہے۔ 'اپنے مضمون کے لحاظ سے قرآن ایک رسول کی سرگزشتِ انذار ہے اسے شروع سے آخر تک پڑھیئے یہ حقیقت اس کے ہر صفحے پر نظر آئے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے محض ایک مجموعہ قانون و حکمت نہیں بلکہ پیغمبر کے لئے اپنی قوم کو ذریعہ انذار بنا کر نازل کیا ہے "واوحی الی ھذا القرآن لانذرکم بہ و من بلغ (الانعام 19/6) یہ قرآن میری طرف اس لئے وحی کیا گیا ہے کہ اس کے ذریعہ سے میں تمھیں انذار کروں اور انہیں بھی جن تک یہ پہنچے" (الشریعتہ صفحہ 302) قرآن کو ایک پیغمبر کی سرگزشتِ انذار کہنا حد درجہ غلط بیان ہے قرآن میں غالباً 27 نبی و رسل کا ذکر ہے تو یہ سب کی سرگزشت انذار کیوں نہیں؟ موسیٰ علیہ السلام کا ذکر قرآن میں 136 بار آیا ہے اور محمد ﷺ کا صرف 4 آیات میں تو اگر یہ کسی ایک نبی کی سرگزشت ہے تو پھر سیدنا موسیٰؑ کی سرگزشت ہونی چاہیے۔ قابل غور بات یہ ہے کہ سرگزشت تو گزری ہوئی ہوتی ہے تو محمد رسول اللہ کی حیات مبارکہ میں قرآن بوقتِ نزول سرگزشت کیسے ہوا؟ مزید یہ کہ یہ قرآن کی تنقیص ہے کہ اسے سرگزشت کا عنوان دیا جائے۔ یہ اللہ کی کتاب ہے اور صرف اللہ ہی کا حق تھا کہ وہ اس کا عنوان تجویز کرے مگر اللہ تعالیٰ نے جب ایسا نہ کیا تو غامدی صاحب کو ایسی جسارت نہ کرنی چاہیے تھی۔ قرآن انسانوں کی ہدایت کے لئے نازل کیا گیا اور قرآن کے شروع ہی میں اسے کتابِ ہدایت کہہ دیا گیا ہے لہذا اگر کسی کو قرآن کا عنوان تجویز کرنے کا بہت شوق ہو تو اسے ازراہِ کرم اسے کتاب ہدایت کا عنوان دینا چاہیے۔ رہ گئی غامدی صاحب کی حتمی دلیل سورہ الانعام کی آیت نمبر 19 تو عرض ہے کہ تمام انبیاء اپنی اقوام کے لئے بشیر ونذیر تھے۔ نجم آیت 56، الشعراء 208، الملک

8 جیسی آیات کا مطالعہ مفید مطلب ہو گا اور قرآن اپنے نزول کے وقت تو سر گزشت ہو نہیں سکتا تھا۔ گذشتہ انبیاء کے حالات و واقعات بیان کر دیئے گئے وہ سر گزشت کہلا سکتے ہیں مگر قرآن کا وہ عنوان نہیں۔

فکرِ غامدی کی مزید وضاحت میں عمار صاحب لکھتے ہیں "نبی ﷺ سے متعلق معلوم ہے کہ آپ منصب نبوت کے ساتھ منصبِ رسالت پر بھی فائز تھے اللہ تعالیٰ جن لوگوں کو خلق کی ہدایت کے لئے اور اپنی طرف سے وحی و الہام کے ذریعے سے ان کی راہنمائی کرتے ہیں انہیں نبی کہا جاتا ہے۔ لیکن ہر نبی کے لئے ضروری نہیں کہ وہ رسول بھی ہو۔ رسالت ایک خاص منصب ہے جو نبیوں میں سے چند ایک ہی کو حاصل ہوا ہے۔ قرآن کے مطابق رسول اپنی قوم کے لئے ہدایت بن کر نازل ہوتا ہے اور ان کا فیصلہ کر کے دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔ الشریعۃ صفحہ 302۔

تبصرہ:

غامدی صاحب کی فکر کا یہ پہلو قرآن کے خلاف ہے اور انہیں احساس تک نہیں کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔ نبی کی جو تعریف عمار صاحب نے غامدی صاحب کے حوالہ سے بتائی ہے امام فراہی کے حوالہ سے لکھا جا چکا ہے کہ رسول کا لفظ قرآن میں عام اور نبی کا لفظ خاص استعمال ہوا ہے۔ اب غامدی صاحب امام فراہی کی عربیت کو تو چیلنج کر نہیں سکتے اور اگر انہیں شوق ہو تو پھر وہ قرآن سے فکرِ فراہی کی خطاء بتائیں۔ کوئی دلیل قرآن کریم سے انہوں نے پیش کی نہیں اور نہ ہی رسول کی کوئی تعریف بیان کی۔ اس ناچیز کی رائے میں نبی نبا سے ہے یعنی خبر دینے والا۔ عم یتسالون عن النبا العظیم اور رسول بھیجے ہوئے کو کہتے ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آتا ہے، رسول الی بنی اسرائیل، باقی رسول اللہ کے بارے میں کہنا کہ "نبوت کے ساتھ رسالت کے منصب پر بھی فائز تھے، دلیل ہے اس بات کی کہ غامدی صاحب نے نبی ور سول کی بحث میں قرآن پر تدبر نہیں کیا بس اپنے شیخ کی فکر کو ہی حق کی حتمی حجت مان لیا۔ محترم عمار صاحب و غامدی صاحب کی خدمت میں عرض ہے کہ ہر نبی رسول تو ضرور ہے مگر ہر رسول نبی نہیں۔ پھر یہ کہنا کہ "ہر نبی کے لئے ضروری نہیں کہ وہ رسول ہو" بداہتہً غلط ہے۔ غامدی صاحب یا عمار صاحب کسی ایک نبی کا نام لے کر بتائیں جو رسول نہ ہو انہیں اس مقام پر مثال کے طور پر کسی ایک نبی کا نام لینا چاہیے تھا۔ جو رسول نہ ہو۔ اس طالب علم نے سورہ یوسف سے اور حج کے حوالوں سے بتایا ہے کہ بادشاہ کے قاصد اور ملائکہ کو رسول کہا گیا ہے۔ عمار

صاحب کسی ایک نبی کا نام بتائیں جو رسول نہ ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ اسی بات پر اگر یہ صاحبانِ علم و دانش تدبر فرما لیتے تو اتنی فاش غلطی نہ کرتے۔

محترم غامدی صاحب کو اپنی اس فکر پر اتنا اعتماد ہے کہ اپنی کتاب برھان میں انہوں نے الیاس علیہ السلام کے رسول ہونے کا انکار کر دیا جبکہ انہیں قرآن میں رسول کہا گیا ہے ۔ سورہ الصافات میں ہے ''وان الیاس لمن المرسلینO(الصفٰت 123)اور الیاس بھی پیغمبروں میں سے تھے''۔

اب بتایئے اس فکر پر سوائے افسوس کے اور کیا کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ صفحہ 303 پر عمار صاحب نے غامدی صاحب کی جو تقریر قانونِ رسالت کے حوالے سے بیان فرمائی ہے وہ صرف نثر میں شاعری ہی ہے حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں نہ ہی اس پوری تقریر میں کوئی دلیل قرآن یا حدیث سے پیش کی گئی ہے۔ اس کے بعد عمار صاحب غامدی صاحب کے حوالے سے لکھتے ہیں'' قرآن کی شرح و تفسیر میں جو چیزیں اس رعایت سے ہر طالب علم کے پیشِ نظر رہنی چاہیں وہ یہ ہیں! اولاً قرآن کی ہر سورہ میں تدبر کر کے اس کا زمانہ نزول نبی ﷺ کی دعوت کے انہی مراحل کے لحاظ سے اس طرح متعین کرنا چاہیے کہ اس کے بارے میں پورے اطمینان سے یہ بات کہی جا سکے کہ مثال کے طور پر یہ زمانہ انذار میں نازل ہوئی ہے یا زمانہ ہجرت اور جزاء و سزا میں.......''الشریعتہ صفحہ 303۔

تبصرہ!

یہ اقتباس دلیل ہے کہ غامدی صاحب ادب بولتے اور لکھتے ہیں مگر اس ادب میں دلیل بھی ہو یہ ضروری نہیں۔ کہنا یہ ہے کہ نبی کا سارا زمانہ زمانہ انذار ہوتا ہے وہ پہلے دن بھی بشیر نذیر ہوتا ہے اور آخری دن بھی۔ قرآن میں رسول اللہ کو بار بار کہا کہ قرآن سے ڈرایئے تو کیا وہ کسی خاص زمانہ کے لئے کہا گیا؟ مکہ میں بھی رسول اللہ کو نذیر کہا گیا اور مدینہ میں بھی۔ قرآن کے بارے میں اتنی سادہ باتیں بھی اگر غلط بیان کی جائیں اور کسی کے کانوں پر جوں تک نہ رینگے تو سمجھ لینا چاہیے کہ جو یہ باتیں کہہ رہا ہے اس نے تو یقینا قرآن میں غور نہیں کیا مگر اس کے شاگرد، قاری اور سامعین بھی قرآن سے تمسک نہیں کرتے۔ میرے احباب بار بار مجھے کہتے ہیں کہ نرم سے نرم الفاظ میں تنقید کرو مگر جب اتنی لایعنی باتیں خوبصورت الفاظ کے پیراہن میں کی جائیں تو حمایت و

محبتِ قرآن نرم گفتاری پر غالب آہی جاتی ہے اور اس تلخ نوائی پر میں معذور ہوں۔ یہ محض لفّاظی ہی ہے جو جنابِ غامدی نے فرمائی۔

پھر زمانہ ہجرت تو سمجھ میں آتا ہے یہ زمانہ جزاء و سزا کیا ہے؟ یہ دنیا دار العمل اور امتحان گاہ ہے یہاں اللہ تعالیٰ نے انسان کو آخرت کی تیاری کے لئے بھیجا ہے۔ جزاء و سزا آخرت میں ملے گی۔ رہ گیا نبی کریم ﷺ کے قتال کو جزاء و سزا سے تعبیر کرنا تو اس پر اس مقالہ میں تفصیل بیان کر دی گئی ہے جب بھی نبی ﷺ پر جنگ مسلط کی گئی تو اپنے دفاع میں انہیں لڑنا پڑا۔

محترم جاوید احمد غامدی صاحب کے بارے میں اس طالبِ علم کا تاثر یہ ہے کہ اپنے حسنِ بیان کی وجہ سے وہ غلط بات بھی منوا لیتے ہیں۔ مثلاً وہ رسول کی بات کو حق کی حتمی حجت کہتے ہیں جب کہ قرآن مجید میں قرآن کو حق کی حتمی حجت بتایا گیا ہے۔ سورہ طارق آیت 13۔ وہ رسول کو اللہ کی عدالت کہتے ہیں جس کی غلطی پیچھے واضح کر دی گئی ہے۔ وہ سنت کو قرآن سے مقدم کہتے ہیں جو قرآن کے مقام سے بے خبری ہے ہی ساتھ ہی انہیں مقام سنت بھی معلوم نہیں انہیں جعفر شاہ پھلواروی کی شاہکار کتاب 'مقامِ سنت' دھیان سے پڑھنی چاہیئے۔ رسول اللہ نے دین قرآن سے اخذ کیا سورہ شوریٰ آیت 52۔ ہم جانتے ہیں وہ سنت سے مرد سنت ابراہیم لیتے ہیں اسکی کوئی خفیف سی دلیل بھی قرآن میں نہیں۔ ویسے ابراہیمؑ نے بھی دین اللہ کی کتاب ہی سے سیکھا۔ قرآن میں صحف ابراہیم کا ذکر ہے۔ الغرض وہ بہت سی متضاد و باہم متصادم باتیں کر رہے ہیں جنہیں ان کے شاگرد عظمتِ شیخ میں بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں اور عوام میں چونکہ تدبرِ قرآن کا ذوق کم ہی ہے اس لئے اس قسم کی بے بنیاد باتیں محض ان کے حسنِ بیان کی وجہ سے قبول کر لی گئی ہیں۔

محترم عمار صاحب فکرِ غامدی کے حوالے سے ان کی کتاب میزان سے مزید نقل کرتے ہیں" قرآن میں یہ اسلوب جگہ جگہ اختیار کیا گیا ہے لیکن سیاق و سباق کی دلالت پوری قطعیت کے ساتھ واضح کر دیتی ہے کہ اس سے مراد عام نہیں۔ قرآن 'الناس' کہتا ہے مگر ساری دنیا کا ذکر تو کیا بارہا اس عرب کے سب لوگ بھی اس کے پیشِ نظر نہیں ہوتے۔ وہ 'علی الدین کلہ' کی تعبیر اختیار کرتا ہے لیکن اس سے دنیا کے سب ادیان مراد نہیں لیتا وہ 'المشرکون' کے الفاظ استعمال کرتا ہے لیکن انہیں سب شرک کرنے والوں کے معنیٰ میں استعمال نہیں کرتا۔ 'وان من اہل الکتٰب' کے الفاظ لاتا لیکن اس سے پورے عالم کے اہل کتاب مراد نہیں ہوتے۔ وہ 'الانسان' کے لفظ سے اپنا مدعا بیان کرتا ہے لیکن اس سے ساری اولادِ آدم کا ذکر مقصود نہیں ہوتا۔ یہ قرآن کا

عام اسلوب ہے جس کی رعایت اگر ملحوظ نہ رہے تو قرآن کی شرح ووضاحت میں متکلم کا منشاء بالکل باطل ہو کر رہ جاتا ہے اور بات کہیں سے کہیں پہنچ جاتی ہے۔ لہٰذا ناگزیر یہ ہے کہ اس معاملہ میں قرآن کے عرف اور اس کے سیاق وسباق کی حکومت اس کے الفاظ پر ہر حال میں قائم رکھی جائے۔ الشریعتہ صفحہ 303 بحوالہ میزان از جاوید احمد غامدی ص 24-23۔

تبصرہ!

اصولی طور پر تو درجِ بالا اقتباس درست ہے سوائے اس بات کے کہ ”سیاق وسباق کی حکومت ہر حال میں الفاظ پر قائم رکھی جائے“۔ یہ بات جزوی طور پر غلط ہے کبھی سیاق وسباق کی وجہ سے الفاظ میں تاویل کی جائے گی اور کبھی الفاظ کی حکمرانی کی وجہ سے سیاق وسباق میں۔ اس بات کو صحیح طور پر نہ سمجھنے کی وجہ سے محترم غامدی صاحب شفاعت، وصیت، روح، تحویلِ کعبہ اور اہل کتاب سے متعلق آیات کو صحیح طور پر نہ سمجھ سکے۔ اب باقی اقتباس پر تبصرہ کیا جاتا ہے۔ غامدی صاحب نے لکھا ہے ’الناس‘ سے ساری دنیا کے انسان تو کُجا سارے عرب کے لوگ بھی مراد نہیں ہوتے۔ درست، ایسا ہوتا ہے مگر جو مثال ان کے ساتھی مثلاً عمار صاحب نے پیش کر رکھی ہے وہ غلط ہے ”امرت ان اقاتل الناس“ والی روایت میں ’النّاس‘ سے مشرکین عرب مراد لیتے ہیں جبکہ یہ روایت صریحاً نصوصِ قرآنیہ کے خلاف ہے۔ یہ الفاظ رسول اللہ فرما ہی نہیں سکتے ”مایکون لی ان اقول مالیس لی بحق“ یعنی مجھے کب جائز تھا کہ ایسی بات کہتا جس کا مجھ کچھ حق نہیں o مائدہ 116۔ چنانچہ یہ ’النّاس‘ والی بات درست نہیں۔ ان حضرات کو روایت قبول کرنے سے پہلے قرآن پر غور کرنا چاہیے تھا مگر جس طرح چوہدری غلام احمد صاحب پرویز کو اپنے معاشی نظریات کی تائید میں ابوذر غفّاریؓ والی روایت مل گئی تو بنا کچھ سوچے سمجھے یہ روایت اپنی تائید میں پیش کر دی اور نہیں سوچا کہ اس طرح تقریباً تمام صحابہ کو کفر کی وعید میں شامل کر دیا بعینہٖ اسی طرح ان حضرات کو اپنی تائید میں یہ روایت ملی تو جھٹ نقل کر دی نہیں سوچا کہ اسلام اور رسول اللہ کے بارے میں کتنی غلط بات کی ترویج کر رہے ہیں۔ اسی طرح سورہ یونس 99 میں لفظ ”النّاس“ سے تمام دنیا کے انسان مراد ہیں کیونکہ آیت کے الفاظ ہیں ”ولو شاء اللہ لاٰمن من فی الارض جمیعاافانت تکرہ الناس حتیٰ یکونوا مومنینo“ اس آیت میں ’الناس‘ سے پہلے ” من فی الارض جمیعا“ کے الفاظ فیصلہ کن ہیں کہ ’النّاس‘ سے تمام دنیا کے انسان مراد ہیں مگر غامدی صاحب کی ” عربیت اور قانون رسالت“ انہیں سکھاتا ہے کہ مکہ کے انسان اس ’الناس‘ سے خارج ہیں۔

دوسرا لفظ میزان کی اس عبارت میں ' علی الدین کلہ ' غامدی صاحب نے پیش کیا ہے اور اس کو بھی انہوں نے غلط ہی سمجھا ہے۔ یہ لفظ قرآن میں تین جگہ پر آیا ہے سورہ صف، سورہ توبہ اور سورہ فتح میں اور تینوں جگہ تمام دنیا کے ادیان مراد ہیں جیسا کہ اس کی تفصیل بیان ہو چکی۔ مگر غامدی صاحب اس سے صرف عرب کے دین مراد لیتے ہیں۔ ستم بالائے ستم یہ کہ دین سے مراد رسول اور صحابہ یعنی انسان مراد لیتے ہیں۔ جب کہ ان آیات میں دین سے مراد صرف قرآن ہے۔ ان تینوں آیات کی تفسیر میں اس طالب علم نے سیاق وسباق والفاظ سے ثابت کیا ہے کہ اس غلبہ سے مراد اسلام کا وہ فکری غلبہ ہے جو قرآن کی صورت میں دنیا میں موجود ہے نہ کہ مسلمانوں کا یا صحابہ کا غلبہ جو عرب میں ہوا تھا۔ رسول اللہ کو عرب میں غلبہ ان کی تبلیغ و دعوت بالقرآن کے نتیجہ میں میسر آنے والی جماعت صحابہ کی وجہ سے ہوا تھا نہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی ذمہ داری لگائی تھی کہ دین کو غالب کریں۔ ان تینوں آیات کو محترم غامدی صاحب اور ان کے شاگرد کلّی طور پر غلط سمجھے ہیں۔

تیسرا لفظ غامدی صاحب نے میزان کی محولہ عبارت میں 'المشرکون' لکھا ہے اس مثال کو بھی غامدی صاحب غلط ہی سمجھے ہیں۔ غامدی صاحب اس سے جزیرہ عرب کے مشرکین سمجھتے ہیں جب کہ قرآن میں عرب کی کوئی بات ہی نہیں کی گئی۔ تمام دنیا اللہ کی بنائی ہوئی ہے اور انبیاء ورسل صرف عرب ہی میں نہیں آئے ساری دنیا کی بڑی بستیوں میں تبلیغ کے لئے تشریف لائے۔ اگر کسی نبی یا انبیاء کے آنے سے کوئی ملک یا براعظم متبرک ہو جاتا ہے تو پھر ساری دنیا ہی متبرک ہو جاتی ہے۔ قرآن کریم نے صرف مکہ کی بات کی ہے اور المشرکون جو کہ قرآن میں صرف 6 جگہ آیا ہے دو بار سورہ توبہ میں اور دونوں جگہ صرف اہل مکہ مراد ہیں نہ کہ سارے عرب کے مشرکین کیونکہ انہیں المشرکون کو مکہ سے جبراً نکالا گیا تھا اور انہی کو مہلت گذرنے کے بعد قتل کرنے کا حکم دیا گیا تھا یہ نہیں کوئی بھی شرک کرنے والا مل جائے تو اسے قتل کیا جائے۔ یہ حکم صرف مکہ کے مشرک کے لئے تھا اور انہیں ہی سورہ توبہ میں المشرکون کہا گیا ہے۔ باقی 4 آیات جن میں المشرکون کا لفظ آیا ہے سورہ الانعام آیت 121 اور سورہ صف کی آیت 9 میں لفظ المشرکون سے مراد صرف مکہ ہی کے مشرک مراد ہیں۔ سورہ صف کی آیت 9 تو وہ ہے جو فتح آیت 29 اور توبہ آیت 33 میں آئی ہے الانعام 121 میں بھی مکہ کے مشرک ہی مراد ہیں کیونکہ رسول اللہ پر یہ آیت مکہ میں نازل ہوئی اور آپ کو کہا جا رہا ہے اگر آپ نے ان کی بات مانی تو آپ بھی انہی مشرکوں میں سے ہو جائیں گے۔ سارے

عرب کے مشرکین ان میں سے کہیں بھی مراد نہیں باقی سورہ یوسف آیت 106 اور نحل آیت 100 میں صرف مشرکون کا لفظ ہے المشرکون کا نہیں یوں محترم غامدی صاحب کا 'المشرکون' کے بارے میں اظہارِ خیال عدم تدبر کی دلیل ہے۔

چوتھی دلیل غامدی صاحب نے ''وان من اہل الکتٰب'' سے پیش کی ہے کہ قرآن میں اس پورے عالم کے اہل کتاب مراد نہیں۔ اس ناچیز طالب علم کو اسے بارے میں بھی ان سے اختلاف ہے یہ جملہ قرآن میں صرف سورہ نساء آیت 159 میں آیا ہے اور اس سے کل عالم کے سبھی اہل کتاب مراد ہیں گو کہ اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ اول تو جس جملہ میں مفسرین کا اختلاف ہو اس کو اپنی دلیل کے طور پر صرف اس وقت ہی پیش کرنا چاہیے جب اس آیت کو حل کر لیا گیا ہو۔ مگر مولانا امین احسن اصلاحیؒ کو یہ آیت سمجھ نہ آئی تو غامدی صاحب نے اسے جزم سے مثال کے طور پر کیسے پیش کر دیا۔ اس معاملہ میں اس طالب علم کو ان مفسرین کی رائے سے اتفاق ہے جو ہر اہل کتاب کے بوقت اسکی موت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں صحیح بات جان لینا مراد لیتے ہیں کیونکہ یہی تفسیر ایسی ہے جس سے الفاظ کی حاکمیت بھی قائم رہتی ہے اور قرآن میں تضاد یا تعارض بھی لازم نہیں آتا۔

عمار صاحب میزان سے مزید نقل فرماتے ہیں:-''رسول اللہ نے اپنی دعوت جزیرہ نمائے عرب سے باہر قریب کی تمام قوموں کے سامنے بھی پیش کر دی اور ان کے سربراہوں کو خط لکھ کر واضح کر دیا کہ اب اسلام ہی ان کے لئے سلامتی کی ضمانت بن سکتا ہے۔ اس کے معنی یہ تھے خدا کی جو حجت آپؐ کے ذریعہ سے عرب کے مشرکین پر قائم ہوئی تھی وہ آپؐ کے رخصت ہونے سے پہلے جزیرہ نما سے باہر کی ان قوموں پر بھی ثابت ہو جائے گی۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ رسولوں کی طرف سے اتمام حجت کے بعد دنیا میں جزاء و سزا کے قانون کا اطلاق ان قوموں پر بھی کیا جائے۔ چنانچہ یہی ہوا اور جزیرہ نما میں اپنی حکومت مستحکم کر لینے کے بعد صحابہ کرام اس اعلان کے ساتھ ان اقوام پر حملہ آور ہو گئے کہ اسلام قبول کرو یا زیر دست بن کر جزیہ دینے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اس کے سوا اب زندہ رہنے کی کوئی صورت تمہارے لئے باقی نہیں رہی۔(میزان ص 601) بحوالہ الشریعۃ صفحہ 304۔

تبصرہ!

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ صاحب میزان کو توبہ کی توفیق عطا ہو انہوں نے اسلام، رسول، صحابہ اور قرآن کی غلط ترجمانی کی ہے۔ نہ ہی رسول اللہ نے عرب سے باہر کی تمام اقوام پر حجت قائم کی آپ مکہ - مدینہ سے آگے تبلیغ کے لئے گئے ہی نہیں اور خط سے کوئی حجت ہو نہیں سکتی اور نہ ہی صحابہ کرام نے مسئلہ توحید یا اسلام کی وجہ سے کسی ایک قوم یا ملک پر حملہ کیا۔ قرآن میں اس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ نبی کریم ﷺ کے بارے میں کہنا کہ رسول اللہ نے عرب سے باہر قریب کی اقوام کے سربراہوں کو خط لکھ کر اتمام حجت کر دی، محترم غامدی صاحب کا کہ انتہائی 'عاقلانہ' جملہ ہے جس پر یہ طالب علم کیا تبصرہ کرے؟ کیا کسی بھی انسان پر محض ایک صفحہ کا خط لکھ کر حجت قائم کی جاسکتی ہے؟۔ ان حضرات کو معلوم ہونا چاہئے کہ سالوں کی جان توڑ کوشش کے بعد ہی ممکن ہوتا ہے کہ کسی پر اتمام حجت قائم ہو۔ نوح علیہ السلام تو ایک قوم کو 950 سال سمجھائیں تذکیر کریں دعوت دیں۔ محمد رسول اللہ 13 برس مکہ میں رہیں اور پھر قوم سے ہجرت و برات کریں۔ علیٰ ھٰذا القیاس قرآن میں انبیاء کی "سرگذشت" و احوال پڑھیں تو محترم غامدی صاحب کی بات حد درجہ "عاقلانہ" محسوس ہو گی۔ اس طالب علم کی رائے میں تو اتمام حجت کسی بھی انسان پر بہت زیادہ محنت اور قرآن کی تعلیمات کو نہایت خلوص و حکمت سے سمجھانے کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔ شاہانِ عالم کو جو خطوط لکھے گئے ان میں تو کہیں بھی اسلام کے اصول و مبادیات یا قوانین بیان نہیں کئے گئے۔ صرف 'اسلم تسلم' کہا۔ بتایئے ان دو الفاظ سے حجت کیسے قائم ہو گئی۔ اسی بناء پر غامدی صاحب کی اس بات کو یہ طالب علم "عاقلانہ" کہتا ہے۔

دعوتی خطوط جو رسول اللہ ﷺ نے شاہانِ عالم کو لکھے غامدی صاحب نے انہیں بہت غلط پیش (misinterpret) کیا ہے۔ ان میں سے کسی بھی خط میں نبی ﷺ نے کسی بادشاہ کو کسی دنیوی جنگ کی دھمکی نہیں دی بلکہ اپنی نذیر والی حیثیت کے مطابق ان بادشاہوں کو آخرت کے عذاب سے ڈرایا ہے۔ یہ طالب علم اس مضمون میں قیصر روم کے خط کا وہ حصہ پیش کر آیا ہے جسے محترم عمار صاحب نے غلط طور پر سیاق وسباق سے کاٹ کر یعنی اسلم تسلم کے فقط دو الفاظ سے پیش کیا ہے۔ کسریٰ کے خط کا متعلقہ حصہ بھی نقل کیا گیا اور شاہ مصر کا حوالہ بھی دیا گیا ہے، ان خطوط میں کسی قوم کی دنیوی دھمکی نہیں دی گئی۔ محترم عمار صاحب یا غامدی صاحب پر لازم ہے یا تو ان خطوط میں جنگ کی دھمکی ثابت کریں یا انہیں اپنی رائے سے رجوع کر لینا چاہیے۔ رسول اللہ کس طرح کسی بادشاہ وقت کو جنگ کی دھمکی دے سکتے تھے۔ قرآن میں تو آپ کا مقصدِ بعثت محض ابلاغ و تعلیم ہی بتایا گیا ہے اور

قرآن ہی میں صراحت ہے کہ رسول اللہ نے قانون و ایمانیات (کتاب و ایمان) قرآن سے لیا ہے سورہ شوریٰ آیت 52 اور رسول اللہ قرآن کی پیروی کرتے تھے سورہ یونس آیت 15 وغیرہ اس طالب علم کی موئد آیات ہیں۔ تو قرآن میں کہاں کوئی حکم ہے کہ عرب کے قریبی ممالک کو دعوت دو نہ مانیں تو حملہ کر دو؟ نعوذ باللہ۔ قرآن میں تو صاف حکم ہے ''واوحی الیٰ ھٰذاالقرآن لانذرکم بہ ومن بلغo یہ قرآن مجھ پر اس لئے اتارا گیا ہے کہ اس کے ذریعے تمہیں اور جہاں تک یہ پہنچ سکے ڈراؤں'' الانعام 19۔ اور سورہ فرقان میں ارشاد ہوتا ہے ''ولا تطع الکٰفرین و جاھد بہ جھاداً کبیراoاور کافروں کا کہا مت مانو اور اس قرآن کے ذریعہ بڑا جہاد کرو''۔ لہٰذا یہ کیسے ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ کسی شخص کو جنگ کی دھمکی کے ساتھ دین کی دعوت دیں۔ بیک وقت دعوت اور دھمکی تو کوئی عام مبلّغ بھی نہیں دے سکتا تو کائنات کے سب سے بہترین مبلّغ بھلا کیسے دے سکتے تھے چنانچہ ان آیات کی روشنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری صرف انذار آخرت تھی اور آپ ﷺ نے اپنی ذمہ داری احسن طریق سے نبھائی۔ محترم غامدی صاحب نے یقینا قرآن سے انصاف نہیں کیا اور نہ ہی رسول اللہ سے ورنہ قرآن تو بہت ہی بہترین طریقے سے اللہ کے راستے کی طرف بلانے کا حکم دیتا ہے ''ادع الی سبیل ربک بالحکمتہ والموعظتہ (آیت کا حوالہ نہ ہونے کے سبب پوری آیت لکھی جانے سے رہ گئی ہے)o آپ اپنے رب کی طرف لوگوں کو دانش اور نیک نصیحت سے دعوت دیجئے اور بہت ہی اچھے طریقہ سے ان سے مناظرہ کرو۔ جو اس کے راستہ سے بھٹک گیا تمہارا رب اسے بھی خوب جانتا ہے اور جو راستے پر چلنے والے ہیں ان سے بھی خوب واقف ہے''۔ اگر اس مضمون کی سبھی آیات پیش کی جائیں تو اس مقالہ کی ضخامت بہت بڑھ جائے گی اور یوں بھی ماننے والوں کے لئے ایک آیت بھی کافی ہوتی ہے۔

یہ بات بھی عجیب ہے کہ قانونِ رسالت تو یہ بیان کیا جائے کہ رسول اپنی قوم پر اللہ کی عدالت بن کر نازل ہوتا ہے اور اس ضمن میں سورہ یونس کی آیت 47 پیش کی جائے۔ اس قانون کی سولی پر مشرکین مکہ کو چڑھایا جائے اور اب اس قانون میں توسیع کر کے اہل کتاب اور جزیرہ عرب سے باہر کے شاہانِ عالم کو بھی اسی قانون رسالت کی وجہ سے تلوار پیش کر دی جائے۔ حیرت اور افسوس اس بات پر ہے کہ قرآن میں یہ تمام دعوتی آیات بہت واضح اور صاف اور قتال کے احکام بھی بہت آسان عربی میں بیان کر دیئے گئے ہیں۔ مگر ہمارے پنجابی مسلمان اہل عرب سے بھی بڑھ کر زبان دانی کے زعم میں ایسے مبتلا ہوئے کہ قرآن کی آیات کی وہ تفسیر کی ہے کہ الامان والحفیظ۔

کوئی بھی قوم ایمان نہ لاکر جہنم کی مستحق بن جاتی ہے مگر یہ اتمام حجت رسول کے ہاتھوں ہو یا نبی کے یا مصلحین کے دنیا میں انہیں کفر و شرک قائم رہنے اور زندہ رہنے کی اجازت اللہ تعالیٰ دے رہا ہے تو کوئی نبی یا رسول کیسے اس قانون کی خلاف ورزی کر سکتا ہے۔ قوموں پر عذاب کے حوالے سے یہ طالبِ علم قرآن کی بہت سی آیات پیش کر آیا ہے اور آیتِ جزیہ سے جو قانون غامدی صاحب اخذ کر رہے ہیں وہ بھی غامدی صاحب کی فہم کا قصور ہے۔

دلیلِ مزید بر اتمام حجت

اتمام حجت پر جو کچھ غامدی صاحب بیان فرماتے ہیں اس کی تردید خود قرآن کی نصوص سے ہوتی ہے۔ سورہ اعراف کی آیت 172 میں صاف صاف بتادیا گیا ہے کہ ہر انسان کو عقل و شعور دے کر اللہ تعالیٰ نے دنیا کے ہر انسان پر حجت تمام کر دی ہے آیت نقل کی جاتی ہے ''واذا خذربک میں بنی آدم من ظھورھم ذریتھم و اشھدھم علیٰ انفسھم الست بربکم قالو بلیٰ شھدنا ان تقولوا یوم القیٰمۃ انا کنا عن ھذا غٰفلین o الاعراف 172 اور آگے ہے ''ولقد ذرانا لجھنم کثیرامن الجن والانس لھم قلوب لا یفقھون بھا ولھم اعین لا یبصرون بھا ولھم اٰذان لا یسمعون بھا اولٰئِک کالانعام بل ھم اضل اولٰئِک ھم الغٰفلونo الاعراف 179 جب آپ کے رب نے اولاد آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان سے ان ہی کے متعلق اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا کیوں نہیں ہم سب گواہ بنتے ہیں تاکہ تم لوگ قیامت کے روز یوں نہ کہو کہ ہم تو اس سے محض بے خبر تھے''۔ اور آیت 179 کا ترجمہ ہے اور ہم نے بہت سے جن اور انسان دوزخ کے لئے پیدا کئے ہیں۔ جن کے دل ہیں جن سے سمجھتے نہیں، جن کی آنکھیں ہیں پر نہیں دیکھتے اور جن کے کان ہیں جن سے نہیں سنتے یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ یہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں یہی لوگ غافل ہیں'' یہ دونوں آیات راہنمائی کرتی ہیں کہ دنیا کا ہر انسان جِسے عقل و شعور عطا کیا گیا ہے وہ محض عقل کی بنیاد پر مسؤل ہے سورہ بنی اسرائیل آیت 36 میں تو صاف بتادیا گیا ہے کہ ہر انسان عقل کی بنیاد پر مسؤل ہے۔ زور مسؤلیت صرف اسی سے ہو سکتی ہے جس پر اتمام حجت ہو چکے۔ رسول، انبیاء، مصلحین و کتب انسانوں پر اللہ کی رحمت کی دلیل ہوتے ہیں کہ انسان کو اللہ تعالیٰ دوزخ سے بچانا چاہتے ہیں اس لئے اس کی ہدایت کے لئے بہت آسانیاں پیدا کی ہیں۔ عقائد و ایمانیات جن پر انسانوں کی جنت و جہنم کا مدار ہے قرآن میں بار بار اور مختلف پیرائیوں میں بیان کئے گئے ہیں اس کی وجہ یہی

ہے کہ اگر کسی ایک جگہ بات سمجھ نہ آئے یا انسان پہلے پڑھے کو بھول جائے تو آگے دوبارہ سہ بارہ اسے یہی بات یاد کرائی جائے۔ نبی پوری دلسوزی سے انسانوں کو اللہ کا پیغام پہنچاتے ہیں اور عمل بھی کر کے دکھاتے ہیں تاکہ کسی کے پاس عذر نہ رہے کہ یہ تعلیم قابل عمل ہی نہیں۔ یہی کام رسول اور مصلحین بھی کرتے ہیں بہت سے انسانوں کو انبیاء ورسل نہیں مل پاتے وہ آسمانی کتاب سے راہنمائی لیتے ہیں (یہ بھی واضح ہو کہ انبیاء ورسل بھی آسمانی کتاب سے ہی دعوت و تبلیغ کرتے ہیں) بہت سے انسان کتاب بھی نہیں پڑھ پاتے تو کیا اللہ کے ہاں وہ مسؤل نہیں؟ قرآن ہماری راہنمائی کرتا ہے کہ ہر انسان عقل کی بنیاد پر مسؤل ہے۔ اعراف 172 میں یہی کہا ہے ہر انسان نے اللہ کی ربوبیت کا اقرار کر رکھا ہے وہ کیسے؟ اسے کھول کر 179 نمبر آیت میں بتا دیا کہ کان، آنکھ اور دل سے جو غور وفکر نہ کریں وہی غافلون ہیں اور جہنم میں جائیں گے۔ معلوم ہوا جو لوگ آنکھ، کان اور دل کا صحیح استعمال کریں گے وہ جنت میں جائیں گے تو اصل میں انسان پر اس کی عقل ہی اتمام حجت کے لئے کافی ہے۔ قرآن میں جگہ جگہ یہ مضمون آیا ہے ایک مقام اور نقل کیا جاتا ہے ''و لا تقف ما لیس لک..... o اور جس چیز کا تجھے علم نہیں اس کے پیچھے نہ پڑ اور کان، آنکھ اور دل ان سب (جوارح) سے ضرور باز پرس ہو گی'' (سورہ بنی اسرائیل 36) یہی مضمون سورہ یونس آیت 100 میں بھی آیا ہے معلوم ہوا بے شک نبی، رسول، مصلح اور کتابیں (تعلیمات آسمانی) سب انسانوں کو صحیح راستہ دکھاتی ہیں مگر ہر انسان چاہے دین سے واقف ہو یا نہ ہو عقل کی بنیاد پر اللہ کے ہاں مسؤل (Accountable) ہے۔ یہ نہیں جیسا کہ غامدی صاحب فرماتے ہیں کہ بعثتِ رسول جس علاقہ میں ہو اس کے لئے الگ قانون اتمامِ حجت ہوتا ہے۔ امید ہے درج بالا آیات اور قرآن میں جہاں جہاں عقل سے کام لینے کا حکم ہے ان پر ہمارے قارئین غور فرمائیں گے تو ان پر محترم امین احسن اصلاحی اور غامدی صاحب کی غلطی واضح ہو جائے گی۔ اللہ سے کوئی انسان نہیں کہہ سکے گا کہ اسے دین کا علم نہ تھا یہ ہے مطلب آیت 172 کے آخری حصے کا ''تاکہ تم لوگ قیامت کے روز یوں نہ کہو کہ ہم تو اس سے محض بے خبر تھے''۔ یہ دنیا کے ہر انسان کو کہہ دیا گیا ہے عہد الست یہی ہے ثابت ہوا ہر انسان پر حجت تمام ہو چکی مزید یہ کہ انبیاء ورسل کا کام دین پہنچانا تھا نہ کہ اتمامِ حجت۔ سورہ انعام آیت 149 میں صراحت سے بتا دیا کہ پوری حجت اللہ ہی کی ہے قل فللہ الحجۃ البالغہ فلو شا لھذکم اجمٰعین o آپ کہئے کہ بس پوری حجت اللہ ہی کی رہی اگر وہ چاہتا تو تم سب کو راہِ راست پر لے آتا۔ معلوم ہوا رسول کی ذمہ داری اتمامِ حجت ہے ہی نہیں۔

اہل کتاب سے نکاح کی اجازت قرآن نے دی ہے تو کیسے ممکن ہے اپنی یہودی یا عیسائی بیوی سے کوئی مسلمان برا سلوک کرے یا سے ذلیل بنا کر رکھے اپنے اہلِ کتاب سسرالی رشتہ دار سے بُرا سلوک کرے سلوک کرے۔ یہ عمل نا صرف قرآن کی تعلیم ہی کے خلاف ہے بلکہ دنیا بھر کے ضابطہ اخلاق کے بھی منافی ہے۔ مولانا یحییٰ نعمانی نے آیت جزیہ کی جو تفسیر اسی خاص شمارہ میں بیان کی ہے یہاں اس سے ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں:-

"............ مگر اس سب کے باوجود یہ کہنا مشکل ہے کہ "صاغرون" کا لفظ تحقیر و ذلت کے مفہوم سے بالکل خالی ہے اور اس کے معنی صرف مسلمانوں کی حکومت کو قبول کر لینا ہیں۔ بلکہ عربی زبان کے اہلِ زبان کے اہل ذوق تصدیق کریں گے کہ 'صغار' میں ذلت کا مفہوم ضرور شامل ہے لیکن اس کے باوجود صحیح بات یہ ہے کہ اسلامی ریاست کے وفادار غیر مسلم شہریوں کو ذلیل کرنا شریعت کا حکم نہیں ہے بلکہ اس کے خلاف ہے۔ یہاں اصل بات جس کی طرف توجہ نہایت ضروری ہے وہ یہ کہ جب ہم آیات کے تاریخی پس منظر، شانِ نزول نیز قرآنی سیاق کو ذہن میں رکھتے ہوئے اس آیت پر غور کی نگاہ ڈالتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ اس میں اسلامی ریاست کے اطاعت گزار اور وفادار غیر مسلم شہریوں کی تذلیل کا حکم نہیں ہے بلکہ آیت اس وقت نازل ہو رہی ہے جب دشمن جنگ کر رہا ہے اور اس نے ابھی اطاعت قبول نہیں کی ہے۔ آیت محارب و توسیع پسند اور متکبر رومی طاقت کے خلاف جنگ پر آمادہ کرنے کے لئے نازل ہوئی تھی۔ اس سیاق میں اور جاری جنگ کے ماحول میں حکم دیا گیا ہے کہ 'ان رومیوں سے جنگ کرو اور اس وقت تک کرتے رہو جب تک یہ جھک کر اور ذلیل ہو کر تمہاری اطاعت اور باجگزاری قبول نہ کر لیں"یعنی یہ محارب دشمن کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ اس کو 'صغار' اور ذلت پر اتارو۔ نہ کہ ریاست کے عام غیر مسلم شہریوں کے بارے میں۔ یعنی محارب طاقت جب جھک جائے، شکست تسلیم کر کے اطاعت قبول کر لے تو اب عام شہریوں کے لئے یہ صغار اور ذلت کا حکم باقی نہیں رہے گا؟۔

(اسلام کا تصورِ جہاد از یحییٰ نعمانی صفحہ 59-58)

مولانا یحییٰ نعمانی کی تشریح تعلیم وروحِ قرآن کی صحیح صحیح ترجمان ہے کیونکہ اس سے وہ تمام آیات جن میں تمام پر امن غیر مسلموں سے حسن سلوک کا حکم ہے اس آیت کے مطابق ہو جاتی ہیں اور ان میں کوئی تعارض نہیں آتا۔ غامدی صاحب کی تفسیر سے قرآن میں تضاد بھی لازم آتا ہے کہ کہیں پر امن انسانوں سے حسن سلوک کا حکم دیا اور کہیں انہیں جبراً مسلمان بنانے کا حکم

دیا گیاہے اور سارا نظمِ قرآن بھی درہم برہم ہو جاتا ہے۔ لہٰذا غامدی صاحب کی یہ رائے سو فیصد غلط ہے کہ اہلِ کتاب بھی اسلام یا جزیہ کے علاوہ زندہ نہیں رہ سکتے تھے۔ مسلمان زکوٰۃ دیتے تھے اور اہلِ کتاب جزیہ دونوں سے اسلامی ریاست میں یکساں سلوک ہوتا تھا۔ جو جزیہ ادا کرتا تھا وہ ذلیل نہیں کیا جاتا تھا بلکہ صحابہ کرام اس کی جان و مال عزت و آبرو کے محافظ بن جاتے تھے۔ غالباً حمص شام میں جب صحابہ کرام نے عیسائیوں سے جزیہ لے لیا لیکن ان کی حفاظت خود رومیوں سے نہ کر سکے تو جزیہ کی رقم واپس کر دی تھی۔ غامدی صاحب کو معلوم ہونا چاہیے تاریخی طور پر بھی کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ اصحاب رسول نے کسی پُر امن قوم پر محض کفر و شرک کی بنیاد پر چڑھائی کی ہو۔

رسول اللہ نے یہود کو مدینہ سے جلاوطن کیا اور خیبر میں جگہ دے دی ہمارے یہ دانشور کہتے ہیں کہ حضور نے فرمایا جزیرہ عرب میں دو دین نہیں رہ سکتے۔ تو پھر نبی کریم ﷺ نے یہود کو عرب سے کیوں نہ نکالا؟۔ وفاتِ نبی سے پہلے دین بھی غالب تھا اور مسلمان بھی۔ اس ناچیز کی رائے میں قرآن میں کوئی قانونِ رسالت بیان ہی نہیں ہوا اور رسولوں کو بھی نبیوں پر کوئی برتری حاصل نہیں۔

محترم غامدی صاحب لکھتے ہیں "اس قانون کی رو سے اللہ کی حجت جب ان رسولوں کے ذریعے سے کسی قوم پر پوری ہوتی ہے تو ان منکرین پر اسی دنیا میں عذاب آجاتا ہے۔ (اس کی کوئی دلیل قرآن میں نہیں بلکہ یہ بات خلافِ قرآن ہے۔ امتیاز) یہ عذاب آسمان سے بھی آتا ہے اور بعض حالات میں اہل حق کی تلواروں کے ذریعہ سے بھی........... چنانچہ رسول اللہ کو اور آپ کے اصحاب کو جس طرح ظلم و عدوان کے خلاف جہاد و قتال کا حکم دیا گیا اسی طرح اس مقصد کے لئے بھی تلوار اٹھانے کی ہدایت ہوئی۔ یہ خدا کا کام تھا جو انسانوں کے ہاتھوں انجام پایا اسے ایک سنت الٰہی کی حیثیت سے دیکھنا چاہیے۔ انسانی اخلاقیات سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ یعذبہم اللہ بایدیکم (اللہ انہیں تمہارے ہاتھوں سے سزا دے گا) کے الفاظ میں یہی حقیقت بیان ہوئی ہے (میزان ص580-579)۔

تبصرہ! یہ اقتباس بھی محترم غامدی صاحب کے قرآن پر عدم تدبر کا ثبوت ہے۔ قرآن میں یہ بات کہیں ہے ہی نہیں جو وہ لکھ رہے ہیں "اللہ کی حجت جب ان رسولوں کے ذریعے سے کسی قوم پر پوری ہوتی ہے تو ان کے منکرین پر اسی دنیا میں عذاب آتا ہے"۔

غامدی صاحب کی تضاد فکری دیکھیں اس جگہ رسولوں کی اتمام حجت انکی قوم یا کسی قوم پر مان رہے ہیں اور صفحہ 601 پر محض ایک ایک خط سے دوسری اقوم کے سربراہوں پر اتمام حجت قائم کرنا لکھ آئے تھے۔ قرآن میں مکہ میں بھی اعلان کیا گیا کہ دین میں کوئی زبردستی نہیں اور مدینہ میں بھی تو کس طرح منکرین رسول پر دنیا میں عذاب آسکتا تھا۔ تفصیلی دلائل اسی تنقیدی مضمون میں قرآن سے بحوالہ پیش کیے جا چکے ہیں۔

پھر لفّاظی کی انتہا ہے کہ 'یہ خدا کا کام تھا جو انسانوں کے ہاتھوں انجام پایا' محترم کو معلوم ہونا چاہیے جو کام خدا کا ہو وہ خدا ہی کرتا ہے اور انسانوں سے صرف وہی کام مطلوب ہیں جو انسانوں کے کرنے کے ہوں۔

یہ بھی کتنی عاقلانہ بات ہے کہ "انسانی اخلاقیات سے اس کا کوئی تعلق نہیں" کیوں نہیں ہے رسول اللہ کے اخلاق کی تعریف تو قرآن میں ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ قرآن سے بہتر کوئی اخلاقی کتاب دنیا میں نہیں اور محمد رسول اللہ علیہ وسلم سے بہتر اخلاق کسی انسان کا نہیں ایک غلط بات ثابت کرنے کے لئے غامدی صاحب نے کتنی کچی بات کہہ دی۔ سورہ توبہ کی آیت 14 کا جو حصہ انہوں نے نقل کیا ہے یہ طالب علم ان کے بہت سے شاگردوں کو بار بار لکھ چکا کہ اس آیت میں لفظ عذاب کا اس قانونِ رسالت سے کوئی تعلق نہیں جو امین احسنؒ کو قرآن میں نظر آگیا اور بعد میں تقلیداً اسے حق کی حتمی حجت کا درجہ دے دیا گیا۔ امین احسن اصلاحیؒ تو اس لئے معذور ہیں کہ شاید کسی نے انہیں اس غلطی پر توجہ نہ دلائی ہو لیکن اربابِ المورد اور نصرۃ العلوم کے فرزند کو کیا کہا جائے کہ جنہیں بار بار بتایا جا رہا ہے کہ آپ لوگوں سے بہت بھاری غلطی ہو رہی ہے مگر زبان و بیان کے اسالیب کے کہ یہ ماہرین ہم جیسے کسی عامی کی بات پر توجہ دینا کسرِ شان جانتے ہیں۔

بہر کیف سورہ توبہ کی آیت 14 کو غامدی صاحب قانونِ رسالت یعنی اہل مکہ کے رسول اللہ پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے پیش کرتے ہیں یہ طالب علم یہاں آیت 14-13 دہ آیات قرآن سے نقل کر کے ان کا سادہ ترجمہ پیش کرتا ہے۔ محترم غامدی صاحب کو اس مقام پر بھی شدید مغالطہ ہوا ہے۔"الا تقاتلون قومانکثوا ایمانهم وهموا باخراج الرسول وهم بدئكم اول مرة اتخشونهم فالله احق ان تخشوه ان كنتم مومنينo قاتلوهم يعذبهم الله بايديكم ويخزهم و ينصركم عليهم ويشف صدورقوم المومنينo(التوبہ14-13)تم ان لوگوں کی سرکوبی کے لئے کیوں تیار نہیں ہوتے جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ دیا اور رسول کو جلاوطن کرنے کی فکر میں ہیں اور خود ہی اول

بار انہوں تم سے چھیڑ کی ہے کیا تم ان سے ڈرتے ہو۔ اللہ ہی اس کا مستحق ہے کہ اس سے ڈرو اگر تم ایمان والے ہو۔ ان سے تم جنگ کرو اللہ تعالیٰ انہیں تمہارے ہاتھوں عذاب دے گا انہیں ذلیل و رسوا کرے گا تمہیں ان پر مدد دے گا۔ اور مسلمانوں کے کلیجے ٹھنڈے کرے گا۔

تبصرہ!

ان دو آیات میں ھم کی ضمیر سات بار آئی ہے (مشرکین مکہ) اس قوم کی طرف راجح ہے جس کے جرائم اللہ تعالیٰ نے یہ بتائے ہیں (1) قسموں کا لحاظ نہ رکھنا اور انہیں توڑ دینا (2) رسول اللہ کو جلاوطن کرنے کا مصمم ارادہ کرنا (3) چھیڑ۔ جنگ کی ابتداء کرنا۔

غامدی صاحب کی جسارت یا لاعلمی ملاحظہ ہو کہ جو تین وجوہات اللہ تعالیٰ بتا رہے ہیں وہ انہیں نہیں مانتے اور جو بات اللہ تعالیٰ نے نہیں کی اسے وہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ لگا رہے ہیں۔ آیت 13 نے صاف صاف بتا دیا کہ مشرکین مکہ نے یہ تین جرائم کئے ہیں (جو دنیا میں کوئی قوم کسی دوسری قوم کے ساتھ کرے تو جنگ ناگزیر ہو جاتی ہے) لہٰذا اب ان سے جنگ کرو اور ان جرائم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ انہیں سزا دے گا اور مومنین کے سینوں میں ٹھنڈ ڈالے گا۔ یہاں توبہ کی آیت 15 بھی نقل کی جاتی ہے جس سے غامدی صاحب کی فکر کی مکمل تردید ہو جاتی ہے۔ ''ویذھب غیظ قلوبھم ویتوب اللہ علیٰ من یشاء واللہ علیم الحکیمo (توبہ 15) اور ان کے دل کا غم و غصہ دور کرے گا اور وہ جس کی طرف چاہتا ہے رحمت سے توجہ فرماتا ہے۔ اللہ جانتا بوجھتا حکمت والا ہے''۔

تبصرہ!

اس آیت نے خبر دی ہے کہ اس جنگ کی وجہ سے مومنین کا غصہ دور ہو گا۔ یہ غصہ کیوں تھا؟ جواب آیت 13 میں ہے کہ قسموں کو توڑا، مکہ سے انہیں نکالا اور مدینہ میں بھی چین سے نہ رہنے دیا اور سورہ حج کی 40-39 آیات میں بتایا کہ توحید کی وجہ سے ظلماً مومنین کو گھروں سے نکالا تو اس آیت کا سیاق و سباق (جس کا غامدی صاحب بہت زیادہ حوالہ دیتے ہیں) صرف اور

صرف اسی تفسیر و مطلب کی طرف راہنمائی کر رہا ہے جو یہ طالب علم بیان کر رہا ہے اور غامدی صاحب کی مکمل تردید کر رہا ہے۔ ان آیات میں کہاں ہے کہ اتمام حجت کے بعد قانون رسالت یا کفر و شرک کی وجہ سے ان سے جنگ کرو۔

اس مقام کی وضاحت جب قرآن میں اللہ تعالیٰ نے کر دی ہے تو کسی انسان کو یہ حق نہیں رہ جاتا کہ اللہ کی بیان کردہ تفسیر سے ہٹ کر کوئی رائے دے۔ کاش غامدی صاحب توجہ فرمائیں تو ان کے شاگرد بھی رجوع کر سکیں۔

چنانچہ سورہ توبہ آیت 14 میں جس عذاب کا ذکر ہے وہ مشرکین کی رسول اللہ کی مخالفت اور ظالمانہ رویّہ کی وجہ سے انہیں دیا گیا۔ یہ کسی مزعومہ قانون رسالت کی وجہ سے نہیں دیا گیا۔ آخر میں یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ یہ طالب علم محترم عمار ناصر صاحب اور محترم جاوید احمد غامدی صاحب کے اخلاق سے بہت متاثر ہے اور کسی قسم کا تعصب ان حضرات سے نہیں رکھتا۔ میرا عزیز ذی علم دوست محمد افتخار تبسم ان دو حضرات سے بے حد متاثر ہے اور ہمیشہ اس نے ان حضرات کی تعریف ہی کی ہے۔ کچھ یہی حال راقم السطور کے دیگر بہت سے احباب کا بھی ہے۔ خود اس طالب علم نے بھی امین احسن اصلاحیؒ کی تفسیر سے بہت استفادہ کیا ہے اور ان کے لئے آج بھی دل سے دعائیں نکلتی ہیں۔ مگر حق بات کا تقاضہ ہے کہ اسے بیان کر دیا جائے۔ امین احسن ہوں یا وحید الدین خاں یا جاوید احمد غامدی صاحب یہ سب حضرات اسلاف کی عزت کے باوجود اسلاف کی غلطیوں کی نشاندہی بھی کرتے رہے ہیں اور ایسا ہونا بھی چاہیے۔ مگر کسی بھی ہستی پر تنقید ایک تو اصول کے مطابق ہونی چاہیے دوسرے دلیل سے۔ اس طالب علم نے اس مقالہ میں جو بھی تنقیدی تبصرے کئے ہیں پوری کوشش کی ہے کہ کوئی جملہ یا لفظ خلاف حق نہ لکھا جائے۔ اس کی بھی پوری کوشش کی ہے کہ جو دلیل عمار صاحب یا غامدی صاحب کی طرف سے دی گئی ہے اس پر قرآن کی روشنی میں تنقید کی جائے اور اپنی بساط کی حد تک کہہ سکتا ہوں کہ قرآن کی جتنی بھی آیات عمار صاحب نے پیش کی ہیں ان میں سے ہر ایک آیت پر تبصرہ کیا ہے اور عمار صاحب کے استدلال کی غلطی تفصیل سے بیان کی ہے۔

یہ بھی صحیح ہے کہ اس مقالہ کو لکھتے وقت جتنی بھی تفاسیر کو دیکھا سبھی مفسرین نے لا اکراہ فی الدین اور اس سے ملتی آیات پر وہی تبصرہ کیا ہے جو عمار صاحب کو قبول نہیں یعنی کسی مفسر نے بھی ان آیات میں کسی قسم کا کوئی استثناء نہیں مانا۔

عمار صاحب کا یہ مضمون محترم جاوید احمد غامدی صاحب کے افکار کی ترجمانی ہے۔ یہ طالب علم بہت عرصہ اشراق کا قاری رہا ہے اور غامدی صاحب کی تقریباً سبھی کتب بھی پڑھی ہیں اس لئے اس مکتبہ فکر سے کماحقہ آگہی رکھتا ہے۔ قوموں پر عذاب سے متعلق جب غامدی صاحب کے خیالات پڑھے تو پھر قرآن مجید کا خصوصی طور پر مطالعہ کیا اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یقین ہوا کہ اس قانون کے بیان کرنے میں ان حضرات سے غلطی ہوئی ہے۔ اسی طرح "قانونِ طلاق، قانونِ وصیت، شفاعت، عذابِ برزخ، مقامِ سنت (اس معاملہ میں جعفر شاہ صاحب کی کتاب مقامِ سنت لائق مطالعہ ہے)، حق کی حتمی حجت، مسئلہ نسخ فی القرآن، اہل کتاب سے متعلق قرآنی تعلیم جیسے مسائل میں بھی محترم غامدی صاحب سے صریح غلطی ہوئی ہے۔ اور قانون صوم سے متعلق تو صاحب تدبر قرآن اور امام فراہیؒ سے بھی خطا ہوئی ہے۔ غلطی ہو جانا یا کسی مسئلہ کی سمجھ نہ ہونا کوئی پریشانی کی بات نہیں ہر انسان پوری کوشش کر کے کسی بھی مسئلہ کی تہہ تک پہنچنا چاہتا ہے مگر کہیں صحیح بات نہیں جان پاتا۔

فکر کی اصل بات تو یہ ہے کہ جب اس مفکر کو اس کی غلطی کی نشاندہی کی جائے تو وہ اسی زعم میں رہے کہ اس نے غور کرنے کا حق ادا کر دیا ہے اور اپنی فکر پر نظر ثانی کرنے سے انکار کر دے راقم کا مشاہدہ ہے محترم غامدی صاحب کو عربی زبان اور اس کے اسالیب کی وجہ سے ہم جیسے عامیوں کی دلیل پر غور کرنے میں بھی تامل ہوتا ہے اور اس معاملہ میں ان کے شاگردوں نے تقلید کی آخری بلندیوں کو چھو لیا ہے اس کی تفصیل لکھی جائے تو مزید پچاس صفحات درکار ہوں گے۔

اس خاکسار نے محترم غامدی صاحب کو ایک بار لاہور میں ان کے چار شاگردوں سے متعلق اپنی خط و کتابت اور ان کے رویہ کا ذکر کیا تو محترم جاوید صاحب نے اتنا فرمایا 'یہ سب میرے استاد ہیں'۔ اتنی کورانہ تقلید تو شاید مدارس سے فارغ طلبہ بھی اپنے شیوخ کی نہیں کرتے۔ مجھے یہ بھی کہنا ہے کہ برصغیر میں ایک سے بڑھ کر ایک اہل علم گزرے ہیں، ابوالکلام آزاد، حسین علی، فراہی کے اسمائے گرامی قرآن کے حوالے سے یاد رکھے جائیں گے مگر دیکھا یہ کہ ان بزرگوں سے اختلاف ہی کو پسند نہیں کیا جاتا۔ راقم الحروف نے جتنی بھی تفاسیر کا مطالعہ کیا اور چند دینی کتب بھی بغور پڑھی ہیں جہاں علماء کرام نے بہت خوبصورت باتیں بتائی ہیں وہیں ان سے غلطیاں بھی ہوئی ہیں اس لئے نہ کسی مکتبہ فکر کی بنیاد رکھنی چاہئے اور نہ ہی ان بزرگوں کو معصوم عن الخطا ماننا چاہیے۔

مجھے لکھنا نہیں آتا مگر لکھنا اس لئے پڑا کہ راقم کے مطالعہ قرآن کے مطابق محترم عمار صاحب نے غامدی صاحب کے خیالات سے متاثر ہو کر جو مضمون "جہاد! ایک مطالعہ" کے عنوان سے لکھا ہے اس نے اس طالب علم کو تڑپا کر رکھ دیا تقریباً آٹھ ماہ تک اس مضمون پر کام کیا پہلے عمار صاحب کو بذریعہ ٹیلیفون اپنی تشویش سے آگاہ کیا (ویسی ہی تشویش جیسی منظور نعمانیؒ کو عبداللہ عباس ندوی کے واقعہ کربلا سے متعلق تعمیر حیات میں شائع شدہ تبصرہ سے ہوئی تھی) اس کے بعد انہیں ایک مفصل خط لکھا مگر کسی قسم کا جواب عمار صاحب کی طرف سے نہ آیا تب مجبور ہو کر یہ مضمون اشد مجبوری کے تحت لکھا گیا ہے اس لئے میرے تحریر میں کسی بھی قسم کی کمی یا کجی محسوس ہو تو قارئین سے گزارش ہے اس سے صرف نظر کریں ہاں علمی طور پر مضمون میں کوئی سقم ہو یا غلطی ہو تو دلیل سے نشاندہی کی جائے تو انشاء اللہ اس کم علم طالب علم کو رجوع کرنے میں کوئی مشکل نہ ہو گی۔

آخر میں یہ کہنا ہے کہ ہم مسلمانوں نے ساری دنیا کو قرآن پیش کرنا ہے مغربی دنیا بھی اسلام کی اتنی ہی مخاطب اور حقدار ہے جتنی مشرقی دنیا مگر یہ فکر بھی مسلمانوں میں نجانے کہاں سے آگئی ہے کہ اسلام مشرق کا ہی ہے اور مشرق کے لئے ہی ہے۔ قرآن کا نازل کرنے والا رب العالمین اور رب الناس ہے۔

وحید الدین خاں صاحب نے "مذہب اور علم جدید کا چیلنج" اس لئے لکھی تھی کہ اسلام کو اہل مغرب اور دنیا کے پڑھے لکھے انسانوں کے سامنے دلیل سے پیش کیا جائے۔ مولانا کا کہنا ہے کہ دنیا مذہب سے اس لئے بیزار ہے کیونکہ مذہب عقل و فکر پر پابندی لگاتا ہے (خود راقم کے بھائیوں جیسے دوست جو برطانیہ میں مقیم ہیں یہی کہتے ہیں کہ یورپ نے مذہب سے جان چھڑائی تو ترقی کی) وحید الدین خاں صاحب نے اس کتاب میں بتایا ہے کہ یورپ جس مذہب پر تنقید کرتا ہے اور جس مذہب سے جان چھڑائی وہ اللہ تعالیٰ کا خالص دین نہیں ہے۔ جبکہ مسلمانوں کے پاس قرآن کی شکل میں خالص دین موجود ہے جو نہ صرف سوچ پر پابندی عائد نہیں کرتا بلکہ غور و فکر کی دعوت دیتا ہے۔ ڈاکٹر موریس بکائی نے بھی اسی موضوع پر ایک کتاب (The Bible, The Qran and the Science) لکھی ہے جس میں اسلام کو عقل اور سائنس کے اصولوں کے مطابق ثابت بھی کیا ہے اور سائنس کا راہ نما بھی مانا ہے۔ ضرورت یہ ہے کہ دنیا کے سامنے قرآن کو خالص بنا کسی مسلکی آویزش کے پیش کیا جائے۔ محترم عمار صاحب نے جہاد و قتال و قانون عذاب میں خلط مبحث کیا ہے اور 'امرت ان اقاتل الناس' والی خلاف قرآن روایت پیش کر کے اسلام کی بے حد غلط ترجمانی کی ہے اور یہ لکھ کر کہ ذخیرہ سیرت سے ثابت ہے کہ رسول اللہ کے قریش کے تجارتی

قافلوں پر وقتاً فوقتاً حملوں کی وجہ سے غزوہ بدر پیش آیا خود رسول اللہ کی بھی بہت غلط تصویر دنیا کے سامنے پیش کی ہے۔ایسی باتیں تو ولیم میور جیسے لوگوں ہی کو زیب دیتی ہیں۔ہمارے عمار صاحب نے ان کی ہمنوائی کر کے ہمیں بہت مایوس کیا ہے ان سے ہمیں امیدیں تھیں کہ تحقیقی ذہن کے آدمی ہیں مگر ہماری قوم کا بحیثیت مجموعی شاکلہ ہی بگڑ چکا ہے۔غامدی صاحب نے جو قانون اتمام حجت رسولوں کے حوالے سے بیان کیا ہے اور جس کی کوئی اصل قرآن شریف میں نہیں پائی جاتی اس طالب علم نے بساط بھر اس کی تردید کر دی ہے آخر میں مکرر عرض ہے کہ اتمام حجت اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو قرآن اور عقل و شعور یعنی سوچنے سمجھنے کی طاقت دے کر اس پر حجت خود ہی تمام کر دی ہے۔"فللہ الحجۃ البالغہ فلو شاء لھدکم اجمعینo(الانعام 149) تو کہہ دیجئے اللہ ہی کی دلیل فیصلہ کن ہے سو اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا"۔البالغہ، بلوغ کے معنی غیت مقصد کو پہنچ جانا ہیں۔(مفردات القرآن از راغب) پس حجتہ البالغہ کے معنی وہ دلیل قطعی ہوئی جو مدعا کو ثابت کر دے۔اس آیت سے پہلے مشرکین کے اعترضات کے جواب نقل ہوئے ہیں اور مشرکین کے بارے میں قرآن میں کہا ہے کہ ان کے پاس کوئی قطعی یا صحیح علم نہیں بلکہ وہ وہم و گمان کی پیروی کر رہے ہیں تو جو دلائل انہیں دیے ہیں انہیں حجت اللہ البالغہ یا فیصلہ کن دلائل کہا ہے۔اور آخر میں کہا ہے کہ اللہ کا ارادہ تو ہدایت ہی کا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ وہ سامان پیدا کر دے گا جو تم کو شرک سے نکال کر توحید پر قائم کر دیں یعنی انسانوں نے خود غور و فکر کر کے آفاق میں دی گئی نشانیوں کی وجہ سے تعلیماتِ آسمانی پر تدبر کر کے ایمان لانا ہے اگر اللہ کی مشیت ایمان میں انسانوں کو مجبور کرنا ہوتی تو وہ تمام انسانوں کو جبری مسلمان بنا دیتا۔

اس آیت میں اور قرآن کی دیگر آیات میں جہاں جہاں بھی شرک کے ابطال اور توحید کے اثبات میں دلائل دیئے گئے ہیں ہماری راہنمائی کر دی ہے کہ ہر انسان پر حجت تمام ہو چکی کوئی انسان چاہے جاپانی ہو یا کورین قوم ہی سے کیوں نہ ہو اللہ کو یہ نہیں کہہ سکے گا کہ ہمیں معلوم نہ تھا لہٰذا معافی دی جائے۔

مزید یہ کہ اس اتمام حجت کا کوئی تعلق صرف رسولوں سے نہیں قرآن سے اور کائنات میں پھیلے دلائل سے نبی بھی یہ کام بحسن و خوبی ادا کر سکتا ہے اور قیامت تک آنے والے مصلحین بھی یہ کام کر سکتے ہیں اور ہر انسان از خود بھی غور و فکر سے توحید سمجھ سکتا اور شرک کی تردید کر سکتا ہے۔بالکل اسی طرح جس طرح محمد ﷺ، ابو بکر، عثمان رضی اللہ عنھما اور زید بن عمرو جیسے

لوگوں نے کبھی دور جاہلیت میں بھی شرک نہ کیا تھا۔ جتنا قرآن رسول کو آتا ہے اتنا ہی نبی کو بھی آتا ہے یہ نہیں رسولوں کو انبیاء سے بہتر عقل اور فہم دین عطا ہوتا ہے اور وہ اللہ کی عدالت بن کر آتے ہیں اور انبیاء اللہ کی عدالت نہیں ہوتے۔

کسی بھی انسان پر اتمام حجت کا تعلق اس کے صحیح وغلط میں تمیز کر سکنے سے ہے ہر وہ انسان جو صحیح وغلط میں تمیز کر سکتا ہو اللہ کے ہاں مسؤل ہے۔ اس مسؤلیت کا کوئی تعلق رسولوں کے بارے میں اللہ کی کسی ایسی سنت سے نہیں جو انبیاء سے رسولوں کو خاص کرے۔ سورہ الانعام کی اس آیت 149 سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اردو میں بھلے ہی اتمام حجت کا نام لیا جائے مگر قرآنی لفظ حجت البالغہ ہے اور یہ صرف اللہ کے لئے ہی سزاوار ہے۔ آخر مین دوبارہ عرض ہے کہ اس طالب علم نے محترم عمار صاحب اور محترم جاوید احمد غامدی صاحب پر جو تنقید کی ہے محض ابلاغ حق اور دفاع رسول کے جذبہ سے کی ہے ان دونوں حضرات سے اس طالب علم کو بہت محبت ہے مگر اللہ، قرآن اور اس کا رسول اس خاکسار کو ان حضرات سے بھی بہت زیادہ عزیز ہے امید ہے یہ حضرات اس کم علم کی گذارشات پر سنجیدگی سے توجہ فرمائیں گے اور جہاں بھی اس طالبِ علم سے غلطی ہوئی ہے اس کی نشاندہی کریں گے تو رجوع کرنے میں انشاء اللہ کسی قسم کا کوئی عار نہ ہو گا۔ اللہ سے دعا ہے ہمیں صحیح فہم ومقام قرآن سے آگہی ہو۔

هذا ما عندی والعلم عندالله................ o

خاکسار محمد امتیاز